اردو
طبّی مترجمین

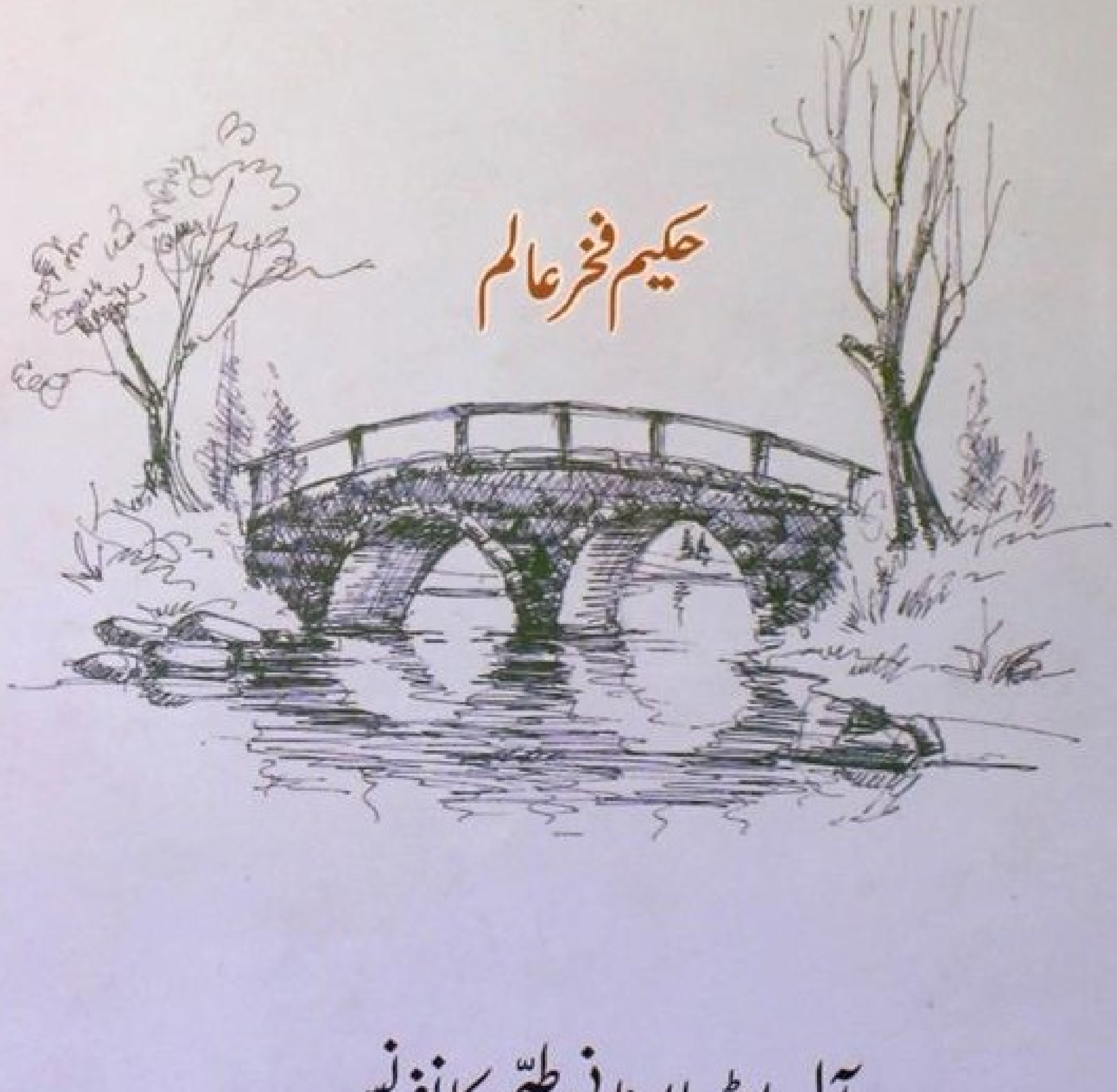

حکیم فخر عالم

آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس

ہمدرد منزل، لال کنواں، دہلی-110006

2017

بخدمت
محترم جناب اشتیاق احمد ظلی صاحب
فخر عالم
26.2.17

اردو

طبّی مترجمین

53634
109/064
16138

حکیم فخر عالم

آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس
ہمدرد منزل، لال کنواں، دہلی-110006
2017

[© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں]

کتاب : اردو طبی مترجمین

مصنف : حکیم فخر عالم

سن اشاعت : 2017

تعداد : 600

قیمت : -/400

زیر اہتمام : آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس، ہمدر منزل، لال کنواں، دہلی-110006

ناشر : ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

طابع : مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ۔09897165496#

ISBN : 978-93-83549-69-6

رابطہ کا پتہ

Hakim Fakhre Alam

D-II Floor, Samreen Apartment
Shah Basheer Clony, Hadi Nagar
Doharra, Aligarh-202002 (U.P.)
Mobile No. 09411653041/08744025981
E-Mail: fakhrealamx7598@gmail.com

انتساب

مجتہد عصر، سلطان العلماء حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب مرحوم
کی نذر
ان کی ذاتِ والا صفات ہمارے خاندان کا سرمایۂ افتخار تھی

حکیم فخر عالم

مصنف کی ایک یادگار تصویر

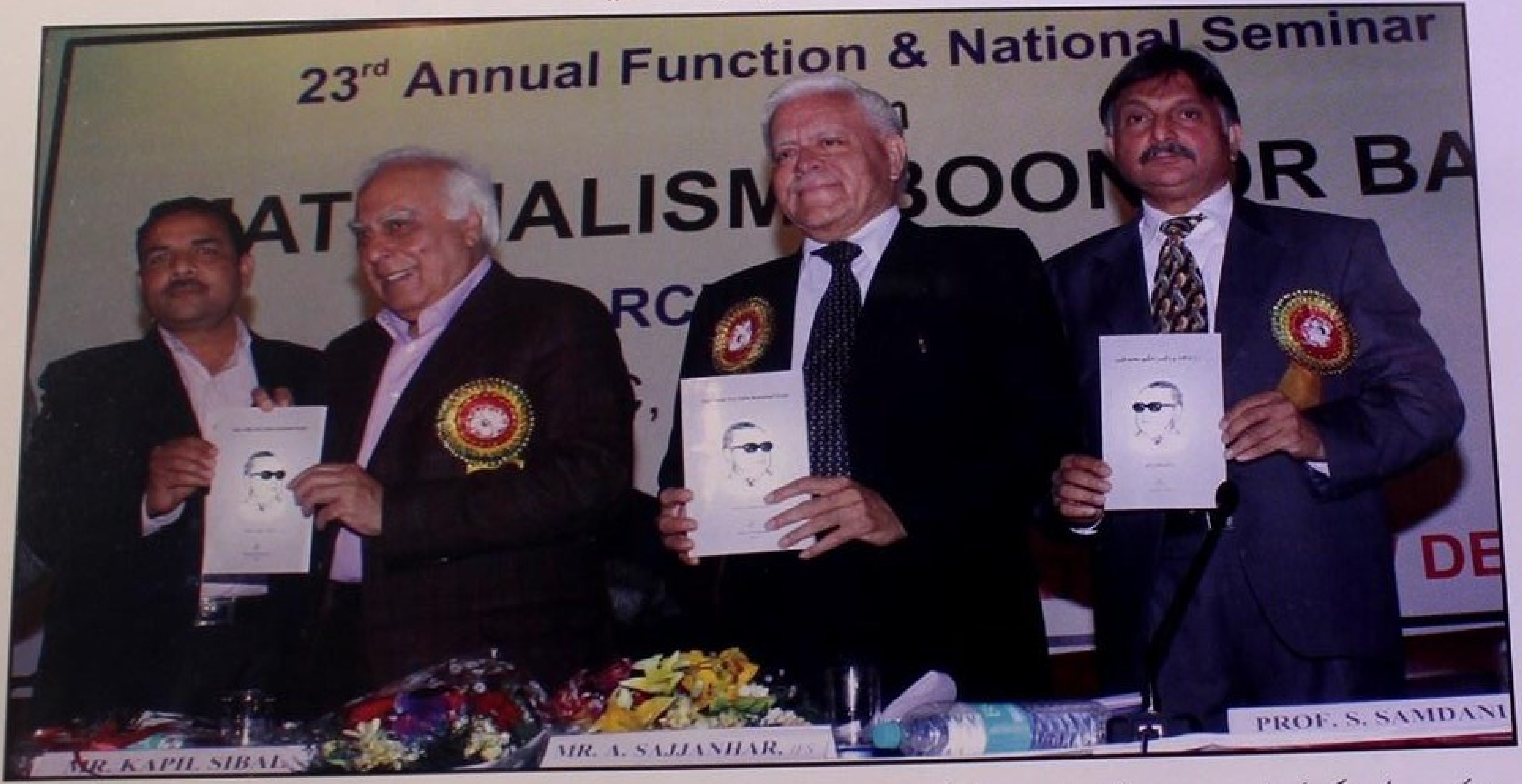

(بائیں سے دائیں) حکیم فخر عالم [مصنف]، جناب کپل سبل [منسٹر آف کمیونیکیشن اینڈ انفارمیشن ٹکنالوجی]، جناب اے سجن ہار [آئی ایف ایس]، پروفیسر شکیل احمد صمدانی [فیکلٹی آف لا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی]

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	معروضات	۱۱
۲	تقریظ	۱۶
۳	مقدمہ	۱۹
۴	مولوی آغا رفیق بلند شہری	۲۸
5	حکیم احسان علی قادری	۲۹
۶	حکیم سید احمد حسین	۳۰
۷	حکیم محمد ادریس مظاہری	۳۲
8	حکیم محمد اسماعیل خاں ذبیح دہلوی	۳۴
9	حکیم خواجہ محمد اشرف علی لکھنوی	۳۵
10	حکیم محمد اشرف کریم	۳۶
۱۱	حکیم محمد اصغر علی	۳۸
۱۲	حکیم محمد افہام اللہ	۳۹
۱۳	حکیم محمد اکرم	۴۴
۱۴	حکیم محمد اکرم لئیق	۴۶
15	حکیم مرزا امیر بیگ	۴۸
۱۶	حکیم محمد امین الدین خاں	۴۹

۱۷	حکیم محمد اول شاہ سنبھلی	۵۱
۱۸	حکیم محمد ایوب اسرائیلی	۵۲
۱۹	حکیم سید ایوب علی قاسمی	۵۴
۲۰	حکیم سید محمد باقر سونی پتی	۶۱
۲۱	حکیم محمد بدرالدین خاں دہلوی	۶۳
۲۲	حکیم محمد بدرالدین کشمیری	۶۵
۲۳	خواجہ بدرالسلام فروغی	۶۶
۲۴	حکیم بلال احمد	۶۷
۲۵	پنڈت پیارے لال کشمیری	۶۹
۲۶	حکیم محمد تاج الدین	۷۰
۲۷	حکیم تاج محمد خاں افغان	۷۳
۲۸	حکیم تبارک کریم تکمیلی	۷۴
۲۹	حکیم جاوید احمد خاں	۷۸
۳۰	حکیم محمد حامد علی خاں	۸۰
۳۱	حکیم حبیب اللہ	۸۱
۳۲	حکیم سید محمد حسان نگرامی	۸۲
۳۳	حکیم سید محمد حسن	۸۶
۳۴	حکیم محمد حسن حاذق میرٹھی	۸۷
۳۵	حکیم محمد حسن علی	۹۲
۳۶	شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی	۹۳
۳۷	منشی حسیب الدین احمد سوزاں	۱۰۰
۳۸	حکیم محمد حسین صدیقی نانوتوی	۱۰۲
۳۹	حکیم حسین الدین احمد جون پوری	۱۰۴
۴۰	حکیم خالد جاوید شمسی	۱۰۶

۴۱	حکیم محمد خلیل احمد قادری جائسی	۱۱۰
۴۲	ڈاکٹر خورشید حسین	۱۱۴
۴۳	مولوی خورشید علی	۱۱۵
۴۴	شفاء الملک حکیم دلبر حسن خاں	۱۱۷
۴۵	حکیم دیوان کاہن چند کپور	۱۱۹
۴۶	حکیم رحیم بخش سہارن پوری	۱۲۰
۴۷	حکیم رشید اشرف ندوی	۱۲۲
۴۸	حکیم خواجہ رضوان احمد	۱۲۴
۴۹	حکیم محمد رضی الاسلام ندوی	۱۲۹
۵۰	حکیم محمد ساجد بستوی	۱۳۳
۵۱	حکیم خواجہ محمد سلامت اللہ	۱۳۶
۵۲	شبیر احمد خاں غوری	۱۳۷
۵۳	حکیم محمد شمس الدین بھاول پوری	۱۳۹
۵۴	حکیم شمیم ارشاد اعظمی	۱۴۱
۵۵	حکیم محمد ضیاء الدین گوپامئوی	۱۴۳
۵۶	پروفیسر حکیم محمد طیب	۱۴۴
۵۷	حکیم محمد ظفر اللہ	۱۴۹
۵۸	حکیم سید ظل الرحمان	۱۵۱
۵۹	حکیم ظہیر احمد شاہ ظہیریؔ	۱۵۳
۶۰	حکیم سید عابد حسین لکھنوی	۱۵۵
۶۱	حکیم محمد عارف اصلاحی	۱۵۷
۶۲	مولوی عارف الدین	۱۵۹
۶۳	حکیم عبد الباری فلاحی	۱۶۰
۶۴	حکیم محمد عبد الحلیم لکھنوی	۱۶۴

۶۵	حکیم عبدالرزاق جگرانوی	۱۶۶
۶۶	حکیم ابوعبدالعزیز محمد بٹالوی	۱۶۷
۶۷	حکیم مولوی محمد عبدالعزیز کاملؔ	۱۶۸
۶۸	حکیم محمد عبدالغنی رمضان پوری	۱۷۰
۶۹	حکیم قاضی محمد عبداللطیف	۱۷۱
۷۰	شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی	۱۷۲
۷۱	حکیم عبدالمجید اصلاحی	۱۷۷
۷۲	حکیم عبدالمجید قاسمی	۱۸۱
۷۳	حکیم محمد عبدالواحد	۱۸۴
۷۴	حکیم عبدالہادی	۱۸۷
۷۵	ڈاکٹر محمد عثمان خاں	۱۸۸
۷۶	حکیم عزیزالرحمٰن اعظمی	۱۹۰
۷۷	حکیم عطاء الرحمان ندوی	۲۰۳
۷۸	حکیم عظمت علی حسرتؔ لکھنوی	۲۰۵
۷۹	حکیم سید علی حیدر جعفری	۲۰۷
۸۰	حکیم محمد عمر	۲۱۲
۸۱	حکیم سید عمید الاسلام قاسمی	۲۱۵
۸۲	ڈاکٹر سید غلام جیلانی برقؔ	۲۱۷
۸۳	حکیم غلام حسنین کنتوری	۲۲۰
۸۴	حکیم غلام حیدر لاہوری	۲۲۴
۸۵	ڈاکٹر غلام دستگیر	۲۲۵
۸۶	حکیم سید غلام مہدی رازؔ	۲۲۶
۸۷	حکیم مرزا فاضل بیگ	۲۳۳
۸۸	حکیم فخر عالم	۲۳۴

۸۹	حکیم فدا محمد خاں	۲۳۷
۹۰	حکیم فضل الرحمان	۲۳۹
۹۱	حکیم محمد فضل اللہ	۲۴۱
۹۲	حکیم منشی فضل حق تمکینؔ	۲۴۲
۹۳	حکیم محمد فیروز الدین	۲۴۴
۹۴	حکیم محمد قاسم دہلوی	۲۴۶
۹۵	حکیم کاظم علی	۲۴۸
۹۶	حکیم محمد کبیر الدین	۲۴۹
۹۷	حکیم سید علی کوثر چاند پوری	۲۶۱
۹۸	حکیم شیخ لیاقت حسین	۲۶۵
۹۹	حکیم مولوی مرزا محمد مہدی	۲۶۷
۱۰۰	حکیم محمود احمد برکاتی	۲۶۹
۱۰۱	حکیم ابوالکلام مختار احمد مختارؔ	۲۷۲
۱۰۲	حکیم مسرور احمد	۲۷۳
۱۰۳	حکیم سید محمد مصلح الدین	۲۷۵
۱۰۴	شفاء الملک حکیم سید مظاہر احمد	۲۷۶
۱۰۵	حکیم معراج الحق	۲۷۸
۱۰۶	حکیم سید منور حسین لکھنوی	۲۷۹
۱۰۷	حکیم محمد منور علی خاں	۲۸۰
۱۰۸	حکیم نثار احمد علوی	۲۸۲
۱۰۹	حکیم محمد نور الدین نظامی	۲۸۹
۱۱۰	حکیم نور کریم دریابادی	۲۹۰
۱۱۱	حکیم سید علی احمد نیرؔ واسطی	۲۹۳
۱۱۲	حکیم واجد علی موہانی	۲۹۷

۱۱۳	حکیم ولی اللہ خاں	۲۹۹
۱۱۴	حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی	۳۰۰
۱۱۵	حکیم مولوی ہبۃ اللہ	۳۰۴
۱۱۶	ڈاکٹر ی، الف محمد حسین	۳۰۶
۱۱۷	حکیم محمد یوسف بستوی	۳۰۷
۱۱۸	حکیم سید محمد یوسف نیرؔ	۳۱۰

53634
109064
16138

معروضات

ہندوستان میں استعماریت کے زیر اثر یہاں کے سیاسی حالات کے ساتھ سماجی ومعاشرتی معاملات اور تہذیبی وثقافتی رویوں میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں، یہ اثر لسانی منظرنامے پر بھی دیکھنے میں آیا۔ اس نوآبادیت کا ایک خوشگوار اثر اردو زبان پر محسوس کیا گیا، چنانچہ ہندوستان کی کثیر لسانی آبادی میں یہ نوخیز زبان رابطے کی سفیر بنائی گئی۔ اس ملک پر برطانوی استیلا کے بعد اردو زبان کا دائرۂ اثر اتنا بڑھ گیا تھا کہ نووارد صاحبان باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور اہل ہنود رامائن اور بھگوت گیتا جیسی مذہب کی اساسی کتابیں بھی اردو میں پڑھنے لگے تھے۔ یہ کام ترجمے کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ، جارج سینٹ جانسن کالج مدراس، دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی، کشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دارالترجمہ، سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد وغیرہ نئے عہد کے پیدا ہونے والے لسانی تقاضوں کو ترجمہ کے ذریعہ پورا کرنے کے لیے وجود میں آئے تھے۔

یونانی طب نے وقتِ گزراں سے خود کو ہم آہنگ کرنے کے لیے کئی بار اپنا لسانی جامہ تبدیل کیا ہے۔ انیسویں صدی میں اردو زبان کے بڑھتے اثر کے نتیجے میں اس روایت کا پھر اعادہ ہوا۔ اس سے پہلے یہ مغل عہد حکومت میں فارسی کے لسانی اثر کے تحت ہوا تھا اور طب نے اپنی عربی قبا بدلی تھی، جو اس نے اسلامی عہد حکومت میں یونانی اور سریانی کی جگہ اختیار کی تھی۔ یونانی طب میں ترجمہ نگاری کی اس مستقل روایت کو تاریخ کا اہم عنوان ہونا چاہیے، مگر صورتِ حال معکوس ہے اور اب تک اس موضوع کو خاطر خواہ اہمیت نہیں ملی ہے۔ اردو زبان میں طبی تاریخ کا مواد یوں بھی بہت کم ہے اور ترجمہ نگاری کی تاریخ اور مترجمین کے تذکرے کو توسرے سے اہمیت ہی نہیں دی گئی ہے۔ اتنے اہم عنوان کا نظر انداز

ہو جانا حیرت انگیز ہے۔ آج یونانی طب کا وسیلۂ اظہار اردو ہے، تو یہ کیوں اور کیسے ہوا، اسے مترجمین کی کوششوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ چونکہ مستقبل کے لیے بھی ترجمہ ایک بڑی ضرورت ہے، اس لیے کہ اب بھی یونانی طب کا ایک بڑا سرمایہ لسانی اجنبیت کی وجہ سے ناقابل استفادہ ہے اور طاقِ نسیاں میں پڑا ہے، لہٰذا اسے ترجمہ کے پیراہن میں مانوس شکل وصورت دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے جامع لائحۂ عمل کے لیے بھی ماضی کے تراجم اور مترجمین کی مساعی سے آگہی ضروری ہے۔

اردو زبان میں طبّی کتابوں کی تصنیف وتالیف کا باقاعدہ رواج بیسویں صدی کے دوسرے دہے سے اس وقت ہوا جب مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے طبیہ کالج قرول باغ میں اردو ذریعۂ تعلیم کے فروغ کی تحریک شروع کی تھی۔ حالانکہ اس عہد کے لسانی کینوس پر اردو کے اثرات اتنے نمایاں تھے کہ اردو زبان میں عصری علوم کے لیے دلی کالج اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد جیسے ادارے معرضِ وجود میں آ گئے تھے، اس لیے توقع تھی کہ حلقۂ اطباء میں مسیح الملک کی اس تحریک کو پذیرائی ملے گی، مگر تعجب ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں اُن کو کافی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ مسیح الملک کی اس تحریک کو کامیاب بنانے میں حکیم محمد کبیر الدین کے ادارہ المسیح اور حکیم خواجہ رضوان احمد کے دارالتالیفات کی مساعی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں اداروں سے درسی ضرورت سے تعلق رکھنے والی کئی اہم کتابوں کے ترجمے ہوئے اور متعدد کتابوں کی تالیف عمل میں آئی، جو آج تک درسی مقصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔

طبّی درس گاہوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کا فروغ یقیناً مسیح الملک حکیم اجمل خاں کا مرہونِ منت ہے، مگر مطابع کی کوششوں سے اس کے خام لوازمے بہت پہلے تیار ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں مطبع منشی نولکشور اوّلیت کے مقام پر فائز ہے، اس نے ۱۸۵۸ء میں اپنے قیام کے فوراً بعد ہی اہم طبّی کتابوں کے ترجمے اور ان کی اشاعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ کامل الصناعہ، القانون فی الطب، قانونچہ، ذخیرۂ خوارزم شاہی، اکسیر القلوب، مخزن الادویہ، کفایۂ منصوری، نفیسی، سدیدی، اقسرائی، شرح اسباب وعلامات، قرابادین ذکائی اور علاج الامراض جیسی کتابوں کے ترجمے مطبع منشی نول کشور سے انیسویں صدی ہی میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے۔ اس مطبع میں طبّی ترجمہ کا ایک مستقل شعبہ تھا۔ حکیم نور کریم دریابادی، حکیم سید غلام حسنین کنتوری، حکیم ہادی حسین خاں مراد آبادی، حکیم واجد علی موہانی، حکیم محمد ایوب اسرائیلی، حکیم سید عابد حسین لکھنوی وغیرہ اس شعبہ کے اہم ارکین میں تھے۔

مطبع منشی نول کشور کے علاوہ اس عہد کے دوسرے مطابع نے بھی طبّی ترجمہ نگاری کے باب میں کردار

ادا کیا ہے۔ مطبع مصطفائی میرٹھ، محبوب المطابع برقی پریس دہلی، مطبع مجتبائی دہلی، مطبع افتخار المطابع دہلی، مطبع جوالا پرکاش میرٹھ، مطبع مجمع العلوم لکھنؤ، مطبع منشی گلاب سنگھ لکھنؤ، مطبع نامی رائے بھوانی پرشاد، مطبع اسلامیہ لاہور وغیرہ اس سلسلے کے مزید اہم نام ہیں۔ بیسویں صدی کے ربعِ ثانی میں ادارہ المسیح اور دار التالیفات نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور آزاد ہندوستان میں مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی (CCRUM)، نئی دہلی نے اس سلسلے کو وسعت بخشی اور منظم صورت عطا کی۔ طبّی ترجمہ نگاری کے تعلق سے ان اداروں اور ان سے وابستہ مترجمین کا کردار، تاریخِ طب کا ایک اہم عنوان ہے۔ راقم کی زیرِ نظر تالیف ان کے احاطہ کی پہلی سنجیدہ کوشش ہے۔ اس کے بارے میں کسی تعلّی کے بغیر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ نقشِ اول اپنے موضوع پر ایک نقش تمام بھی ہے۔ اس میں طبّی ترجمہ نگاری کے آغاز سے لے کر اب تک کے تمام دستیاب مترجمین کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اِس وقت تراجم کی صورت میں جو طبّی سرمایہ اردو زبان میں ہے، اِسی سے تعلیم و تحقیق کی ضرورتیں پوری ہورہی ہیں، اِس لحاظ سے یہ یونانی طب کا بیش قیمت اثاثہ ہے۔ مگر طلبہ و اساتذہ کی موجودہ نسل اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا پارہی ہے۔ ان کی لسانی کم مائیگی اس کی بڑی وجہ ہے، لیکن اس کا سبب کسی قدر یہ بھی ہے کہ امتدادِ وقت کے ساتھ اردو زبان کی لسانی ہیئت کافی بدل گئی ہے اور یہ اپنے اسلوب اور طرزِ ادا کے لحاظ سے پہلے سے بہت زیادہ مختلف ہوگئی ہے۔ لہٰذا قدیم طبّی ترجموں سے استفادے کی کیا صورت ہو، یہ مسئلہ توجہ طلب ہے۔ اس سلسلے میں ایک تجویز یہ ہے کہ انہیں مناسبِ حال بنانے کے لیے رائج اسلوب میں منتقل کردیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان ترجموں کو فن پارے کے طور پر باقی رکھا جائے اور ان کی مدد سے دوسرے ترجمے کرلیے جائیں، اس طرح ان سے استفادہ بھی ہوجائے گا اور قابلِ فہم ترجمے کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی۔ اس کی مثالیں مطبع منشی نول کشور کے دار الترجمہ میں بھی ملتی ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ اردو طبّی مترجمین پر مشتمل ہے۔ یونانی طب کے یہ کردار تصنیف و تالیف کرنے والوں پر فوقیت کے حامل ہیں، اس لیے کہ آج اس فن میں جس قدر تصنیفی و تالیفی کوششیں نظر آرہی ہیں وہ کہیں نہ کہیں مترجمین کی مساعی سے ہی استفادے کا نتیجہ ہیں۔ مترجمین کا تفوق محض زمانی نہیں ہے کہ ان کی وجہ سے اردو زبان میں طبّی سرمایہ کی آمد شروع ہوئی ہے، بلکہ یہ برتری اس لحاظ سے بھی ہے کہ ان کے ذریعہ انجام پانے والے کام، بعد کے تصنیفی و تالیفی کاموں کے لیے بمنزلہ اساس اور بنیاد ہیں۔ ان تمام

اہمیتوں کے باوجود اردو طبی مترجمین خاطر خواہ اہمیت سے محروم تھے، اس تذکرہ سے کسی قدر انہیں جائز حق ملا ہے اور ایک انتہائی ضروری کام، جسے بہت پہلے انجام پانا چاہئے تھا، اس کی تلافی کا ایک سامان ہوسکا ہے۔

اس کتاب کے اکثر مطالعاتی مآخذ غیر روایتی ہیں، اس لیے کہ روایتی مآخذ میں مترجمین کے بارے میں بہت کم تفصیلات ملتی ہیں، لہٰذا ان کی تلاش و جستجو کا مرحلہ بڑا جانکاہ رہا ہے۔ گرد سے اَٹی کتابوں کو جھاڑ پونچھ کر ان کے بوسیدہ اوراق سے استفادہ، یہ کام مشکل تو تھا، مگر اس میں لطف خوب آیا۔ اس لیے کہ اسی بہانے ترجمہ نگاری کے نوادرات دیکھنے کو مل رہے تھے اور خوشی ہورہی تھی کہ میری نظروں سے میرے قاری کو بھی انہیں دیکھنے کا موقع فراہم ہورہا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا سبب اور اس کی تکمیل کا سامان حکیم محمد خالد صدیقی صاحب (سابق ڈائرکٹر جنرل سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی) اور استاذ گرامی حکیم سید مودود اشرف (سابق ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کی ذاتِ گرامی ہے۔ دراصل اس کا آغاز ایک مقالہ کے طور پر ہوا تھا، حکیم محمد خالد صدیقی صاحب یونانی طب میں ترجمہ نگاری کی روایت پر ایک سیمینار کا ارادہ رکھتے تھے، اس سلسلے میں ان کا حکم ہوا کہ میں اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ کے اساتذہ اور طلبہ کی طبی ترجمہ نگاری میں خدمات پر مقالہ لکھوں۔ ان کا حکم تھا، تعمیل ناگزیر تھی، مگر اس عنوان سے میری دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا تعلق میری مادر علمی سے تھا، اس لیے فوراً ہی کام شروع کردیا۔ بات اپنوں کی تھی اس لیے قلم بے مہار ہورہا تھا، میں نے بھی اسے آزاد چھوڑ دیا، بڑھتے بڑھتے جذبۂ تعلق کی یہ داستان ایک اچھا بھلا کتابچہ بن گئی۔ ایک ملاقات میں حکیم سید مودود اشرف صاحب سے اس کا ذکر نکل آیا، ان کا ارشاد ہوا کہ آیورویدک اینڈ یونانی طبی کالج دہلی اور تکمیل الطب کالج لکھنؤ کو بھی شامل گفتگو کرلوں تو ایک دستاویز بن جائے۔ لیجیے یہ بھی ہوگیا۔ پھر خیال آیا کہ کیوں نہ باقی بچے مترجمین کو بھی شامل کرکے تراجم اور ترجمہ نگاروں کی اب تک منضبط تاریخ نہ لکھی جانے کی شکوہ سنجی ہی دور کردی جائے۔ عزم نے ساتھ دیا اور یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ فالحمد للہ علےٰ ذلک۔

کتاب کی تالیف کے دوران حکیم وسیم احمد اعظمی صاحب نے مشفقانہ رہنمائی کے علاوہ ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر حسب معمول خردنوازی کا ثبوت دیا۔ حکیم سید مودود اشرف صاحب کے حوصلہ افزا کلمات

میرے جذبوں کو مہمیز کر کے مجھے تازہ دم کرتے رہے، کتاب پر ان کی تقریظ اس کا محض ادنیٰ اظہار ہے۔
مجھے ہر گام پر حکیم محمد خالد صدیقی صاحب کی محبت حاصل رہتی ہے، یہ معاملہ اس کتاب کے مختلف مرحلوں میں بھی رہا۔ ان بزرگوں کے لیے شکریے کے الفاظ اظہارِ حال اور اعتراف کے لیے بے معنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ ان سب کے لیے بس یہی دعا ہے کہ مجھے ہمیشہ ان کا سایۂ شفقت حاصل رہے۔ آمین!

حکیم فخر عالم

بروز جمعہ ۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

تقریظ

ترجمہ نگاری ایک مشکل مگر بے حد اہم کام ہے۔یہ سلسلہ اگر قائم نہ ہوتا تو ہم دوسری زبانوں میں (جن سے ہم ناواقف ہیں) جو علمی، فنی، تحقیقی، ادبی کام ہوا اور ہو رہا ہے، اس سے نا آشنا ہی رہتے۔دراصل ترجمہ نگار دو اجنبی زبانوں کے درمیان 'پل' کا کام کرتا ہے، جس سے گزر کر علوم و فنون ایک دوسرے تک پہنچے اور پہنچتے رہتے ہیں، اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، فن میں وسعت پیدا ہوتی ہے، اس طرح وہ نئی تبدیلیوں کی طرف گامزن رہتا ہے۔زمامِ مملکت جب عربوں کے ہاتھ میں آئی اور وہ کام کرنے کے مرتبہ میں آئے تو اُس وقت یونانی علوم و فنون کا بول بالا تھا۔طب، فلسفہ، منطق، نیز بہت سے دیگر علوم پر ایک طرح سے اُن کی اجارہ داری تھی۔عربوں نے اِن فنون کی قدر و قیمت کو بجا طور پر پہچانا اور بڑی تیزی کے ساتھ انہیں عربی زبان میں منتقل کرنے میں جُٹ گئے۔شاید ہی کوئی ایسی اہم کتاب بچی ہو، جو ان کی نگاہ میں آئی اور ترجمہ سے رہ گئی ہو۔ہندی علوم و فنون کے ساتھ بھی ان کی یہ روش برقرار رہی۔شاہانِ وقت نے ہندی ماہرین کو اپنے دربار میں جگہ دی، عرب محققین نے ان کے افکار و نظریات سے استفادہ کیا اور دنیا سے اس کو روشناس کرایا۔'فردوس الحکمت' میں آیورویدکے فلسفہ کا پورے شرح و بسط کے ساتھ تعارف موجود ہے۔ابوبکر محمد بن زکریا رازی جیسے نابغۂ روزگار نے 'الحاوی فی الطب' میں ان کے اقوال کو اہمیت کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ان سب کاموں میں روحِ رواں کی سی حیثیت ترجمہ نگار کی ہے، وہ دریا کے دو پاٹوں کو ملاتا اور فن کو بالیدگی و توانائی بخشتا ہے۔وہ ہمارا محسن ہے، جو علمی پیاس بجھانے کا سامان فراہم کرتا ہے اور ایسی کتابوں تک ہماری رسائی ممکن بناتا ہے، جو دسترس سے باہر تھیں۔ان کی زندگی اور کارناموں سے بے خبر رہنا ان کے ساتھ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

عربوں نے جو کام بطور خاص یونانی طب کے ساتھ کیا، ہندوستان کے ماہرینِ فن نے وہی کام عربی، فارسی، سنسکرت کی معتبر کتابوں کے ساتھ کیا، بڑی تعداد میں ان کو اردو قالب میں ڈھالتے چلے گئے۔ ہم اپنے ان محسنوں کے کارناموں کو نہ جانیں، ان کو یاد نہ رکھیں، ان کی قدر نہ کریں تو اس سے بڑھ کر احسان فراموشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب تک عملاً یہی ہو رہا تھا۔ اسی لیے مترجمین کے تذکروں کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش سامنے نہیں آئی۔

حکیم فخر عالم نے اس کمی کی بھرپائی کی ہے۔ 'اردو طبی مترجمین' لکھ کر انہوں نے دنیائے طب کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ ہم سب اُن کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اس کارِ خیر کے لیے وہ ہم سب کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یوں تو ان کے نوکِ قلم سے نکلی ہر کتاب 'کتاب' ہوتی ہے جیسے 'ہندوستان کی طبی درس گاہیں'، 'یونانی طب کا مغل اور برطانوی عہد'، جالینوس کی کتابوں 'علل الاعضاء الباطنہ' اور 'کتاب الیٰ اغلوقن' کی تہذیب وتدوین اور ترجمہ، رازی کی معروف تالیف 'کتاب الجدری والحصبہ' کا اردو ترجمہ وغیرہ۔ ان میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو بیش قیمت معلومات کی حامل نہ ہو۔ حکیم فخر عالم کے یہ گرانقدر علمی کام ان کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز اور منفرد بناتے ہیں۔ یہ ان کے علمی ذوق وشوق، تاریخی شعور، فنی بصیرت، ادبی رجحان، زبان وبیان پر قدرت اور محققانہ ذہن کی بیّن دلیل ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کی تالیف میں وہ جس محنتِ شاقہ سے گزرے ہیں، وہ تنکا تنکا چن کر محل بنانے کے مترادف ہے۔ لائبریریوں کی خاک چھانی، نجی کتب خانوں کو کھنگالا، ذاتی روابط کو بروئے کار لائے، جہاں جہاں سے مواد دستیاب ہو سکتا تھا، بساط بھر ہر در کو کھٹکھٹایا، کھلوایا، پسینہ بہایا اور بے دریغ پیسہ خرچ کیا، تب جا کر ایسی کتاب تیار ہو سکی۔ اُن کی اس کڑی محنت کا میں خود شاہد ہوں۔ اُن کی شرافت، لیاقت 'نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو' کا میں قائل ہوں۔ ان کی کتابیں بقول شخصے 'اپنی کتاب کے ذریعہ انہوں نے صاف وشفاف پانی کی نہر نکالی' کی مصداق ہیں۔ حکیم فخر عالم نے اس کتاب میں ۱۱۵ طبی مترجمین کی زندگی اور کارناموں کے احاطہ کے ذریعہ ان کے تذکرہ کو تاریخ کے دامن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے، جو نہایت اہم اور قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ حکیم فخر عالم کے بارے میں معروف اردو محقق پروفیسر ابوالکلام قاسمی کے یہ دو جملے ان کی کاوش کے سچے ترجمان ہیں:

''انہوں (حکیم فخر عالم) نے علمی حلقوں میں اعتبار ہی نہیں استناد بھی حاصل کر لیا ہے''۔

اس کتاب کی تیاری میں حکیم فخر عالم نے جس نوع کی تلاش وجستجو اور انتخابی توازن کا ثبوت دیا ہے، وہ ہر اعتبار سے قابلِ رشک بھی ہے اور لائق تحسین بھی۔ تراجم اور مترجمین پر نقد و جرح اور اظہار رائے کے سلسلے میں اصول دیانت کی پاسداری، نیز علمی وفنی تقاضوں کی تکمیل کے علاوہ انہوں نے موضوع کا جامع احاطہ کیا ہے اور بڑے سلیقے سے مواد کی جمع وترتیب کی ہے۔ یہ اس کتاب کے چند نمایاں اوصاف ہیں۔ امید ہے ان کے قلم سے ایسی مفید تحریریں آئندہ بھی سامنے آتی رہیں گی اور یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا۔

''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

پروفیسر حکیم سید مودود اشرف
(سابق ڈین، فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، اے ایم یو۔ علی گڑھ)

مقدمہ

اردو طبّی ترجمہ نگاری کی ابتداء ۱۸۶۵ء کے آس پاس ہوئی، یعنی آج سے کم وبیش ۱۷۰سال پہلے، خود اردو زبان نے اس وقت تک اپنی زندگی کی بمشکل سو بہاریں دیکھی تھیں، اتنی کم عمر، بلکہ نوزائیدہ زبان میں عربی اور فارسی طبّی ادبِ عالیہ کے تراجم کا آغاز، لسانیاتی تاریخ میں اس طرح کی مثالیں شاذ ہیں، اردو زبان کے ساتھ یہ اختصاص رہا ہے کہ اس میں جو ادب ترجمہ کی راہ سے آنے والا تھا، اس کے صوتی آہنگ اور تہذیبی ومعاشرتی رویے میں زیادہ تغایر نہیں تھا۔ اس نوزائیدہ زبان کی خونِ جگر سے آب یاری کرنے والے بیشتر ناموں کو طب اور اس کے قدیم علمی سرمایہ سے بھی شغف تھا، فارسی مغلوں کی مادری اور درباری زبان، اُن کے زمانۂ عروج کی شاہد تھی، اورنگ زیب عالم گیر کے بعد مغل حکمرانی سمٹ سمٹا کر قلعۂ معلیٰ تک رہ گئی تو فارسی زبان بھی محدود تر ہوگئی۔ نئے حاکموں نے اس کے بالمقابل اردو، ہندی کو لاکھڑا کیا، پھر انہی کی سرپرستی میں یہ دونوں زبانیں پرورش پانے لگیں اور ان کی ترقی کے ساتھ فارسی کا دائرہ تنگ ہوتا گیا، پھر یہ دائرہ ایک سیاہ نقطہ کی شکل اختیار کر گیا اور آج مغلوں اور شرفاء کی اس فارسی زبان کی صورتِ حال یہ ہے کہ ہندوستان کی صرف چند جامعات میں السنۂ قدیمہ کے طور پر پڑھی پڑھائی جارہی ہے۔

درحقیقت طبِ یونانی کا تشکیلی اور ترکیبی مزاج جذب وقبول اور نقد ونظر کا رہا ہے، اسی لیے اس میں لسانیاتی مدوجزر بھی آتا رہا ہے، جو کسی بھی فن کی بقاء اور ارتقاء کے لیے لازمی بھی ہے۔ طبّی علوم کی منتقلی کا جائزہ، تہذیبوں کے عروج وزوال کے تناظر میں بہت دلچسپ ہے۔ یونانیوں کے دورِ زوال کے صدیوں بعد عربوں کے زمانۂ عروج میں عربی، پھر ایرانیوں کے عمل دخل اور مغلوں کے دورِ اقتدار میں فارسی

اور ہندوستان میں مغلوں کے زوال کے ساتھ اردو میں اس فن کی منتقلی کی داستان، قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کی داستان سے عبارت ہے۔ چونکہ طب کا تعلق خالصتاً انسانی معاشرہ کی جسمانی، ذہنی اور فکری بہتری سے ہے، اسی لیے دوسری احیائی زبان میں اس فن کی منتقلی سے زیادہ عرصہ تک صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے مغلوں کے زوال کے ساتھ ہی اردو زبان میں مختلف علوم وفنون کی منتقلی کا آغاز ہوتا ہے۔

اردو طبی ترجمہ نگاری کے ابتدائی دور کے مترجمین میں حکیم محمد اصغر علی، حکیم محمد حسین صدیقی نانوتوی، حکیم نور کریم دریابادی، حکیم دیوان کاہن چند کپور، حکیم محمد بدرالدین خاں، حکیم غلام حسنین کنتوری، حکیم عبدالغنی رمضان پوری، حکیم محمد حسن حاذق میرٹھی، حکیم سید محمد عابد حسین لکھنوی، حکیم محمد ایوب اسرائیلی، حکیم محمد شمس الدین بھاول پوری، حکیم واجد علی موہانی، حکیم محمد فضل اللہ لکھنوی، حکیم ابوعبدالعزیز محمد بٹالوی، حکیم منشی فضل حق تمکینؔ، حکیم محمد منور علی خاں وغیرہ چند ایسے یگانۂ روزگار تھے، جنہوں نے اس نوزائیدہ اردو زبان میں طبی سائنسی علوم کے ترجمے کرکے اس زبان کی سمت اور رفتار متعین کردی تھی۔

اردو طبی تراجم کے ابتدائی دور میں جن مطابع نے اس کی توسیع، تشہیر اور اشاعت میں اہم کردار ادا کیا، اُن میں سب سے اہم اور منظم کردار منشی نول کشور کے مطبع کا ہے، انہوں نے ترجمہ کے اس ابتدائی دور میں اطباء کی ایک برگزیدہ جماعت کو اپنے مطبع کے شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ وتصحیح سے وابستہ رکھ کر صحت مند معاشرہ کی تشکیل اور انسانیت کی فلاح وبہبود کا بہت ہی بابرکت کام کیا۔ مطبع منشی نول کشور کے علاوہ دیگر مطابع، مطبع جوالا پرکاش میرٹھ، مطبع مصلح المطابع دہلی، مطبع منشی گلاب سنگھ لکھنؤ، مطبع نامی لکھنؤ، برقی جید پریس دہلی، مطبع نامی رائے بھوانی پرشاد، مطبع اسلامیہ لاہور، مطبع مجمع العلوم لکھنؤ وغیرہ کی تشہیری اور توسیعی خدمات اہم ہیں۔ مطبع منشی نول کشور کے علاوہ بعض دوسرے مطابع میں بھی تالیف وترجمہ کے بھرے پُرے شعبے تھے۔

اردو میں طبی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ایک مثبت امر یہ بھی رہا کہ طبِ یونانی کا تعلق انسانی معاشرہ کے اُس انتہائی اہم اور فعال شعبہ سے تھا، جسے کسی بھی طور تادیر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ جب ضرورت متقاضی ہوئی تو کسی تاخیر کے بغیر اردو میں طبی ترجمے کا آغاز ہوا اور بہت ہی مختصر مدت میں اس فن کی متعدد اہم کتابوں کا ترجمہ انجام پایا۔ اس کے ابتدائی دور ۱۸۶۵ء سے ۱۹۰۰ء تک جن کتابوں کے اردو ترجمے ہوئے، ان کا اختصار پیش ہے۔

کسی طبیب کی علمی کاوش کو سکۂ رائج الوقت کی حیثیت رکھنے والے کسی دوسرے طبیب کے نام سے چھاپ دینے کا عمل بہت پہلے سے رہا ہے۔ مثلاً زمانی فصل کو قطعاً نظرانداز کرتے ہوئے محمد حسین نوربخشی بہاء الدولہ [وفات: ۱۵۵۷ء] کی کتاب خلاصۃ التجارب کو حکیم علوی خاں [وفات: ۱۷۴۷ء] کی تالیف قرار دیتے ہوئے نول کشوری ایڈیشن میں اس کا نام 'مجربات حکیم علوی خاں موسوم بہ خلاصۃ التجارب' لکھنا، بھوہ بن خواص کو خود اس کی کتاب 'معدن الشفا سکندرشاہی' کا مترجم قرار دینا، شرف الدین سید اسماعیل بن حسین جرجانی [وفات: ۱۱۳۶ء] کی کتاب 'ذخیرہ خوارزم شاہی' کو حکیم بھوہ محمد سکندر لودھی نام کے موہوم طبیب کی تالیف قرار دینا، حکیم نورالدین بن محمد عبداللہ [وفات: ۱۶۴۶ء یا ۱۶۴۸ء] کی کتاب 'انیس المعالجین' کو ان کے والد عین الملک شیرازی کی کتاب قرار دینا، 'مطب علوی خاں' کو کسی گمنام حکیم علی حسین فانی کا مطب بتانا، حکیم میر محمد حسین شیرازی کی کتاب 'قرابادین کبیر' کو ان کے والد محمد ہادی خاں عقیلی علوی شیرازی کی تالیف قرار دینا، اکسیر اعظم کے حوالہ سے حکیم محمد اعظم خاں رام پوری [وفات: ۱۹۰۲ء] کو حکیم محمد اعظم خاں دہلوی لکھنا، یہ ایسی چند مثالیں ہیں۔ یہی کچھ حال اردو تراجم کا بھی رہا ہے۔ حکیم فخر عالم نے بھی اپنی اس کتاب میں اسی طرح کی چشم کشا باتیں لکھی ہیں، صرف ایک اقتباس:

> ''منشی نول کشور کے وارثین کی علاحدگی کے بعد، ایک حصہ رلجہ رام کمار بک ڈپو پریس [وارث مطبع منشی نول کشور پریس] لکھنؤ کے نام سے جاری تھا، اس کے زیر انصرام 'قرابادین اعظم و اکمل' کا اردو ترجمہ ہوا تھا، اسے حکیم عظمت علی حسرتؔ لکھنوی نے انجام دیا تھا۔ اس ترجمہ کے دوسرے صفحہ پر منیجر نول کشور پریس صیغۂ بک ڈپو لکھنؤ کی طرف سے 'مخزن الجربات یعنی اردو ترجمہ قرابادین اعظم فارسی' کے عنوان سے ایک عرض داشت شائع ہوئی ہے۔ غالباً قرابادین اعظم اور قرابادین اعظم و اکمل کو ایک ہی تالیف سمجھ کر حکیم عظمت علی کو قرابادین اعظم کا مترجم لکھ دیا ہے، حالانکہ مخزن الجربات کے نام سے جو ترجمہ ملتا ہے وہ 'قرابادین اعظم و اکمل' کا ہے، جس کے مؤلف حکیم محمد اعظم خاں کے نبیرہ حکیم محمد اکمل خاں ہیں۔ باعث تأسف امر یہ ہے کہ ہمارے عہد کے بیشتر مورخین، جن میں حکیم نیرؔ واسطی جیسے اہم نام بھی شامل ہیں، جو مخزن الجربات کو قرابادین اعظم کا ترجمہ اور حکیم عظمت علی کو اس کا مترجم سمجھتے ہیں۔ حال ہی میں مشہور طبی تحقیقی ادارہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے قرابادین اعظم و اکمل کے اردو ترجمہ کی باز اشاعت ہوئی ہے، اس کے پیش لفظ میں بھی یہی غلطی دہرائی گئی ہے۔ حد تو یہ ہو رہی ہے کہ اب ہندو پاک کے مطابع سے 'مخزن الجربات یعنی قرابادین اعظم' مؤلفہ حکیم محمد اعظم خاں کے نام سے 'قرابادین اعظم و اکمل' کا ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ قرابادین اعظم مؤلفہ حکیم محمد اعظم خاں

کے مترجم حکیم محمد حسن حاذق میرٹھی ہیں۔"

غلط طور پر منسوب کیا جانا بھی حکیم فخر عالم کی نظروں

حکیم مرزا امیر بیگ سے 'طب یوسفی' کا اردو ترجمہ

سے چھپ نہ سکا، لکھتے ہیں:

یوسفی بن محمد یوسف کے مترجم کی حیثیت

"طبی دنیا میں حکیم مرزا امیر بیگ کی شہرت طب یوسفی مؤلفہ

سے ہے، لیکن اس ترجمہ کا انتساب حکیم مرزا امیر بیگ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ مطبع افتخار دہلی سے

'طب یوسفی' کا جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے اس کے سرورق پر جلی حروف میں "مترجمہ سر آمدِ حکماء حکیم

مرزا امیر بیگ" لکھا ہے، دراصل یہی تحریر مغالطہ کی وجہ بنی ہے، حالانکہ یہ ترجمہ حکیم مرزا امیر بیگ

کے صاحبزادہ حکیم مرزا افاضل بیگ کا ہے۔ اس کی وضاحت ترجمہ کے تمہیدی کلمات سے

ہوتی ہے۔"

کے مترجم کی نشاندہی میں بھی اکابر اطباء

بہوہ بن خواص خاں کی تالیف معدن الشفاء سکندر شاہی

سے تسامح ہوا ہے، حکیم فخر عالم لکھتے ہیں:

"یہ کتاب ویدک ماٰخذ پر مشتمل ہے، فارسی زبان میں ہونے اور اس میں سنسکرت کی بکثرت

اصطلاحات کی وجہ سے ناقابل استفادہ ہو رہی تھی، اس لیے شیخ محمد عظیم اللہ تاجر کتب کان پور نے

حکیم شیخ لیاقت حسین سے اس کا اردو میں ترجمہ کروایا، یہ 'مجربات طب سکندری' کے نام سے

شائع ہوا، یہ عرصہ سے ناپید تھا، ۲۰۰۹ء میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی سے

اس کی باز اشاعت ایک مستحسن قدم ہے، یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کونسل کے

مطبوعہ نسخہ کے پیش لفظ میں اس کا مترجم حکیم نیاز علی کو لکھا گیا ہے، حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی نے

بھی حکیم نیاز علی کو اس کا مترجم لکھا ہے، اس اشتباہ کی وجہ یہ ہوئی کہ اردو ترجمہ کے وقت اس کے

مترجم حکیم شیخ لیاقت حسین کے پیش نظر مطبع منشی نول کشور کا مطبوعہ نسخہ تھا، جو حکیم نیاز علی رئیس جالیسر

کے مخزونہ نسخہ کی مدد سے شائع ہوا تھا۔"

طبی دنیا میں 'زمرد اخضر و یاقوتِ احمر' کے مؤلف اور اس کے اردو مترجم کے بارے میں غلط فہمیاں

رہی ہیں، حکیم فخر عالم نے حوالوں کی روشنی میں بتایا ہے کہ اس کے مؤلف حکیم عبدالعزیز احمد قرشی کی بجائے

حکیم عبدالعزیز بن ابی حفص احمد قرشی اور اردو مترجم حکیم سید منور حسین لکھنوی کی بجائے حکیم محمد منور علی خاں

ہیں، انہوں نے یہ اردو ترجمہ عبداللطیف لال دین محمد شاہ تاجران کتب، لاہور کے ایماء پر، مہاراجہ بھگوان

سنگھ کے یہاں ملازمت کے زمانہ میں رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ مطابق جنوری ۱۸۶۸ء میں انجام دیا تھا،

اس قدر صحت اور اتنے شواہد کے بعد کوئی کیونکر اُن کی تحقیق اور طرز تحقیق سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے گا۔

طبّی دنیا میں سہل انگاری کا اپنا ایک مزاج ہے اور تحقیقی اداروں میں بھی کبھی کبھی تحقیق کے اس بحران کا احساس ہوتا ہے، حکیم فخر عالم صاحب مطالعہ ہیں، اُنہیں وجدان ہے کہ کہاں کہاں پانی مرتا ہے اور کہاں کہاں ابھی بیش حسیت کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے مخصوص اصلاحی اسلوب میں دیانت داری کے ساتھ ان کی طرف توجہ دلاتے اور اپنے طور پر نیک و بد بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں میں حکیم محمد اعظم خاں کی گراں قدر تالیف 'اکسیر اعظم' کے ملخص و منقح اردو ترجمہ کے حوالہ سے چند باتیں عرض کروں گا۔ یہ ترجمہ حکیم محمد کبیر الدین کے دیباچہ محررہ ۵/جون ۱۹۴۰ء کے ساتھ دفتر المسیح کے زیر اہتمام اوّلاً ۱۹۴۰ء میں طبع ہوا ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے:

''خوشی کا مقام ہے کہ ادارہ المسیح آج اکسیر اعظم جیسی ضخیم کتاب کو اردو جامہ پہنا کر شائع کر رہا ہے اور پوری طمانیت کے ساتھ میں اس امر کا اظہار کرتا ہوں کہ ادارۂ موصوف کے رکن مولانا حکیم محمد صدیق صاحب طبیبؔ نے میرے ایماء کے مطابق اس کے ترجمہ، تالیف اور تبویب میں اپنی پوری محنت و اہلیت صرف فرمائی ہے اور میرے اشارات سے اس کی غیر ضروری تکرار اور اُکتا دینے والی طوالت کو کم کرکے، بہ اسلوبِ تنقیح و تحقیق اس کی جدید ترتیب فرمائی ہے اور اکسیر اعظم کے ناقابل برداشت حجم کو گھٹا کر اس قابل بنا دیا ہے کہ مطالعہ کے وقت آسانی کے ساتھ اطبّاء اس کی جلدوں کو ہاتھوں میں اُٹھا سکیں اور ضرورت کے وقت کسی ایک مرض کا مکمل بیان اوّل سے آخر تک بلا تکلف پڑھ سکیں۔ الغرض اس کی ترتیب و تنقیح میں اور مضامین مندرجہ کے اخذ و ترک میں اس امر کی انتہائی کوشش صرف کی گئی ہے کہ الفاظ و عبارات کی کمی کے ساتھ اکسیر اعظم کی معنویت قائم رہے۔ مجھے اُمید ہے کہ قارئین کرام مترجم کی دماغی کاوش سے مطمئن ہوں گے اور خدا سے دعا ہے کہ وہ اس سعی کو مشکور فرمائے۔''

اس دیباچہ سے کسی بھی مرحلہ میں یہ نہیں واضح ہوتا کہ اس کے مترجم حکیم محمد کبیر الدین ہیں، لیکن یہ المیہ ہی تو ہے کہ بعد کے کتب فروشوں اور ناشروں نے خالصتاً تجارتی مقصد سے اس کے سرورق پر 'الاکسیر تصنیفِ لطیف جناب علامہ حکیم محمد کبیر الدین صاحب، شیخ الجامعہ جامعہ طبّیہ دہلی' لکھ کر بددیانتی کی روایت کو آگے بڑھایا ہے، طرفہ یہ کہ اسی اشاعت میں حکیم محمد صدیق طبیبؔ کی وہ تحریر بھی شامل ہے، جس میں وہ ترجمہ کے محرکات کے ساتھ اس کے طریقۂ کار اور تفردات کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔ میری جان پہچان کے ایک طبّی ناشر نے بھی جب یہ ترجمہ حکیم محمد کبیر الدین کے نام سے چھاپا تو میں نے اندر کی عبارت اُنہیں دکھائی اور کہا یہ ملخص اردو ترجمہ حکیم محمد صدیق طبیبؔ نے کیا ہے تو اُن کے تاجرانہ ذہن نے یہ حل نکالا

وقت کچھ ایسا ہو گیا ہو۔ یہ سب کر کے خود کو مطمئن کر لیا، لیکن کم علمی آڑے آئی اور اندرونی صفحات میں حکیم محمد صدیق طبیب کی تحریر کو بدستور شامل رکھا اور میں نے بھی نہیں بتایا کہ محترم آپ کی بددیانتی کے ثبوت ابھی باقی ہیں۔ لیکن ہماری عاجلانہ روش اور تن آسانی سے ہماری تحقیق کا مزاج کچھ اس طرح کا بن گیا ہے کہ ہماری نگاہ حکیم محمد صدیق طبیب کی اس تحریر تک نہیں پہنچتی اور ہم اپنے تحقیقی، سندی مقالات میں 'الاکسیر' کو حکیم محمد کبیر الدین کی علمی فتوحات میں شامل کر لیتے ہیں اور پھر طب کے سنجیدہ قاری کو کفِ افسوس ملنے کا ایک موقع اور مل جاتا ہے۔

بر سبیل تذکرہ عرض ہے کہ حکیم سید ظل الرحمن نے حکیم غلام محمود خاں [وفات: ۱۸۹۲ء] کی تین تصانیف ضیاء الابصار فی حد الباہ، کارنامۂ عشرت اور قانون شریفی کی نشان دہی کی ہے۔ اُنھوں نے 'کارنامۂ عشرت' کو براہ راست اُن کی تصنیف بتایا ہے، اس کے علی الرغم پروفیسر حنیف نقوی نے اپنے مقالہ 'تلامذۂ غالب طبع ثانی: ایک باز دید' میں اس کو 'لذت الوصل' [۱۲۸۷ھ] کا اردو ترجمہ اور مرزا قربان علی بیگ سالک کو اس کا مترجم بتایا ہے اور اس ترجمہ کے ایک خطی نسخہ کی نشاندہی دیال سنگھ [ٹرسٹ] لائبریری، لاہور میں کی ہے۔ ضیاء الابصار فی حد الباہ کے تین اردو ترجمے ہوئے ہیں۔ ایک 'زندگی کی بہار' کے نام سے، جو اسٹار پریس، دہلی سے ۱۹۲۷ء میں طبع ہوا، مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ دوسرا 'لذتِ حسن و شباب' کے نام سے، اس کے مترجم مولوی آغا رفیق بلند شہری ہیں، جو حکیم فخر عالم کی تحقیق کے بموجب سید ظہور الحسن موسوی مالک قومی کتب خانہ دہلی کی فرمائش پر برقی پریس، دہلی سے [غالباً] غیر مورخ شائع ہوا ہے۔ تیسرا 'انوار الابصار' کے نام سے، اس کے مترجم عبد الباری آسی ہیں، یہ ترجمہ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے ۱۹۴۶ء میں طبع ہوا ہے۔

اردو طبّی تراجم کے یہ ابتدائی نقوش ہیں، جن کی فنی توقیت، اطبائے متاخرین نے اپنے جذب و قبول کے اصول اور نقد و نظر کے میزان پر کی ہے۔ بلاشبہ ان تراجم کا بیانیہ عصری اردو زبان کے اظہاریہ سے قطعی میل نہیں کھاتا، تاہم اس کی لسانی تاریخ کی تہذیب و ترتیب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حکیم فخر عالم نے اپنی اس کتاب میں متعدد مقامات پر اپنے بڑوں کی تحقیق کی خیر و خبر لی ہے، لیکن اردو طبّی ادب میں یہ رجحان ابھی عام نہیں ہے، جب کہ اردو کی دیگر اصنافِ ادب میں نقد و نظر والوں کی ایک معتبر جماعت رہی ہے، محمود شیرانی، قاضی عبد الودود، کلیم الدین احمد، امتیاز علی عرشی اور رشید حسن خاں، کچھ ایسے ہی نام ہیں، اول الذکر کے علاوہ کو میں نے نہ صرف پڑھا ہے، بلکہ اُنھیں دیکھنے، سننے اور صحبت

اُٹھانے کے بھی مواقع ملے ہیں، ان اکابر نے فن کو پرکھنے اور برتنے کا تنقیدی لب ولہجہ دیا ہے، لیکن حکیم فخر عالم کی مشکل یہ ہے کہ ان کے پیش رووں نے اردو طبّی ادب میں ایسی کوئی روایت نہیں قائم کی، جس کی کسوٹی پر وہ اس کے علمی، فنی اور ادبی سرمائے کو پرکھ سکتے، تاہم حالیہ دنوں میں اس سمت میں کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے، لیکن ابھی انہیں نشان زد کرنا عاجلانہ قدم ہوگا۔ ان حالات میں اپنے بڑوں کی تحریروں کی خیر وخبر کے لیے لب ولہجہ کا تعیّن حکیم فخر عالم کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں ہے، تاہم اُنہوں نے اس کام کے لیے جو اسلوب اپنایا ہے، اس میں مشرقی آداب کے ساتھ نقد ونظر کی مغربی فکر بھی ہے۔ غلطیوں اور تسامحات کی نشان دہی میں وہ کسی بھی بڑے نام سے مرعوب نہیں ہوتے، بلکہ اُن کے اغلاط اور تسامحات کی نشان دہی اور حقائق کی روشنی میں ان کی اصلاح کو عبادتی عمل تصور کرتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے، کیوں کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ بڑوں کے نام اور رُتبہ کی وجہ سے ان پر جلد ایمان لاتا ہے۔ حکیم فخر عالم شخصیت پسند تو ہیں، لیکن شخصیت پرست قطعی نہیں، ان کی اس شخصیت پسندی میں بھی صالحیت ہے، مصالحت ہرگز نہیں ہے، انہوں نے اپنی اس کتاب میں راقم سطور کی بھی بعض تحریروں میں نقد ونظر کا معاملہ کیا ہے، لیکن انداز 'پکڑ دھکڑ' والا ہرگز نہیں ہے۔

حکیم فخر عالم نے اپنی اس کتاب میں معاصر مترجمین کی نشان دہی میں بعض مقامات پر بڑی جرأت اور جسارت کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنی ذاتی معلومات اور مشاہدہ کی بنیاد پر بہت سے ایسے ناموں کو دن کا اُجالا عطا کیا ہے، جو مصلحتاً، ضرورتاً یا عادتاً پردۂ خفا میں رکھے گئے تھے۔ اُن کا یہ طرزِ فکر اور اندازِ نگارش ممکن ہے کچھ لوگوں کو پسند نہ آئے، لیکن اُنہیں بھی تو دلائل اور شواہد کے تردید کی آزادی ہے۔ پردۂ خفا سے دن کا اُجالا دکھانے کے حکیم فخر عالم کے اس جرأت مندانہ عمل پر ردِعمل بھی اسی دور میں، جتنی جلد ممکن ہو سکے، ہو جانا چاہیے، میں ذاتی طور پر اس اندازِ فکر اور طرزِ نگارش کو اردو طبّی ادب کے لیے فال نیک تصور کرتا ہوں۔ میں نے بھی حکیم عبدالحمید [وفات: ۱۹۹۹ء] سے منسوب ڈھیر ساری کتابوں کے بارے میں بھی یہی لب ولہجہ اختیار کیا تھا اور میرے شبہات کے ازالہ اور باتوں کی آج تک تردید نہیں ہوئی، کہ اس وقت ان کتابوں کے بیشتر حقیقی مصنف، مؤلف، مترجم اور مرتب زندہ تھے۔ درحقیقت اس طرح کی تحریروں سے کسی کی کوتاہ قامتی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ مقصود بالذات مستحق کو اس کا حق دلانا، سچ کو پردۂ خفا سے دن کی روشنی عطا کرنا اور خود مخاطب کو سچائی کے اعتراف کے لیے آمادہ کرنا ہوتا ہے۔

یہ بات کسی تذبذب اور تردد کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ حکیم فخر عالم کی یہ علمی کاوش اپنے موضوع کی

اوّلین مبسوط اور منضبط کاوش ہے، جس میں تحقیق، تلاش اور تفحص اپنی تمام تر جگر کاوی کے ساتھ موجود ہے۔

حکیم فخر عالم نے اپنی اس کتاب کے موضوع کے تناظر میں بجا طور پر لکھا ہے:

''راقم کی زیرِ نظر تالیف ان کے احاطہ کی پہلی سنجیدہ کوشش ہے، اس کے بارے میں کسی تعلّی کے بغیر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ 'نقشِ اوّل' اپنے موضوع پر ایک 'نقشِ تمام' بھی ہے، اس میں ترجمہ نگاری کے آغاز سے لے کر اب تک کے تمام دستیاب مترجمین کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

حکیم فخر عالم نے اس مرحلہ میں نیاز مندانہ تکلف سے کام لیا ہے، یقیناً وہ محجوب ہوں گے، اگر اُن کا قاری ان سے اردو طبّی تراجم اور ان کے مترجمین کے حوالے سے ماضی میں تحریر کسی مقالہ یا مضمون کی رہنمائی کی درخواست کر بیٹھے۔ سچائی یہ ہے کہ اس موضوع پر اب تک طویل و مختصر کوئی سنجیدہ تحریر نہیں ملتی۔ راقم سطور نے چار سال پہلے اس موضوع پر لوازمے جمع کرنا شروع کیے تھے اور کم و بیش ۱۰۰ر اردو طبّی مترجمین کے احوال، علمی آثار اور ان کے تراجم کے فنی اور لسانی تجزیہ پر مشتمل معلومات اکٹھا کر لی تھیں، لیکن سرکاری انتظامی امور نے اب تک اسے کتابی شکل دینے کی مہلت نہ دی اور الفضل للمتقدم کے مصداق برادرم حکیم فخر عالم نے اس بارِ گراں کو بہت ذمہ داری اور محققانہ اسلوب میں ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مزاج کی تکوین میں تحقیق کا عنصر کچھ ایسا گاڑھا کر کے ڈالا ہے کہ وہ جو بھی کام کرتے ہیں، اس میں فنی دانشوری کے ساتھ دیانت اور امانت دونوں ہوتی ہیں اور یہی تحقیق کی اساس ہے۔

حکیم فخر عالم نے ۱۱۵ر اردو طبّی مترجمین اور ان کے تراجم کا جائزہ لیا ہے اور تلاش و تفحص کی ایک مثال قائم کی ہے، تاہم ان کی اس تالیف میں حکیم محمد وحید الزماں کا علامات الموت، اردو ترجمہ رسالۂ قبریہ، حکیم غلام نبی کا ترجمہ موجز القانون، حکیم محمد فیصل کا ترجمہ نیر اعظم (رسالہ نبض کی تعلیم میں)، محمود افغانی کا شریعتِ اسلامیہ اور حفظانِ صحت، اردو ترجمہ صحۃ الابدان مؤلفہ عابدین خیر اللہ مصری، نبیل صبحی الطویل کی کتاب کا اردو ترجمہ صحت اور حفظانِ صحت: تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں، اکسیر حکمت ترجمہ کنوز الصحۃ، محمد عبداللہ گلاوٹی کا اردو ترجمہ التنخیص الکامل مؤلفہ حکیم سید احمد سعید امروہوی، حکیم منصور علی خاں مراد آبادی کا التنخیص الکامل مؤلفہ حکیم سید احمد سعید امروہوی کے دسویں مقالہ کا ترجمہ، حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی کا شریک مترجم الادویۃ القلبیہ کی حیثیت سے تذکرہ، حکیم مرزا محمد باقر کا رموزِ طب کے نام سے 'عجاب' کا بالاقساط طبع شدہ ترجمہ، قربان علی بیگ کا کارنامۂ عشرت کے نام سے لذت الوصل کا ترجمہ، حکیم محمد اقبال کا اردو ترجمہ قرابادین قادری، حکیم محمد صدیق طبیبؔ کا الاکسیر، ملخص اردو ترجمہ اکسیر اعظم، کریم الدین کا

ایک ایلوپیتھی عربی کتاب کا اردو ترجمہ، حکیم صیانت اللہ امروہوی کا متعدد کتابوں کا جزوی ترجمہ اور عبدالباری آسی کا انوارالابصار اردو ترجمہ ضیاء الابصار فی حدالباہ کا جائزہ نہیں لیا جاسکا ہے۔ آخرالذکر کے بارے میں حکیم فخر عالم نے مجھ سے بار بار معلومات چاہی، لیکن مجھے بھی کچھ زیادہ علم نہ تھا۔ حکیم فخر عالم کی طبع رسا ان اطباء اور ان کی علمی کاوشوں کا ضرور احاطہ کرے گی۔

امید ہے حکیم فخر عالم کی یہ کتاب آفاقی طور پر پسند کی جائے گی۔

حکیم وسیم احمد اعظمی
۵۸۳، شیخوپورہ کالونی، وکاس نگر، لکھنؤ ۲۲۰۶۲۲

مولوی آغا رفیق بلند شہری

مولوی آغا رفیق بلند شہر کے رہنے والے تھے۔حکیم محمود خاں کی تالیف ضیاء الابصار فی حد الباہ کا ترجمہ موسوم بہ 'لذت حسنِ شباب' ان کی یادگار ہے۔

لذت حسنِ شباب: مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے والد بزرگوار حکیم محمود خاں دہلوی کا شمار خاندان شریفی کے نامور طبیبوں میں تھا۔انہیں یونانی طب کے علمی اور عملی دونوں شعبوں میں دستگاہ حاصل تھی۔ان کا سماجی اور سیاسی قد بھی نہایت بلند تھا۔معالجاتی میدان میں وہ ماہر جنسیات کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔'ضیاء الابصار فی حد الباہ' اس سلسلے کی اہم تالیف ہے۔مولوی آغا رفیق بلند شہری نے سید ظہور الحسن موسوی مالک قومی کتب خانہ دہلی کی فرمائش پر، اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔یہ 'لذت حسنِ شباب' کے نام سے برقی پریس، دہلی سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

•••

حکیم احسان علی قادری

حکیم احسان علی قادری آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج قرول باغ، دہلی کے فارغین میں ہیں۔ یہاں سے فراغت حاصل کر کے ۱۹۳۵ء میں وہ اسی کالج میں استاذ مقرر ہوئے۔ تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ان کے درج ذیل قلمی آثار ملتے ہیں۔

۱۔معمولات مطب محمود خاں: اس میں حکیم محمود خاں اور خاندان شریفی کے دوسرے اراکین کے معمولات و مجربات درج ہیں۔ اسے انہوں نے حکیم محمد احمد خاں کے ایماء پر تالیف کیا تھا۔ یہ کتاب جید برقی پریس، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

ہندوستان میں خاندانِ شریفی کے معمولات و مجربات سے دلچسپی کی ایک تاریخ ملتی ہے۔ اسی کا ایک حصہ حکیم احسان علی قادری کی زیرِ نظر تالیف بھی ہے۔ اس سلسلے میں حکیم محمد کبیر الدین، حکیم خواجہ رضوان احمد اور حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے بھی کوششیں کی ہیں۔

۲۔کلیاتِ طب: یہ کلیاتِ قانون کا توضیحی ترجمہ ہے۔ اس میں ترجمہ کے ساتھ توضیح طلب مسائل کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں جید برقی پریس، دہلی سے طبع ہوا ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمٰن، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۱

•••

حکیم سید احمد حسین

حکیم سید احمد حسین بن مولوی خلیل الرحمان ۱۹۰۷ء میں بہار کے موضع اوکھدی، ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ حمیدیہ، دربھنگہ سے ابتدائی تعلیم کے بعد ٹونک (راجستھان) میں حکیم سید برکات احمد کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، ان سے منطق، فلسفہ اور طب کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں معقولات اور طب کی سند حاصل کر کے ٹونک ہی میں مطب شروع کر دیا، بہت جلد ان کی حذاقت کا چرچا ہونے لگا۔ صاحبزادہ عبدالوہاب ممبر فنانس نے ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ریاست کے ایک ضلع کو ان کی خدمات کے لیے مختص کرنا چاہا، مگر انہوں نے یہ پیش کش قبول کرنے سے منع کر دیا۔ ۱۹۲۹ء میں وہ تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے وابستہ ہوئے یہ سلسلہ جولائی ۱۹۳۶ء تک قائم رہا۔ ۱۹/اگست ۱۹۳۶ء کو وہ پٹنہ طبی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے، یہاں ان کا قیام ۱۹۴۸ء تک رہا۔ انہیں معالجات کے درس میں مہارت حاصل تھی۔ ان کا لکچر بہت دلکش ہوتا تھا۔ وہ امراض کی تشخیص اور نسخوں کی تجویز میں حذاقت رکھتے تھے، عموماً ان کے نسخے بیش قیمت اور طویل الاجزاء ہوتے تھے۔ تقسیم کے بعد وہ اس ملازمت سے مستعفی ہو کر پاکستان چلے گئے۔ وہاں بھی ان کے علاج و معالجہ کی دھوم رہی، اس کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ وہ صدر پاکستان کے معالج منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں ان کی وفات ہوئی۔

حکیم سید احمد حسین نے تعلیم و تدریس اور مطب و معالجہ کی مصروفیات سے کچھ وقت تصنیف و تالیف کے لیے بھی نکالا۔ ان کے قلمی آثار درج ذیل ہیں۔

۱۔ تسہیل المعالجہ: یہ کتاب مطب ومعالجہ اور نسخہ نویسی سے متعلق ہے، اسے انہوں نے ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں تالیف کیا تھا۔

۲۔ امراض صدرو ریہ: یہ قانون ابن سینا کے حصۂ صدرو ریہ کا ترجمہ ہے، جو ۱۹۴۴ء میں برقی پریس، پٹنہ سے طبع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ پٹنہ طبی کالج کے نصاب میں شامل رہا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ رموز حکمت از حکیم محمد عبدالرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس، گجرات، غیر مورخ، ص ۳۳

۲۔ بہار میں یونانی طب کا ارتقاء از حکیم سید منظر احسن، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۵ء، ص ۷۱-۷۰

۳۔ تاریخ اطباء بہار از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۰-۹۷

۴۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین ومترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعتِ دوم ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۴-۲۳۳

•••

حکیم محمد ادریس مظاہری

حکیم محمد ادریس مظاہری ۳۰ رجون ۱۹۳۱ء کو موضع لومب ضلع باغپت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حاجی منشی خاں پیشۂ زراعت سے وابستہ تھے۔ ادریس صاحب نے گاؤں ہی سے حفظ قرآن کیا اور یہیں ابتدائی درسیات پڑھیں بعد ازاں مظاہر العلوم، سہارنپور سے قرأتِ سبعہ اور فضیلت کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے اجمل خاں طبیہ کالج میں داخلہ لیا۔ وہ دوران تعلیم ہی (یکم دسمبر ۱۹۵۷ء) اوپر کوٹ کی جامع مسجد سے بحیثیت امام وابستہ ہوگئے تھے۔ علی گڑھ شہر میں اس مسجد کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، اس کے امام کو ہر طبقہ میں قدر و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ادریس صاحب تاحیات اس مسجد میں امام رہے۔ ۳۰ رنومبر ۲۰۰۷ء کو ان کی امامت کے پچاس برس پورے ہونے پر مسجد کے منتظمین نے ایک بڑے جلسہ کا اہتمام کرکے ان کی خدمت میں تہنیت نامہ پیش کیا تھا۔ اس جلسہ میں شہر کے عمائدین اور ملی، سماجی و سیاسی تنظیموں سے وابستہ معززین کی ایک بڑی جماعت شامل تھی۔

۱۹۶۲ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کرکے ادریس صاحب نے علی گڑھ شہر میں مطب شروع کیا، اسی زمانہ میں انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات سے امتیازی نمبروں سے بی ٹی ایچ اور ایم ٹی ایچ کی اسناد حاصل کیں، اس شاندار کامیابی پر انہیں گولڈ میڈل سے نوازا گیا تھا۔ بعد ازاں انہوں نے امام محمد بن حسن شیبانی کی حیات اور فقہی خدمات پر مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری حاصل کی اور سات برس پی یو سی، بی اے، بی کام، بی ایس سی، بی ٹی ایچ اور ایم ٹی ایچ کے درجات میں دینیات کے استاذ رہے، پھر ۲۳ ربرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد علی گڑھ میں انتظامی اور تدریسی فرائض انجام دیئے۔ سبکدوشی کے بعد بھی وہ اعزازی طور پر اس مدرسہ میں خدمت انجام دیتے رہے۔

تحلیلِ نفسی کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ادریس صاحب نے طب کی تعلیم ضرور حاصل تھی لیکن صرف برائے تعلیم، غالباً پیشۂ طبابت کو ان کے ذوق و ذہن سے مناسبت نہیں تھی، شاید اسی لیے وہ اسے عملی زندگی کا حصہ نہیں بنا سکے، جہاں تک سوال بالقوہ استعداد کا ہے، وہ ان کے اندر بدرجۂ اتم تھی، اس کا اندازہ ان کے اساتذہ کو بھی تھا۔ پروفیسر حکیم محمد طیب صاحب ان کے استاذ تھے، وہ ان کی اس صلاحیت سے بخوبی واقف تھے اسی لیے وہ چاہتے تھے کہ ادریس صاحب اپنے اس جوہر کو بروئے کار لائیں، چنانچہ ان کی ترغیب پر ادریس صاحب نے ابن سینا سے منسوب 'رسالہ جودیہ' کا اردو میں ترجمہ کیا، اس ترجمہ کی اشاعت کے بعد اردو داں طبّی حلقہ نے رسالہ جودیہ کے سلسلہ میں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ادریس مظاہری کے اس ترجمہ کے بعد ۱۹۷۱ء میں ایک دوسرا ترجمہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی، نئی دہلی سے شائع ہوا۔

۸۳/ برس کی عمر میں حکیم محمد ادریس مظاہری نے ۱۱/ جون ۲۰۱۴ء کو وفات پائی اور شاہ جمال کی قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔

•••

حکیم محمد اسماعیل خاں ذبیح دہلوی

حکیم محمد اسماعیل خاں ذبیح (عرف اچھے میاں) بن مولوی ابراہیم خاں حاذق طبیب، صاحب طرز ادیب اور ایک اچھے شاعر تھے۔ وہ مطب و معالجہ کے ساتھ قلم و قرطاس سے بھی رشتہ رکھتے تھے، مشق سخن بھی کرتے تھے، صحافتی ذوق کے بھی حامل تھے۔ وہ افضل الاخبار کے ایڈیٹر تھے۔ حکیم محمد اسماعیل خاں کا آبائی تعلق بریلی سے تھا، لیکن سکونت دہلی میں تھی۔ وہ کچھ عرصہ نواب احمد سعید خاں طالبؔ جاگیر دار لوہارو کی سرکار میں ملازم بھی رہے ہیں۔

مرغزار (اردو ترجمہ کشتِ زار): کشتِ زار حکیم محمد وارث علی خاں کی تالیف ہے، جو علم العلاج سے متعلق ہے۔ یہ ایسے دور افتادہ قریات کی طبی ضرورت کے لیے لکھی گئی ہے، جہاں یونانی دوائیں مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں۔ اکثر نسخے ایک یا دو اجزاء پر مشتمل ہیں اور بارہا کے آزمودہ اور سہل الحصول ہیں۔ حکیم محمد اسماعیل خاں نے اس کتاب کی فنی اہمیت کے پیش نظر اسے اردو جامہ عطا کیا، جو افضل المطابع، دہلی سے غیر مورخ طبع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- دلی اور طب یونانی از حکیم سید ظل الرحمان، اردو اکادمی دہلی، طبع ثانی ۲۰۱۱ء، ص ۲۱۹

۲- مرغزار (اردو ترجمہ کشتِ زار)، مترجمہ حکیم محمد اسماعیل خاں ذبیح، افضل المطابع، دہلی، غیر مورخ، ص سرِ ورق اور صفحہ اول

•••

حکیم خواجہ محمد اشرف علی لکھنوی

مشہور طبی مورخ حکیم سید علی احمد نیرؔ واسطی نے حکیم خواجہ محمد اشرف علی کو 'حمیات قانون' کا مترجم لکھا ہے۔ یہ بات تحقیق طلب معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ محمد اشرف علی لکھنوی نے حافظ خواجہ قطب الدین احمد کے ایماء پر 'حمیات قانون' کے متن کی صرف تصحیح کی ہے جو مطبع ثمر ہندی، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ اس کے سر ورق پر ۱۲۹۴ ہجری سال اشاعت مرقوم ہے۔ جب کہ منشی کنور چندی سہائے نہالؔ نے جو قطعۂ تاریخ اشاعت لکھا ہے، اس میں ۱۲۹۶ ہجری مرقوم ہے۔ 'حمیاتِ قانون' کا یہ متن ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیرؔ واسطی، موسسہ مطالعات پزشکی طب اسلامی و مکمل ایران، بہمن ماہ ۱۳۸۲، ص ۱۲۹

•••

حکیم محمد اشرف کریم

حکیم محمد اشرف کریم یکم مئی ۱۹۲۳ء کو محلّہ خانقاہ بہار شریف، ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم محمد شرافت کریم بن مولوی محمد عبد الکریم (وفات ۱۹۳۵ء) تکمیل الطب کالج، لکھنؤ کے فارغ تھے۔ اشرف کریم کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عزیزیہ میں ہوئی، بہار واڑیسہ مدرسہ بورڈ سے پہلی پوزیشن کے ساتھ عالم کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۹ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں درجۂ فضیلت میں داخلہ لیا، ۱۹۴۰ء میں سندِ فراغت حاصل کر کے گورنمنٹ طبّی کالج پٹنہ میں داخل ہوئے، ۱۹۴۴ء میں امتیازی نمبروں سے طب کی تعلیم پوری کر کے مطب و معالجہ سے عملی زندگی کا آغاز کیا، بہار اور کلکتہ کے مختلف مقامات پر تقریباً ایک دہائی تک یہ سلسلہ رہا۔ انہیں تقریر و تحریر اور تحریکی سرگرمیوں سے زمانۂ طالب علمی ہی سے دلچسپی تھی، ایامِ تعلیم میں وہ انجمن خدام الطب کے جنرل سکریٹری اور کلکتہ کے زمانۂ قیام (۵۱-۱۹۴۷ء) میں انجمن اطبائے کلکتہ کے جوائنٹ سکریٹری رہے۔

حکیم محمد اشرف کریم ۸؍اکتوبر ۱۹۵۳ء کو بحیثیت پروفیسر گورنمنٹ طبّی کالج پٹنہ سے وابستہ ہوئے۔ حکیم عبد الاحد کی سبکدوشی کے بعد ۱۹؍فروری ۱۹۷۰ء کو عبوری پرنسپل مقرر ہوئے، ساڑھے چار ماہ بعد ۳؍جولائی ۱۹۷۰ء کو انہیں اس عہدہ کا مستقل چارج تفویض ہوا۔ وہ گیارہ برس اس عہدہ پر فائز رہنے کے بعد ۳۰؍اپریل ۱۹۸۱ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کے عہدِ پرنسپلی میں گورنمنٹ طبّی کالج، پٹنہ میں تعمیر و توسیع کے کئی اہم کام انجام پائے۔ انہیں کے زمانہ میں یہاں ۱۹۷۹ء میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی کی کلینیکل ریسرچ یونٹ قائم ہوئی اور وہ اس کے اعزازی پروجیکٹ آفیسر مقرر ہوئے تھے۔

ترجمہ نگاری کے حوالہ سے حکیم محمد اشرف کریم کا قابلِ ذکر کارنامہ 'کتاب المنصوری' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی اہم تالیفات میں شمار ہوتی ہے۔ جامعیت اور اختصار اس کے امتیازی پہلو ہیں۔ دنیا کی متعدد زبانوں لاطینی، عبرانی فرانسیسی، اطالوی، جرمن اور فارسی میں اس کے ترجمے پہلے ہی ہو چکے تھے۔ اس کے اردو ترجمہ کی بابت حکیم محمد عبدالرزاق لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب کا ترجمہ کونسل کے ایماء پر ابتدا میں حکیم اشرف کریم سابق پرنسپل گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ نے کیا تھا جو خدا بخش لائبریری پٹنہ کے مخطوطہ پر مبنی ہے۔ دریں اثنا نسخۂ حلب کی فراہمی کے بعد کونسل کے لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے کارکنان حکیم خالد جاوید شمسی اور حکیم وسیم احمد اعظمی (اسسٹنٹ ریسرچ آفیسرز) نے اس ترجمہ کو نسخۂ حلب سے مزید تقابل کیا''۔

گرچہ اس ترجمہ کی وجہ سے رازی کی یہ اہم تالیف موجودہ طبی دنیا کے لیے استفادے کے لائق بن گئی ہے۔ لیکن متن کی تہذیب و تدوین کی ضرورت بہر حال محسوس ہوتی ہے، یہ کام خود زیرِ نظر ترجمہ کے مقصد سے بھی ضروری ہے تاکہ صحیح طور پر ترجمہ کا تقابل اور از سرِ نو اس کی تہذیب کی جا سکے۔ کونسل کے ذمہ داروں کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

حکیم محمد اشرف کریم نے ۳۱ر مارچ ۱۹۹۸ء کو وفات پائی اور پٹنہ میں مدفون ہوئے۔ ان کے بڑے صاحبزادہ حکیم محمد افضل کریم گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ میں استاذ ہیں۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ تاریخ اطبائے بہار جلد اول از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۶-۱۰۴، ۶۶-۱۶۵

۲۔ بہار میں یونانی طب کا ارتقاء از حکیم سید منظر احسن، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۵-۱۰۳

۳۔ محمد بن زکریا رازی۔ احوال و آثار از حکیم وسیم احمد اعظمی، بھارت آفسیٹ، دہلی ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۶-۱۴۲

۴۔ کتاب المنصوری از ابوبکر محمد بن زکریا رازی (اردو ترجمہ) [پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق] سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

•••

حکیم محمد اصغر علی

حکیم محمد اصغر علی بن حکیم امیر علی بن مولوی حاجی فضیل علی خاں گو یا موی طبّی دنیا میں 'علاج الغربا' کے مترجم کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ وہ مطبع منشی نول کشور کے دار الترجمہ سے وابستہ تھے۔ مالک مطبع کے ایماء پر انہوں نے 'علاج الغربا' مؤلفہ حکیم غلام امام کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا، یہ ترجمہ ۲۷/ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۳/اپریل ۱۸۶۵ء کو مکمل ہوا تھا۔ شائقینِ طب کے درمیان اس ترجمہ نے بے حد پذیرائی حاصل کی، یہ ترجمہ مطبع نامی منشی تیج کمار، لکھنؤ سے ۲۸ویں بار ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ محمد اصغر علی نے عام افادہ کے لیے ترجمہ کے ساتھ جدول کی صورت میں کچھ اہم اوزان کا تذکرہ کیا ہے، جو بصورت ضمیمہ شامل ہے۔ یہ وہ اوزان ہیں جو 'علاج الغربا' میں استعمال ہوئے ہیں یا اکثر طبّی کتابوں میں لکھے جاتے ہیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ علاج الغربا از حکیم غلام امام (اردو ترجمہ از حکیم محمد اصغر علی)، مطبع نامی منشی تیج کمار، لکھنؤ، ۱۹۷۹ء، ص ۳-۲

●●●

حکیم محمد افہام اللہ

اجمل خاں طبیہ کالج کے عقب میں واقع 'انونہ ہاؤس' علی گڑھ شہر کی ایک ایسی جگہ ہے، جسے مایوس مریضوں کی آخری جائے امید سمجھا جاتا ہے۔ جب ساری تدبیریں ناکام ہو چکی ہوتی ہیں تو در بدر کے بھٹکے ہوئے مریض یہاں یہ سوچ کر چلے آتے ہیں کہ شاید اس جگہ ان کے درد کو درماں مل جائے، ان کا یہ سوچنا بے جا نہیں ہے، یاس کا دامن چھوڑ چکے ہزاروں مریضوں کی امیدوں کو یہاں بر آتے دیکھا گیا ہے۔ انونہ ہاؤس کو یہ درجۂ اعتبار حکیم محمد افہام اللہ کی وجہ سے حاصل ہے۔ کم و بیش یہی معاملہ امیر نشاں میں واقع 'دار الشفا' کا تھا، یہاں حکیم محمد طیب صاحب کی رہائش اور مطب تھا، ان کی وفات کے بعد اب دار الشفا تو 'دار الشفا' نہیں رہا لیکن انونہ ہاؤس میں آج بھی مریضوں کا مرجوعہ رہتا ہے، حکیم محمد افہام اللہ کے خلفِ اکبر حکیم محمد کلیم اللہ کے توسط سے یہ سلسلۂ فیض بدستور جاری ہے، جو ۱۹۷۵ء سے قائم ہے۔ تمجید علی خاں انونہ نے حکیم محمد افہام اللہ صاحب کے علاج سے شفایاب ہونے کے بعد بطور قدردانی ایک معمولی رقم کے عوض یہ عمارت انہیں کرایہ پر دی تھی۔

حکیم محمد افہام اللہ ایک اچھے استاذ تھے اور بالقوہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری کا اچھا ملکہ رکھتے تھے، مگر بالفعل اس کا اظہار بہت کم ہو سکا، جو ہوا بھی وہ ثانوی مشغلہ کے طور پر، اس لیے کہ ان کی بیشتر توجہ مطب و معالجہ پر رہی اور ہمیشہ وہ خزانۂ قدرت سے دستِ شفا کے ہی طالب رہے، وہ اکثر یہ مصرعہ گنگنایا کرتے تھے۔

ع آئیں گریاں جائیں فرحاں بس کرم یہ کیجیے

جب احوالِ مرض کی تشخیص کے لیے وہ نبض پر ہاتھ رکھتے تو یہ آیت کریمہ پڑھتے "سبحانک

"لا علم لنا الاما علمتنا انک انت العلیم الحکیم"۔ ان کی یہ دعائیں مستجاب ہوئیں، وہ جو دوا تجویز کر دیتے وہ 'نسخۂ کیمیا' بن جاتی۔ گویا دستِ شفا کی دولت ان کو مبدأ فیض سے ملی تھی، یہی معاملہ ان کے والد حکیم اکرام اللہ کا تھا، وہ بھی اپنے عہد کے بڑے حاذق اور صاحب کمال طبیب تھے، انہوں نے طب کی تعلیم حکیم عبدالعزیز لکھنوی سے حاصل کی تھی، وہ راجہ صاحب کھجور گاؤں تعلقدار اودھ کے طبیب خاص رہے ہیں، انہیں کی طرح حکیم افہام اللہ نے بھی مطب و معالجہ میں شہرت و ناموری حاصل کی، ان کے بعد علی گڑھ کی مسند طبابت پر ان کے بڑے صاحبزادے حکیم کلیم اللہ اور انہونہ (رائے بریلی) کے مطب پر چھوٹے بیٹے حکیم نعیم اللہ نے بیٹھ کر خاندان کی اس سنہری روایت کو آگے بڑھایا۔ فنی حذاقت کے اس شاندار زریں سلسلہ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است"۔

حکیم افہام اللہ رائے بریلی کے بازید پور دھمدھمہ میں ۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ فارسی درسیات مولانا محمد عمر سے پڑھیں، اس کے بعد اجمیر جا کر مولانا سید امیر ملتانی سے صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ فتح پوری دہلی سے کسب فیض کیا، یہاں انہیں مولانا سید احمد اکبر آبادی سے بھی استفادے کا موقع ملا۔ ۳۰-۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۲ء تک وہ مدرسہ فتح پوری میں زیر تعلیم رہے، یہاں کے زمانۂ قیام میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے علومِ مشرقیہ کے امتحانات پاس کیے۔

اس زمانہ میں شمالی ہندوستان میں طبی تعلیم کے تین اہم ادارے تھے۔ لکھنؤ میں تکمیل الطب کالج خاندانی رسہ کشی کا شکار ہو کر آمادۂ زوال تھا، یہی حال دہلی کے قرول باغ طبیہ کالج کا تھا، یہاں مسیح الملک کی جانشینی کی جنگ تھی، ایسے حالات میں ان دونوں اداروں میں ایک بہتر تعلیمی ماحول کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، لہٰذا طبی تعلیم کے لیے سب سے موزوں جگہ علی گڑھ تھی، اس لیے حکیم افہام اللہ نے اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ کا انتخاب کیا، ۱۹۳۸ء میں یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔ طبیہ کالج میں ان کا شمار ذہین اور ممتاز طلبہ میں تھا۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء سے مئی ۱۹۳۸ء تک وہ طبیہ کالج میگزین کے جوائنٹ ایڈیٹر تھے، یہ اعزاز ممتاز طلبہ کو عطا ہوتا تھا۔ اس میگزین کے کئی شماروں میں ان کے مضامین نظر آتے ہیں، اس میں ان کی ایک نظم بھی شائع ہوئی ہے، جو انہوں نے سال پنجم کے طلبہ کی الوداعی تقریب کے لیے لکھی تھی۔ غالباً یہ ان کی شاعری کا اولین مطبوعہ نمونہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طالب علمی کے دور سے ہی انہوں نے شعر گوئی شروع کر دی تھی۔ انہوں نے فارسی اور اردو، دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے، ان کے کلام

کا بیشتر حصہ غیر مطبوعہ صورت میں ہے۔

۱۹۳۸ء میں علی گڑھ سے فراغت کے بعد پانی پت (ضلع کرنال) میں انہوں نے چند ماہ مطب کیا، پھر رائے بریلی میں ڈسٹرکٹ بورڈ ڈسپنسری انچارج کی حیثیت سے تقرر ہوگیا، ۱۹۵۶ء میں سینئر ریسرچ فیلو کی حیثیت سے طبیہ کالج علی گڑھ میں واقع ریسرچ یونٹ سے وابستہ ہوئے۔ جب اجمل خاں طبیہ کالج میں شعبۂ طب وجراحت قائم ہوا تو وہ یہاں ریڈر ہوئے، پھر ترقی کر کے صدر شعبہ کے منصب پر فائز ہوئے، کچھ دنوں کالج کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔ وہ ۱۹۶۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

دستِ شفا اور حذاقتِ فن کے ساتھ شرافت، خوش خلقی اور خوش مزاجی جیسے اوصافِ حمیدہ حکیم افہام اللہ کے پورے خاندان میں موروثی کیرکٹر کے طور نظر آتے ہیں۔ یونانی طب شرفا کا فن رہا ہے، اس بات کی صداقت کا احساس ان لوگوں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''میں نے اب تک ایسا کوئی خاندان نہیں دیکھا جو نیک نفسی، خوش خلقی، سیر چشمی، اور مہمان نوازی میں حکیم صاحب اور ان کے خانوادے کا ہمسر ہو''

حکیم افہام اللہ اور ان کے اسلاف واخلاف میں تقویٰ، پرہیز گاری اور دینداری جیسی چیزیں ایک مشترک وصف کے طور پر ملتی ہیں۔ بزرگانِ دین سے ربط وتعلق کی اس خاندان میں ایک قدیم روایت ہے۔ ان کے والد خواجہ اجمیری کے معتقدین میں تھے، وہ خود حضرت شاہ وصی اللہ خاں فتح پوری کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے، مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی اور مولانا شاہ ابرار الحق سے بھی ان کا تعلق تھا۔ وہ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، ان کا انتخاب مولانا قاری محمد طیب صاحب نے کیا تھا۔ بزرگوں سے ربط وتعلق کی یہ روایت ان کے اخلاف میں بھی موجود ہے۔

تالیفات وتراجم:

۱- بیاضِ عجیب: اس کتاب کے بارے میں پروفیسر ظفر احمد صدیقی لکھتے ہیں ''انہوں نے ادویۂ مفردہ کے خواص پر 'بیاض عجیب' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی، یہ کئی حصوں پر مشتمل تھی۔ لیکن زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکی''۔

۲- رسالۂ جنین: حکیم سید برکات احمد ٹونکی نے 'القول المتین فیما یتعلق بالحبالی والجنین' کے نام سے حاملہ کے امراض سے متعلق فارسی زبان میں ایک رسالہ تالیف کیا تھا، اس کا ایک خطی نسخہ شفاء الملک حکیم نظام الدین کے کتب خانہ میں تھا، جو خود مؤلف کا عطا کردہ تھا، وہ شفاء الملک کے استاذ

تھے۔ جس زمانہ میں حکیم محمد افہام اللہ بغرض تعلیم اجمیر میں تھے، ان کا قیام شفاء الملک کے دولت کدہ پر تھا، شفاء الملک نے اس رسالہ کی ایک نقل انہیں یہ کہہ کر دی تھی، اسے رکھ لو آئندہ یہ تمہارے کام آئے گا۔ جب عملی زندگی میں حکیم محمد افہام اللہ نے اس کے نسخوں کو برتا تو بے حد مفید پایا۔ افادۂ عام کے مقصد سے اسی کا انہوں نے 'رسالہ جنین' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ ۲۷ر صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا ہے۔

۳۔ برء الساعۃ: یہ زکریا رازی کا مشہور رسالہ ہے، اسے اس نے ابوالقاسم بن عبید اللہ کے ایماء پر تالیف کیا تھا، اس میں سریع التاثیر دواؤں کا تذکرہ ہے، موضوعاتی اہمیت اور ندرت کی وجہ سے یہ ہر عہد میں اطباء کی دلچسپیوں کا محور رہا ہے۔ حکیم محمد افہام اللہ نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے، انہوں نے یہ ترجمہ بہت پہلے کرلیا تھا لیکن اس کی اشاعت بہت دیر سے ہوئی۔ یہ ۱۹۹۶ء میں ناولٹی آفسیٹ پریس، گورکھپور سے شائع ہوا ہے۔ اس ترجمہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

> ''فارسی زبان میں 'نشریہ ستارۂ غرب' کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ ہوا تھا، جس میں کچھ اضافے بھی تھے، راقم سطور کو استاذ گرامی شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب فلسفی مرحوم نے 'نشریہ ستارۂ غرب' کا نسخہ دیا اور خواہش ظاہر فرمائی کہ اس کا ترجمہ اردو میں کیا جائے اور مزید اضافے کیے جائیں۔ حکیم صاحب مرحوم کے پاس اس کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی تھا جو صرف عربی میں تھا، اس کے علاوہ دو قلمی نسخے مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ملے، ان سب نسخوں کو سامنے رکھ کر زیر نظر نسخہ مرتب کیا گیا اور اس میں صرف انہیں نسخوں کا اضافہ کیا گیا ہے جن کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے''

میرے پیش نظر 'برء الساعۃ' کی تدوین اور اردو ترجمہ کا ایک اور کام بھی ہے۔ جو ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں قومی پریس، سہارن پور سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مدون ابوالکمال محمد بہاء الدین صدیقی گوپامئوی ہیں، ان کے مدونہ متن کا ترجمہ 'بدء الراحۃ' کے نام سے ان کے صاحبزادے حکیم محمد ضیاء الدین صدیقی گوپامئوی نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ شفاء الملک حکیم عبدالحسیب دریابادی کے نام معنون ہے۔

۴۔ مطب افہام: یہ ۲۶ر صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو حکیم افہام اللہ کے معمولاتِ مطب پر مشتمل ہے، اسے حکیم محمد فصیح الزماں (استاذ جامعہ ہمدرد) نے مرتب کیا ہے، جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے۔ مگر اس سے ان کے معمولات و مجربات کی انتہائی ناقص تصویر سامنے آتی ہے، اس لیے کہ مرتب نے سہل پسندی سے کام لیتے ہوئے محض کلاس نوٹ کی مدد سے اسے ترتیب دیا ہے، حالانکہ ان کے

تجربات پر مشتمل کئی بیاضیں ہیں، جو ان کے اہل خانہ کے پاس موجود ہیں، ان سے بھی استفادے کی ضرورت تھی۔

۶/اگست بروز پنجشنبہ بعد نماز عصر ۱۹۹۹ء کو حکیم محمد افہام اللہ نے وفات پائی۔

مطالعاتی مآخذ

۱- شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی: نقوش و تأثرات از حکیم محمد اسلم صدیقی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۷-۱۲۴

۲- برء الساعہ مصنفہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی، مترجمہ حکیم محمد افہام اللہ، ناولٹی آفسیٹ پریس، گورکھپور، ۱۹۹۶ء، ص، ز

۳- رسالۂ جنین، مصنفہ سید برکات احمد ٹونکی، مترجمہ حکیم محمد افہام اللہ، امجد کلینک، گورکھپور، ۱۹۸۹ء، ص ۷-۱

۴- تہذیب الاخلاق [استاذ الاطبا حکیم محمد افہام اللہ از پروفیسر ظفر احمد صدیقی] جلد ۳۲، شمارہ ۲/فروری ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۸-۱۰۸

۵- مطب افہام مرتبہ محمد فصیح الزماں، مطبع غیر مذکور، مطبوعہ ۲۰۰۴ء

•••

حکیم محمد اکرم

حکیم محمد اکرم (بن حاجی محمد عبد السلام) یکم جولائی ۱۹۷۱ء کو موضع بسہم، ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کے بعد ۱۹۸۱ء میں جامعۃ الفلاح (بلریا گنج، اعظم گڑھ) میں داخلہ لیا، یہاں سے عالمیت (۱۹۸۹ء) اور فضیلت (۱۹۹۱ء) کی اسناد حاصل کر کے ۱۹۹۸ء میں جامعہ ہمدرد دہلی سے بی یو ایم ایس کیا۔

حکیم محمد اکرم طالب علمی کے ہر دور میں ممتاز رہے ہیں۔ انہوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد یونانی مطب و معالجہ سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ یونانی طب کا صالح ذوق اور تشخیص و تجویز کی عمدہ استعداد رکھتے ہیں۔ یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ آج کل طب کے طلبہ و اساتذہ میں نہایت شدت سے ان اوصاف کی کمی بلکہ فقدان ہے۔

باوجودیکہ یونانی طب سے ان کے ذہن کو خوب مناسبت تھی، مگر انہیں محسوس ہوا کہ ان کا قلبی میلان عربی زبان کی طرف زیادہ ہے اور یہ بتدریج بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ لہٰذا تسکینِ ذوق کے لیے بی یو ایم ایس سے فراغت کے بعد دہلی یونیورسٹی میں جدید عربی کے ایڈوانس ڈپلومہ کورس میں داخلہ لے لیا، پھر یہیں سے ۲۰۰۱ء میں ایم اے (عربی) اور ۲۰۱۰ء میں جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اب ان کے پاس وسیلۂ معاش کے لیے مطب و معالجہ کے ساتھ ایک دوسرا متبادل بھی تھا۔ یہاں قسمت نے ان کا خوب ساتھ دیا کہ ذوق کے مطابق دہلی یونیوسٹی کے شعبۂ عربی میں تدریس کا موقع مل گیا۔ جولائی ۲۰۱۰ء سے وہ یہاں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ نومبر ۲۰۱۴ء سے ان کی ملازمت کو مستقل حیثیت مل گئی ہے۔

یونانی طب اور عربی زبان وادب، دونوں میں مہارت کی وجہ سے ان کے اندر طبی ترجمہ نگاری کی اچھی صلاحیت ہے۔ اب تک اس سلسلہ کے وہ درج ذیل کام انجام دے چکے ہیں

۱-قرابادین مارستانی: حکیم عمر کی اس قرابادین کا ترجمہ حکیم عبدالباری کو مفوضہ پروجیکٹ کے تحت انجام پایا ہے۔ یہ ترجمہ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے

۲-تذکرہ اولی الالباب والجامع للعجب العجاب: داؤد انطاکی کی اس تالیف کا ترجمہ حکیم محمد اکرم نے سی سی آر یو ایم، نئی دہلی کی فرمائش پر انجام دیا ہے۔ ہنوز یہ نظر ثانی اور اصلاح کے مرحلہ میں ہے، اس کی دوسری جلد کی ویٹنگ اور لسانی تہذیب کا کام راقم نے کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ جلد ہی شائع ہو کر منظر عام پر آجائے گا۔

•••

حکیم محمد اکرم لئیق

حکیم محمد اکرم لئیق (ابن لدن حسین) ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو موضع فتح آباد، ضلع مراد آباد (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ سنبھل سے حفظ قرآن اور ابتدائی درسیات پڑھنے کے بعد ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے ۲۰۰۴ء میں عالمیت کی سند حاصل کی۔ بعدازاں اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ سے بی یو ایم ایس (۲۰۱۱ء) اور ایم ڈی معالجات (۲۰۱۵ء) کیا۔ اس وقت وہ علی گڑھ یونانی اینڈ آیورویدک میڈیکل کالج میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

حکیم محمد اکرم لئیق ابھی تصنیف وتالیف کے میدان میں نوخیز ہیں، لیکن ان کی تحریریں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچھی قلمی استعداد رکھتے ہیں۔ صحیح رہنمائی میں مشق ومزاولت کا سلسلہ جاری رکھ کر وہ اس صلاحیت کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔ اب تک ان کی درج ذیل تین قلمی کاوشیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

ا۔ برء الساعۃ: ابوبکر محمد بن زکریا رازی کے اس رسالہ کا اردو زبان میں کئی ترجمہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے اس کا ترجمہ حکیم محمد ضیاء الدین گوپامئوی نے کیا تھا۔ دوسرا ترجمہ حکیم محمد افہام اللہ کا ملتا ہے۔ اس سلسلے میں تیسری کوشش حکیم محمد اکرم لئیق نے کی ہے۔ انہوں نے برٹش میوزیم کے مخزونہ 'برء الساعۃ' کے خطی نسخہ کا ترجمہ کرنے کے ساتھ حکیم محمد افہام اللہ کے ترجمہ سے اس کا موانہ بھی کیا ہے اور حواشی کی صورت میں اختلافات کی نشاندہی کی ہے۔ حکیم محمد اکرم لئیق نے یہ ترجمہ اپنے اساتذہ پروفیسر حکیم عبدالمنان اور حکیم ضمیر احمد کی تحریک پر کیا ہے۔ انہیں اس کام کے دوران اپنے اِن اساتذہ کا علمی تعاون بھی حاصل رہا ہے۔ یہ ترجمہ مکتبہ اشاعت العلوم، دہلی سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ طب نبوی: ترجمہ نگاری سے متعلق یہ حکیم محمد اکرم لئیق کی دوسری کاوش ہے۔ یہ مصری مصنف

استاذ ابوو زیر بن احمد الابہری کے رسالہ کا ترجمہ ہے۔ یہ ۲۰۱۵ء میں مکتبہ اشاعت العلوم، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس ترجمہ میں حکیم محمد اکرم لئیق کو اپنے استاذ حکیم ضمیر احمد کا تعاون حاصل رہا ہے۔

۳۔طب نبوی: یہ حکیم محمد اکرم کی تالیف ہے۔ اس میں انہوں نے طبّی سائنس سے متعلق احادیث نبوی جمع کی ہیں۔ یہ کتاب ۲۰۱۵ء میں مکتبہ اشاعت العلوم، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں محمد اکرم لئیق کو پروفیسر حکیم عبدالمنان اور حکیم محمد یونس صدیقی کا تعاون حاصل رہا ہے۔

•••

حکیم مرزا امیر بیگ

طبی دنیا میں حکیم مرزا امیر بیگ کی شہرت طبِ یوسفی مؤلفہ حکیم یوسفی بن محمد یوسف کے مترجم کی حیثیت سے ہے، لیکن اس ترجمہ کا انتساب حکیم مرزا امیر بیگ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ مطبع افتخار دہلی سے ''طبِ یوسفی'' کا جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کے سرِ ورق پر جلی حروف میں ''مترجمہ سر آمدِ حکماء حکیم مرزا امیر بیگ'' لکھا ہے۔ دراصل یہی تحریر مغالطہ کی وجہ بنی ہے۔ حالانکہ یہ ترجمہ حکیم مرزا امیر بیگ کے صاحبزادہ حکیم مرزا فاضل بیگ کا ہے۔ اس کی وضاحت ترجمہ کے تمہیدی کلمات سے ہوتی ہے، جو درج ذیل ہیں:

> ''الحمد للہ یہ کتاب لاجواب طبِ یوسفی، جو زبدۃ الحکماء یوسفی بن محمد یوسف کی تصانیفِ بے عدیل سے بزبانِ فارسی مروج و مرجع خلائق تھی، لیکن کم استعداد والے فارسی خواں عموماً اور اردو خواں خصوصاً اس کے مطالعہ اور فوائد سے مجبور تھے، اب اکثر احباب کی درخواست کے مطابق حسب ایماء لالہ جنگلی مل کتب فروش دہلی، بندۂ خاکسار مرزا فاضل بیگ خلف اصغر جناب زبدۃ الحکماء حکیم مرزا امیر بیگ صاحب دہلوی مرحوم و مغفور سابق ملازم ریاست پٹیالہ نے سلیس بامحاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا تاکہ ہر خاص و عام اس سے مطالب حاصل کر سکیں''

مذکورہ اقتباس سے اصل صورتِ حال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس ترجمہ کی ایک اشاعت مفیدِ عام اسٹیم پریس آگرہ سے عمل میں آئی ہے، اس میں بطور مترجم حکیم مرزا فاضل بیگ ہی کا نام درج ہے۔

•••

حکیم محمد امین الدین خاں

حکیم محمد امین الدین بن کلب علی خاں شاہ آباد ضلع رام پور کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت امروہہ میں ہوئی، یہاں مدرسہ اسلامیہ میں پڑھنے کے ساتھ مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی سے درس نظامی اور حکیم عبدالسلام امروہوی سے کتب طبیہ کا درس لیا۔ وہ یونانی طب کی اعلیٰ لیاقت کے ساتھ منطق و فلسفہ اور عربی و فارسی میں مہارت رکھتے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں تدریسی فرائض انجام دیے، بعد ازاں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے صاحبزادہ حکیم جمیل خاں کے استاذ مقرر ہو کر دہلی آگئے۔ ۱۹۲۱ء میں طبیہ کالج کی توسیع کے وقت وہ پروفیسر کلیات اور وائس پرنسپل ہوئے۔ ان کے اندر درس و تدریس اور انتظامی امور کی عمدہ لیاقت تھی۔ ۱۵/ستمبر ۱۹۴۳ء کو ۶۸/برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے حکیم محمد مبین (پیدائش ۲۴/دسمبر ۱۹۰۴ء) طبیہ کالج قرول باغ کے فارغ تھے۔ وہ حکیم اجمل خاں کے طبیب پیشی رہے اس کے علاوہ ہندوستانی دواخانہ کے بعض امور بھی ان سے متعلق تھے، وہ طبیہ کالج قرول باغ اور جامعہ طبیہ، دہلی میں استاذ بھی رہے۔ حکیم محمد مبین کے بیٹے حکیم معین الدین (ولادت ۱۲/دسمبر ۱۹۳۳ء) جامعہ طبیہ دہلی سے فراغت کے بعد ہمدم دواخانہ، دہلی سے وابستہ رہے۔

حکیم محمد امین الدین ۱۹۲۱ء میں طبیہ کالج قرول باغ سے وابستہ ہوئے۔ اس زمانہ میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی تحریک کے زیر اثر اردو کو طب کی تعلیمی زبان قرار دے کر طبی درسیات کو اردو میں منتقل کرنے کا کام زوروں پر تھا، اس سے متأثر ہو کر حکیم محمد امین الدین نے طلبہ کی درسی ضرورتوں کے لیے کلیاتِ نفیسی کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ پہلی بار ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں دہلی پرنٹنگ ورکس سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ کلیات نفیسی کا اردو ترجمہ اور شرح حکیم محمد کبیر الدین نے بھی کیا ہے۔ یہ ۱۳۵۲ ہجری

مطابق ۱۹۳۵ء میں دفتر المسیح کے زیر اہتمام برقی پریس، دہلی سے طبع ہوا ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ تذکرۃ الاطباء از حکیم ریاض احمد قریشی، مکتبہ مشیر الاطباء، لاہور، طبع ثانی ۱۹۶۳ء، ص ۳۱-۳۰

۲۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعتِ دوم ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۳-۲۲۱

۳۔ دلی اور طب یونانی از حکیم سید ظل الرحمان، اردو اکیڈمی، دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۳۱۳

۴۔ اجمل میگزین، دہلی، جنوری ۱۹۳۵ء، ص ۳۶

۵۔ تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیر واسطی، موسسہ مطالعات تاریخ پزشکی، طب اسلامی و مکمل (ایران)، بہمن ماہ ۱۳۸۲، ص ۷۷

•••

حکیم محمد اول شاہ سنبھلی

حکیم محمد اول شاہ سنبھلی، بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولانا اجمل شاہ سنبھلی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ مولانا اجمل شاہ 'مدرسہ اجمل العلوم' سنبھل کے مہتمم تھے، ان کا شمار سنبھل کی معزز شخصیات میں تھا۔ حکیم محمد اول شاہ نے پاکستان کی شہریت اختیار کر لی تھی، وہیں انہوں نے وفات پائی۔ پاکستان میں سکونت کے بعد ایک، دو بار ان کا ہندوستان آنا ہوا، مگر سوتیلے بھائی کے رویہ سے بدحظ ہو کر انہوں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا تھا۔

طبی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے حکیم محمد اول شاہ کی ایک یادگار 'مخزن حکمت الطبری' ہے۔ یہ ابوالحسن علی بن سہل ربن طبری کی تالیف 'فردوس الحکمت' کا اردو ترجمہ ہے۔ حکیم محمد اول شاہ نے اسے ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴/جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ کو مکمل کیا تھا۔ یہ پاکستان سے شائع ہوا تھا۔ ہندوستان میں فیصل پبلی کیشنز، دیوبند نے ۲۰۰۲ء میں اس کا عکس شائع کیا ہے۔ یہ ۴۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

'فردوس الحکمت' کا پہلا اردو ترجمہ حکیم رشید اشرف ندوی نے کیا تھا، انہوں نے اردو ترجمہ کے متوازی عربی متن بھی دیا تھا، حکیم محمد اول شاہ کے ترجمہ میں متن شامل نہیں ہے۔ حکیم محمد اول شاہ کے ترجمہ میں حکیم رشید اشرف ندوی کے ترجمہ سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے۔

•••

حکیم محمد ایوب اسرائیلی

حکیم محمد ایوب اسرائیلی بن مولوی محمد یعقوب ایک ذی علم خانوادہ کے فرد تھے۔ وہ محلہ بنی اسرائیلان، علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا مولوی عبد الجلیل اور تایا مولوی محمد ابراہیم نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شمولیت کی پاداش میں مصلوب ہو کر جام شہادت نوش کیا تھا۔

حکیم محمد ایوب اسرائیلی نے اپنے چچا مولوی محمد اسماعیل اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے کسب فیض کے بعد تحصیل مزید کے لیے بھوپال اور ٹونک کا قصد کیا، پھر لکھنؤ پہنچ کر حکیم عبد العلی سے طب کی تعلیم حاصل کی اور مطب و معالجہ سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ علمی ذوق کی وجہ سے مطبع انوار المطابع، کانپور اور مطبع منشی نول کشور کے شعبۂ ترجمہ و تالیف سے ان کی وابستگی رہی۔ درج ذیل تراجم اس سلسلہ کی یادگار ہیں۔

۱۔ ترجمۂ اقسرائی: یہ موجز کی مشہور شرح 'اقسرائی' کا اردو زبان میں توضیحی ترجمہ ہے۔ ساتھ میں چھ فصلوں پر مشتمل مترجم کا مبسوط مقدمہ بھی ہے، مولوی سید امیر علی ملیح آبادی (مترجم فتاویٰ عالمگیری) نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ حصۂ اول جو فن اول و دوم پر مشتمل ہے، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں اور حصۂ دوم (فن ثانی و ثالث) ۱۳۲۶ ہجری مطابق ۱۹۰۸ء میں مطبع نامی منشی نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ حکیم محمد ایوب اسرائیلی نے یہ ترجمہ مالکِ مطبع کی فرمائش پر انجام دیا ہے۔ 'اقسرائی' کا اردو ترجمہ حکیم محمد حسن حاذقؔ میرٹھی نے بھی کیا ہے۔

۲۔ ترجمۂ شرح اسباب: حکیم محمد ایوب اسرائیلی نے یہ ترجمہ بھی مالک مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ کی فرمائش پر انجام دیا ہے۔ یہ دو جلدوں میں اسی مطبع سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔ حکیم محمد کبیر الدین اور حکیم خواجہ رضوان احمد نے بھی شرح اسباب کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ آج کل انہیں دونوں کے ترجمے

متداول ہیں۔

۳-ترجمہ توضیح وتلویح: یہ ترجمہ انوار المطابع، کانپور سے شائع ہوا ہے۔

۴-اختیارات بدیعی: حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی کی اطلاع کے مطابق حاجی زین الدین العطار کی فارسی تالیف 'اختیارات بدیعی' کا ترجمہ بھی حکیم محمد ایوب اسرائیلی نے کیا ہے، جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔

۵-حاشیۂ قانون: حکیم محمد ایوب اسرائیلی نے قانون پر حاشیہ تحریر کیا تھا، مگر یہ شائع نہیں ہوسکا۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر شمعون (سابق استاذ شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) نے اس کا مسودہ حکیم عبداللطیف فلسفی کو دیا تھا، اب یہ کہاں ہے، اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

حکیم محمد ایوب اسرائیلی، مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی دعوت پر علی گڑھ سے دہلی آگئے تھے۔ یہیں ۱۹۱۴ء میں ۴۸ برس کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ اس زمانہ کی ان کی ایک مختصر تالیف 'اقوم الدلائل علی خمسة مسائل' ہے۔ اسے انہوں نے مسیح الملک کی تائید میں لکھا تھا، حکیم عبدالمجید نے 'ابانة المحجة لمن سلک الطریق المعوجة' کے ذریعہ مسیح الملک کے 'خمس مسائل' پر جو اعتراضات کئے ہیں، اس میں انہیں کا جواب دیا گیا ہے۔ ۸۱ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع ہلالی، دہلی سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- قانون ابن سینا اور اس کے شارحین ومترجمین از حکیم سید ظل الرحمٰن، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعتِ دوم ۲۰۱۳، ص ۲۱۸-۲۱۶

۲- جہان طب (تکمیل الطب کالج نمبر)، جلد ۴، شمارہ ۱، ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۷۶-۱۷۵

۳- جہان طب، جلد ۵، شمارہ ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۳۲-۸

•••

حکیم سید ایوب علی قاسمی

حکیم سید ایوب علی قاسمی کا شمار اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نامور فضلا میں ہے۔ وہ نسباً سادات بارہہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بزرگوں کا اصل وطن مغربی اتر پردیش کا ضلع مظفر نگر ہے، یہاں قصبہ جانسٹ میں ان کا خاندان آباد تھا۔

مولانا محمد حسین آزاد 'دربار اکبری' میں مظفر نگر کے سادات بارہہ کے متعلق میں لکھتے ہیں:

''یہاں کے سید صحیح النسب اور بڑے بہادر تھے۔ سلاطینِ سلف کے عہد میں انہوں نے بڑے کارنامے کئے، اکبری فوج میں بھی دلاوری کے چہرہ کو سرخ رو کرتے رہے، اول ان میں سید محمود بارہہ تھے کہ پہلے سکندر سور کے ساتھ قلعہ مانکوٹ میں محصور تھے، جب اکبری فوج نے محاصرہ کا دائرہ بہت تنگ کیا تو سردار ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے یہ مع اپنے ہمراہیوں کے اکبری لشکر میں آئے اور ملازمت بادشاہی اختیار کی، ان کی خدماتِ جانفشاں نے ان کے منصب کا دائرہ چار ہزاری تک بلند کیا۔ ان کے بیٹے سید ہاشم بارہہ برابر منصب تک پہنچے تھے کہ شہادت کا منصب نصیب ہوا۔ سید عبدالمطلب، سید عبداللہ خاں بارہہ وغیرہ نامی سردار اسی خاندان کے تھے اور ہر میدان میں ایسے بے جگر ہو کر لڑتے تھے کہ ان کی شجاعت آج تک ضرب المثل چلی آتی ہے''۔

حکیم سید ایوب علی کے بزرگ شمع آزادی کے مشعل برداروں میں تھے، اس لیے انگریزوں کی نگاہ میں ہمیشہ معتوب رہے۔ عتاب سے بچنے کے لیے وہ لوگ مظفر نگر کی سکونت ترک کر کے فرخ آباد کے قصبہ شمس آباد میں فروکش ہو گئے تھے۔ یہیں یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو حکیم سید ایوب علی کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد مولانا سید ابوالبیان جمعیت العلماء کے سرکردہ اراکین میں تھے، انہوں نے آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس جنگ میں مسلم قیادت کا اہم چہرہ تھے، اس لیے دونوں میں

مصاحبت کا رشتہ قائم تھا۔

فرخ آباد میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کے حوالہ سے مولانا سید ابوالبیان کی اہم خدمات ہیں، انہوں نے 'انجمن تعلیماتِ دین' کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں میں دینی علوم کی نشرواشاعت کے لیے بڑے کام کیے ہیں۔ ان کی وجہ سے فرخ آباد خصوصاً یہاں کے قصبہ شمس آباد میں دینی ماحول کو فروغ حاصل ہوا ہے، ان کی ذات پرنور سے ان کا گھر بھی ضوفشاں تھا، اسی روشن مذہبی ودینی ماحول میں حکیم سید ایوب علی کی ذہنی اور فکری نشو ونما ہوئی۔ تربیت کے یہ اثرات ہمیشہ ان کی شخصیت میں نمایاں مظاہر کے طور پر محسوس کیے گئے۔

شمس آباد سے کتب درسیہ پڑھنے کے بعد اسلامی علوم اور عربی زبان وادب کی تحصیل کے لیے وہ ۱۹۴۷ء میں تیرہ برس کی عمر میں دارالعلوم دیوبند گئے، وہاں سات برس رہ کر ۱۹۵۴ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اسی سال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اجمل خاں طبیّہ کالج میں داخل ہوئے، یہاں کے علمی ماحول سے انہوں نے بھرپور کسبِ فیض کیا اور اپنے جوہرِ صلاحیت سے لوگوں کو متاثر کیا۔ وہ صلاحیتوں کی قدر کا زمانہ تھا، پڑھنے والے اساتذہ کے محبوب اور طلبہ برادری کے درمیان مقبول ہوتے تھے۔ ایک نمایاں طالب علم کے طور پر وہ اپنے اساتذہ کے پسندیدہ رہے، انہیں شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی کی توجہ حاصل تھی، حکیم محمد اسلم صدیقی نے شفاء الملک کے سوانحی تذکرہ میں حکیم سید ایوب علی کو ان کے خاص تلامذہ کے زمرہ میں بیان کیا ہے۔ انہیں اساتذہ کی شفقت کی طرح احباب اور رفقاء کی محبت بھی حاصل تھی، اس کا ایک بڑا اظہار یہ ہے کہ وہ یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ یونین کے سینئر کیبنٹ منتخب ہوئے۔

۱۹۵۹ء میں بی یو ایم ایس کی تکمیل کے بعد تلاشِ معاش کا دور شروع ہوا۔ یہ ان کے لیے بڑی ذہنی کشمکش کا زمانہ تھا، ایک طرف مسائلِ روزگار تھے، دوسری طرف ذوق وذہن کے تقاضے۔ مزاج کو تعلیمی وتحقیقی امور سے مناسبت تھی، مگر سامنے اس طرح کے مواقع نہیں تھے، لہٰذا بادل ناخواستہ مطب ومعالجہ سے رشتہ جوڑنا پڑا، لیکن یہ اضطراری فیصلہ تھا جو بحالتِ مجبوری صرف معاشی ضرورتوں کے لیے کرنا پڑا تھا۔ گنج ڈنڈوارہ ضلع ایٹہ میں وہ تقریباً دو برس مطب سے وابستہ رہے، اس سے معاشی ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ تو فراہم ہو گیا، مگر اس میں تسکین ذوق کا کوئی سامان نہیں تھا۔ مزاج کے خلاف کوئی کام بہت دنوں تک نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس سلسلہ کو موقوف کر کے انہوں نے جامعہ طبیّہ دارالعلوم، دیوبند میں تدریس

شروع کردی۔ جامعہ طبیہ ایک پرائیویٹ کالج تھا، یہ دارالعلوم سے ملحق اور اسی کی مجلسِ منتظمہ کے زیرِ انصرام تھا، اس لیے یہاں مشاہرہ کا مطلب نان شبینہ سے زیادہ کچھ اور نہیں تھا، مگر یہاں ان کے ذوق کا بھرپور سامان تھا، دارالعلوم کی روح پرور فضا، جامعہ کا علمی ماحول، حکیم محمد عمر اور حکیم عزیز الرحمان اعظمی جیسے اہلِ علم کی رفاقت، لیکن معاش انسان کی ایسی ضرورت ہے جس میں پسند اور ناپسند جیسی چیزوں کی اہمیت نہیں ہوتی، طوعاً و کرہاً ہر کسی کو یہ سچائی قبول کرنی پڑتی ہے، یہی معاملہ حکیم سید ایوب علی کے ساتھ ہوا، وہ جامعہ طبیہ میں اپنے ذوق کی آبیاری زیادہ دن نہیں کر سکے، ۱۹۶۳ء میں اتر پردیش کے محکمۂ صحت میں میڈیکل آفیسر کے عہدہ پر تقرر کے بعد انہیں جامعہ طبیہ کو خیر باد کہنا پڑا۔ ضلع سہارنپور کے قصبہ کیلاش پور میں ان کی پوسٹنگ ہوئی، یہاں ان کا قیام نواب محمود علی خاں کے بنگلہ پر تھا، نواب صاحب صوبہ میں محکمۂ توانائی کے وزیر رہ چکے ہیں، وہ ایوب صاحب کے پدر محترم مولانا سید ابوالبیان کے رفیقوں میں تھے۔ حکیم سید ایوب علی صاحب نے میڈیکل آفیسر کے عہدہ پر تقریباً چھ برس کام کیا، یہ ایک باوقار عہدہ تھا، جو معاش کے پہلو سے بھی قابل اطمینان تھا۔ مگر ان کی طبیعت کو اس ملازمت سے مناسبت نہیں تھی اس لیے اس سے وابستگی کا معاملہ محض برائے ملازمت تھا، چنانچہ اس سے مستعفی ہو کر وہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو اجمل خاں طبیہ کالج میں قائم ریسرچ یونٹ سے بطور سینئر ریسرچ فیلو وابستہ ہو گئے، یہ سلسلہ تقریباً ساڑھے چار سال رہا۔ ۱۹۷۱ء میں اجمل خاں طبیہ کالج کے شعبۂ علم الادویہ میں پوسٹ گریجویٹ سطح کی تعلیم کے آغاز کے بعد حکیم سید ایوب علی کا بحیثیت لکچرر تقرر عمل میں آیا، ۳ر جنوری ۱۹۷۳ء کو وہ شعبۂ علم الادویہ کے زمرۂ اساتذہ میں شامل ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۸۳ء کو وہ شعبہ میں ریڈر ہوئے اور ۳۰ر جون ۱۹۹۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ یہاں ان کی تدریسی خدمات کا زمانہ دو دہائی سے کچھ زیادہ عرصہ پر محیط ہے، ملازمتی کیریر کے پہلو سے یہ مدت بہت زیادہ نہ سہی، اس کے باوجود انہوں نے شعبہ میں کارکردگی کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ یادگار ہیں، ایک استاذ کے طور پر ان کا ایک قابلِ ذکر وصف یہ ہے کہ وہ مفوضہ ذمہ داریوں کو نہایت ایمانداری اور فرض شناسی کے ساتھ پورا کرتے، ریٹائرمنٹ تک وہ اس معمول پر کاربند رہے، یہ صفت اس لیے قابلِ ذکر محسوس ہوتی ہے کہ عام طور پر سینئر اساتذہ پڑھنے اور پڑھانے جیسی چیزوں کو اپنے بلند رتبے کے منافی اور معیار سے فروتر سمجھنے لگتے ہیں، اکثر ان کی طرف سے یہ فرض کفایہ کوئی اسکالر یا جونیر استاذ انجام دے دیتا ہے اور حضرت موصوف بس گاہے بہ گاہے طلبہ کو اپنے دیدار سے سرفراز کرنے چلے آتے ہیں، ایسے ماحول میں اگر کوئی استاذ خود کو مفوضہ ذمہ داریوں کا مکلف

سمجھے تو یہ بات قابل ذکر ہو جاتی ہے۔

حکیم صاحب کی شخصیت شرافت، وضع داری اور حلم و بردباری کا عمدہ نمونہ تھی۔ ان کے مزاج میں یک گونہ خاموشی تھی تاہم خشکی نہیں، اسی لیے گفتگو میں مزاح بھی ہوتا تھا، مگر سنجیدگی کے ساتھ۔ نشست و برخاست اور انداز گفتگو سے متانت اور سنجیدگی کا اظہار ہوتا، وہ خوش ذوق اور خوش لباس تھے اور حسنِ لطیف کے مالک تھے، ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ علمی وفنی پہلو سے بھی وہ کافی بلند قامت تھے، لیکن طبیعت میں صارفیت نہیں تھی اسی لیے تشہیر پسندی سے دور رہے اور جو بھی علمی کام کیے، بڑی خاموشی سے کیے۔ ان کے کاموں کی فہرست گرچہ مختصر ہے مگر جامع ہے، جامع اس لیے کہ اس میں خوب سے خوب تر کی کیفیت ہے۔

عام طبی حلقے میں وہ 'قوانینِ ادویہ' کے ذریعہ متعارف ہیں، اس کتاب کا شمار درسیات کی معروف کتابوں میں ہے، گرچہ یہ نصابی مقصد سے لکھی گئی ہے لیکن تالیفی پہلو سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ کلیات ادویہ کے مباحث اردو زبان میں منضبط صورت میں آسکے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر نقشِ اول کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے بعد کلیات ادویہ پر جتنی کتابیں لکھی گئیں، ان سب میں اس کی تقلید کا التزام کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے تالیفی مقاصد اور محاسن پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں:

> ''علمی اداروں میں کلیاتِ ادویہ سے متعلق مضامین پر نئے انداز سے مرتب اور سائنٹفک توجیہات سے آسودہ مستقل کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی 'قوانین ادویہ' اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لیے ناچیز کوشش ہے، جو مختلف عنوانات کے تحت بڑی تفصیل سے مرتب کی گئی ہے، ہر عنوان کے ذیل میں قدیم اندازِ تعبیرات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایسی سائنٹفک تعبیرات پیش کرنے کی جدوجہد کی گئی ہے جو زمانہ حال کی تحقیقات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہوں اور قدیم علوم عقلیہ سے نابلد ذہن اجزائے بسیطہ، عناصر و مزاج بالخاصہ وصورت نوعیہ، تاثیر بالمادہ و بالکیفیت جیسے ادق مفاہیم کو بڑی حد تک سمجھنے پر قادر ہو سکیں، نیز دواؤں کی صحیح شناخت، ان کی معیار بندی کے طریقے، نامعلوم دواؤں کی معلومات کے لیے تجربہ وقیاس کی روشنی میں جدید تحقیق کے طریقوں کو اپنا کر موجودہ ذہن کو مطمئن کرنے کی کوشش بھی میری جدوجہد کا بڑا حصہ ہے۔ تاثیراتِ ادویہ کے سلسلہ میں دواؤں کی نوعیتِ اعمال کے اظہار کے لیے جن طبی اصطلاحی الفاظ کو ہماری قدیم کتابوں میں استعمال کیا گیا ہے، میری کوشش رہی ہے کہ ان کو جدید اصطلاحی مفہوم سے قریب تر لایا جائے''۔

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن 'قوانین ادویہ' کے تالیفی محاسن کا اعتراف اور اس علمی کاوش کی تحسین کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''شعبہ کے فاضل استاذ حکیم سید ایوب علی نے اس کتاب میں موضوع متعلقہ پر روایتی طور پر نہیں لکھا ہے، انہوں نے تحقیق و تفحص کے ساتھ بعض عنوانات پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس سے ان کی بالغ نظری اور شعورِ فن کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذوالخاصہ، صورتِ نوعیہ، مزاج، شناخت اور نئی دواؤں کی دریافت جیسے موضوعات پر انہوں نے قدیم مباحث کے ساتھ ان کی جدید تعبیرات پیش کرنے کی جو کوشش کی ہے، امید ہے کہ علم الادویہ کے ذخیرہ میں یہ ایک اضافہ کا کام سمجھا جائے گا''۔

حکیم سید ایوب علی نے 'قوانینِ ادویہ' کے علاوہ کئی دوسرے تالیفی کام بھی انجام دئے ہیں، اس سلسلہ کا ایک قابل ذکر نام 'ادویہ عطریہ' ہے، اسے انہوں نے حکیم نعیم احمد خاں کے اشتراک سے کیا ہے۔ ان کی ایک تالیف 'مصادر علم الادویہ' ہے، اسے طلبہ کے استفادے کے لیے ترتیب دیا تھا تاکہ وہ اس موضوع کے مآخذ سے واقف ہوں اور ان سے فائدے حاصل کرسکیں، اس میں انہوں نے ۲۵ کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے۔

حکیم سید ایوب علی کے تمام علمی کاموں میں 'ذخیرہ ثابت بن قرہ' کا اردو ترجمہ مہتم بالشان حیثیت کا حامل ہے۔ اس کی اہمیت کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ گوشۂ گمنامی میں پڑی ایک بیش قدر تالیف علمی دنیا کے سامنے آسکی۔

ثابت بن قرہ صابی حرانی کا شمار صفِ اول کے طبی مترجمین میں ہے اور اسی حیثیت سے علمی حلقہ میں اس کی شہرت ہے۔ مگر 'ذخیرہ' کے اردو ترجمہ کے بعد اس کی شخصیت کا تصنیفی و تالیفی پہلو سامنے آیا۔ حالانکہ اس ترجمہ سے بہت پہلے ثابت بن قرہ کی یہ تالیف ڈاکٹر جارج صبحی کے زیر اہتمام ۱۹۲۸ء میں قاہرہ سے طبع ہوچکی تھی، پھر بھی یونانی طب کے روایتی حلقے کی دسترس سے باہر تھی، اسی لیے حکیم سید ایوب علی نے یہ ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں محفوظ خطی نسخہ کی مدد سے کیا تھا، انہوں نے یہ کام اس زمانہ میں شروع کیا تھا جب وہ جامعہ طبیہ دارالعلوم میں استاذ تھے، مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی وہ میڈیکل آفیسر کی ملازمت کے سلسلہ میں سہارنپور کے قصبہ کیلاش پور آگئے اور یہیں دس رمضان المبارک ۱۳۸۸ ہجری مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو تقریباً دو برس کی مدت میں اس ترجمہ کو مکمل کیا۔ پھر شعبۂ علم الادویہ سے وابستگی کے بعد علی گڑھ میں مولانا محمد شفیع حجۃ اللہ فرنگی محلی کے تعاون سے مسودہ پر نظر ثانی کی، بعد ازاں مزید تصحیح کی

غرض سے اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود قلمی نسخہ سے موازنہ کیا، پھر قاہرہ سے مطبوعہ متن کی دستیابی کے بعد اس سے بھی ترجمہ کا تقابل کیا۔ انہوں نے یہ کام ۳۰ / اپریل ۱۹۷۶ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۹۶ ہجری میں مکمل کرلیا تھا مگر اس کی اشاعت ۱۹۸۷ء میں ہوئی، اسے انہوں نے اپنے استاذ شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی کے ایما اور تحریک پر کیا تھا، اس لیے انہیں کے نام سے اس کو معنون کیا ہے۔

'ذخیرہ ثابت بن قرہ' کا شمار دورِ اول کی طبع زاد تالیفات میں ہے، یہ معالجات کے موضوع پر ہے اور اکتیس مقالات پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے مقالہ میں حفظانِ صحت سے متعلق اصول وقوانین کا تذکرہ ہے، باقی تیس مقالوں میں امراض کے اسباب وعلامات کے مختصر بیان کے ساتھ ان کے علاج کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس ترجمہ کی اشاعت کو ایک طویل عرصہ ہو چکا ہے، اب یہ عام دسترس سے دور ہے، لہٰذا اس کی باز اشاعت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

حکیم سید ایوب علی نے طبّی تعلیم سے فراغت کے بعد گنج ڈنڈوارہ ضلع ایٹہ میں مطب ومعالجہ سے اپنے کیریر کا آغاز کیا تھا، اس شہر سے ان کا پیشہ ورانہ رشتہ تو صرف دو برس ہی رہا مگر دل کا رشتہ ہمیشہ قائم رہا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ یہیں ۱۹۶۲ء میں سید احمد حسن کی صاحبزادی صابرہ خاتون سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ سید احمد حسن اپنے علاقہ کے زمیندار تھے، ان کا سلسلۂ نسب میر عزیز اللہ مکّی سے ملتا ہے۔

حکیم سید ایوب علی نے ۷۷/ برس کی عمر میں گردہ کی طویل علالت کے بعد ۷/ دسمبر ۲۰۱۱ء کو وفات پائی، ان کے پسماندگان میں دو بیٹے سید شارق نوید اور سید طارق نوید اور ایک بیٹی شہلا نسرین ہیں۔ سید شارق نوید علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے ریلوے میں انجینئر ہیں اور سید طارق نوید اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کر کے یہیں شعبۂ صیدلہ میں ایس ٹی اے ہیں۔

حکیم سید ایوب علی کی پرداخت دینی ماحول میں ہوئی تھی، اس کے اثرات ان کی زندگی پر ہمیشہ نمایاں رہے، مگر ملازمتی زندگی کے بعد ان کی شخصیت میں یہ رنگ مزید نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد وہ تقریباً چار برس جامعہ طبیہ، دیوبند میں وزیٹنگ پروفیسر رہے۔ پھر یکسو ہو کر ملی سماجی اور مذہبی امور کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ جمعیت العلماء سے ان کے بزرگوں کا خاص تعلق رہا ہے، اسے حکیم صاحب نے بھی قائم رکھا، وہ علی گڑھ میں جمعیت کے اہم ذمہ داروں میں تھے اور تقریباً دس برس اس کے ضلعی صدر بھی رہے۔ مذہبی اور دینی تعلیم کی کئی تنظیموں سے بھی ان کا تعلق رہا ہے،

دینی تعلیمی کونسل، انجمن تعلیمات دین اور نور العلوم ایجوکیشن سوسائٹی کے وہ سرگرم رکن رہے ہیں۔

راقم سطور کو حکیم سید ایوب علی صاحب سے تلمذ کی سعادت حاصل ہے، ہمارے بیچ کو پڑھانے کے بعد وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔ ایک اچھے استاذ اور شریف الطبع انسان کی حیثیت سے ان کی یادوں کے نقوش آج بھی ذہن میں تازہ محسوس ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین!

•••

حکیم سید محمد باقر سونی پتی

حکیم سید محمد باقر بن سید محمد کاظم افطسی سونی پت کے رہنے والے تھے۔انہوں نے طب کی تعلیم اپنے ہم وطن حکیم خواجہ سلامت اللہ سونی پتی (مترجم تکشیف الحکمت) سے حاصل کی تھی۔ مزید براں حکیم سید محمد ہادی (مصنف اسرار حیات) سے بھی کسبِ فیض کیا تھا۔

اکسیر القلوب (ترجمہ اردو مفرح القلوب):

'مفرح القلوب' حکیم محمد اکبر ارزانی کی اہم تالیفات میں سے ہے۔ یہ قانونچہ کی شرح ہے، طبی حلقہ میں بے حد مقبول رہی ہے۔اردو زبان کے چلن کے بعد منشی نول کشور نے حکیم نور کریم دریابادی سے اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کروا کے اپنے مطبع سے ۱۸۷۰ء میں شائع کیا تھا۔اردو زبان کے اسلوب میں بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں آئی ہیں، اب یہ طرز ادا اور لسانی اسلوب کے اعتبار سے اتنی بدل چکی ہے کہ اس کا پرانا انداز غیر مانوس سا لگنے لگا ہے۔ یہ مسئلہ مفرح القلوب کے اردو ترجمہ 'اکسیر القلوب' کے ساتھ بھی تھا۔اس کے تدارک کے لیے حکیم سید محمد باقر نے سلیس اور با محاورہ زبان میں اس کا دوبارہ ترجمہ کیا، مزید براں وضاحت طلب امور کی توضیح و تشریح کی اور ترجمہ کے وقت محض مطبوعہ نسخہ پر انحصار کے بجائے اپنے پاس محفوظ اس کے قلمی نسخہ سے بھی استفادہ کیا اور حلِ مطالب کے لیے سدیدی، نفیسی اور بحر الجواہر جیسی معاون کتابوں سے مدد لی۔ قاری بآسانی اعضاء کی تشریح کو سمجھ سکے اس مقصد کے لیے ضروری خاکوں کو شاملِ کتاب کیا اور فہرستِ مضامین مرتب کی تاکہ کسی عنوان کی تلاش میں دقت نہ ہو۔ مفرح القلوب کا ان کا ترجمہ بھی 'اکسیر القلوب' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مطبع

منشی نول کشور سے جولائی ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ اکسیر القلوب (ترجمہ اردو مفرح القلوب)، مترجمہ حکیم سید محمد باقر سونی پتی، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۹۳۹ء، ص ۷-۲،۲ ۵۲،۷

•••

حکیم محمد بدرالدین خاں دہلوی

حکیم محمد بدرالدین خاں یکم شعبان ۱۲۵۶ ہجری مطابق ۲۸ ستمبر ۱۸۴۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ محض تین برس کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے والد حکیم محمد قطب الدین خاں، جد امجد حکیم محمد حامد خاں، جد اعلیٰ حکیم محمد احمد خاں اور حکیم محمد احسن خاں اپنے عہد کے حاذق طبیبوں میں تھے۔ طبابت اور حذاقت کی طرح ان کے خاندان میں روحانی سلسلہ بھی رہا ہے۔ خواجہ محمد قاسم، جو قاسم بڑے کے نام سے مشہور ہیں، دولت آباد (حیدر آباد، دکن) میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ وہ صاحبِ کشف بزرگ تھے۔ حکیم محمد بدرالدین خاں کا سلسلۂ نسب خواجہ عبیداللہ احرار کے توسط سے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

حکیم محمد بدرالدین خاں کے اجداد سلاطینِ مغلیہ کے ہمراہ نواح بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ اس لیے مغل دربار سے ہمیشہ ان کے بزرگوں کا تعلق رہا ہے۔

حکیم محمد بدرالدین خاں نے ابتدائی تعلیم مولانا سید حیدر علی پنڈوی سے حاصل کی، پھر معقولات اور کسی قدر طب کی کتابیں حکیم مرزا اسد بیگ سے پڑھیں۔ بعد ازاں اپنے چچا حکیم غلام نقشبندی، حکیم یوسف حسین خاں نبیرۂ حکیم ذکاء اللہ خاں، حکیم احسن اللہ خاں، حکیم اسد علی خاں خلف حکیم ذکاء اللہ خاں سے طبی کتب پڑھنے کے ساتھ مطب و معالجہ کے رموز بھی سیکھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حکیم احسن اللہ خاں نے انہیں باقاعدہ سند مرحمت فرمائی تھی۔ وہ حکیم محمد بدرالدین خاں پر بے حد اعتماد کرتے تھے، جب کبھی وہ کسی ریاست کی دعوت پر دہلی سے باہر جاتے تو اپنا مطب انہیں کے سپرد کر کے جاتے۔

بدر الدجیٰ (اردو ترجمہ امتحان الالباء لکافۃ الاطباء): اس ترجمہ کے بارے میں حکیم محمد بدرالدین خاں

لکھتے ہیں کہ انہیں حکیم احسن اللہ خاں کے ذخیرہ سے 'امتحان الالباء لکافۃ الاطباء' کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا تھا، جو ۶۸۸ ہجری سے پہلے کا تالیف کردہ تھا۔ یہ سوال وجواب کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ یہ بیس ابواب پر مشتمل ہے، ہر باب میں بیس سوالات اور ان کے جوابات ہیں۔ حکیم محمد بدرالدین خاں کا خیال ہے کہ غالباً یہ سلاطینِ اسلام کی طرف سے شاہانِ مغلیہ کو بطور تحفہ پیش کیا گیا تھا۔ اس پر جلال الدین اکبر اور شاہ جہاں وغیرہ کی مہریں ثبت ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی زد اس پر بھی پڑی تھی اور شاہی کتب خانہ کی تباہی کے بعد یہ بیش قدر نسخہ ان تک پہنچا۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی خواہش ہوئی کہ اسے عربی سے اردو میں ترجمہ کرکے اس کے دائرۂ استفادہ کو عام بنادیں، مگر اس کے کچھ اوراق ضائع ہو گئے تھے، مزید براں یہ بے حد بوسیدہ اور کرم خوردہ تھا۔ اس طرح اس کے ترجمہ میں کئی دشواریاں حائل تھیں، لہٰذا وہ علامہ شبلی نعمانی سے تعاون کے خواستگار ہوئے۔ ان کی درخواست پر شبلی نے اسے جرجی زیدان کے توسط سے خدیو کتب خانہ بھیج کر وہاں محفوظ نسخہ سے موازنہ کروایا اور گم شدہ اوراق کو نقل کروایا۔ 'امتحان الالباء لکافۃ الاطباء' کا اردو ترجمہ 'بدر الدجیٰ' کے نام سے محرم ۱۳۱۸ ہجری مطابق ۱۹۰۰ء میں مطبع مصلح المطابع، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ حکیم محمد بدرالدین خاں دہلوی نے ۱۳۳۱ ہجری مطابق ۱۹۱۳ء میں ۷۳ برس کی عمر میں دہلی میں وفات پائی۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ امتحان الالباء لکافۃ الاطباء ترجمہ اردو مسمیٰ بدر الدجیٰ از حکیم محمد بدرالدین خاں دہلوی، مطبع مصلح المطابع دہلی، ۱۹۰۰ء، ص ۸۔۱، ۲۱۹۔۲۱۸

۲۔ نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، جلد ۸، عبدالحی حسنی، دار ابن حزم بیروت، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۰۲

●●●

حکیم محمد بدرالدین کشمیری

حکیم محمد بدرالدین بن خواجہ جمال الدین طوسی کشمیری کے نام سے درج ذیل تراجم ملتے ہیں:

۱۔ ترجمہ میزان الطب

۲۔ ترجمہ رسالۂ نبض

۳۔ رسالۂ بحران یہ حکیم محمد بدرالدین کی تالیف ہے۔ میزان الطب کے ترجمہ کے ساتھ یہ رسالہ بھی منسلک ہے۔

۴۔ ترجمہ رسالہ قارورہ

مطالعاتی ماخذ

۱۔ اردو زبان کی ترویج واشاعت میں اردو طبّی کتابوں کا حصہ از حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی، جہانِ طب، جلد۵، شمارہ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۱۵

•••

خواجہ بدرالسلام فروغی

خواجہ بدرالسلام فروغی، خواجہ علاء الدین احمد خاوری (سابق استاذ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور بانی دارالبلاغ، لاہور) کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ترجمہ نگاری سے متعلق ان کے درج ذیل آثار کا پتہ چلتا ہے۔

۱- افزائش باہ: یہ خلفاء عباسیہ کے ایک ماہر فن شاہی طبیب کی بیاض کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں امراض باہیہ وجنسیہ کا تذکرہ ہے اور ان کے علاج کے سلسلے میں اطباء قدیم کے مجربات درج ہیں۔ حکیم نیّر واسطی اور حکیم سید نوازش علی نے اس کے بارے میں تحسین کے کلمات لکھے ہیں۔

۲- خیر التجارب: یہ مغلیہ عہد کے طبیب حکیم خیر اندیش خاں کے مجربات اور معمولاتِ مطب کا مجموعہ ہے۔ اسے انہوں نے ۱۲۲۹ ہجری میں اپنے برادر خرد حکیم نور محمد کے لیے تالیف کیا تھا۔ خواجہ بدرالسلام فروغی نے اسے فارسی سے اردو میں منتقل کرنے کے ساتھ ضروری امور کی تشریح بھی کی ہے اور کتاب کے آخر میں ایک طبی لغاتچہ بطور ضمیمہ شامل کیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۳۵ء میں دارالبلاغ، لاہور سے شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ خیر التجارب، مترجمہ خواجہ بدرالسلام فروغی، دارالبلاغ، لاہور، ۱۹۳۵ء، ص ۱۲-۲، ۲۶۳-۲۶۲

۲۔ تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیّر واسطی، موسسہ مطالعات پزشکی طب اسلامی و مکمل ایران، بہمن ماہ ۱۳۸۲، ص ۱۳۰

●●●

حکیم بلال احمد

حکیم بلال احمد (پیدائش ۱۴رفروری ۱۹۷۳ء) کا آبائی رشتہ اعظم گڑھ کے ایک قریہ موضع منڈور سے ہے، جو قصبہ پھول پور سے متصل ہے، انہوں نے اسلامی درسیات اور عربی زبان وادب کی تحصیل معروف اسلامی درس گاہ مدرسۃ الاصلاح سے کی۔ ۱۹۸۹ء میں یہاں سے فراغت کے بعد اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یوایم ایس (۱۹۹۸ء) اور ایم ڈی (۲۰۰۳ء) کی۔ طالب علمی کے ہر دور میں ان کا شمار ذہین اور سنجیدہ طلبہ میں رہا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ممبئی طبیہ کالج سے ان کی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز ہوا۔ ۲۰۰۶ء سے وہ بحیثیت ریسرچ آفیسر سی آر یوایم، نئی دہلی سے وابستہ ہیں، اس سے پہلے وہ عارضی طور پر میڈیکل آفیسر اور یونانی اکسپرٹ کے طور پر کام کر چکے ہیں۔

حکیم بلال احمد نئی نسل کے ایسے طبیبوں میں ہیں جو زبان و بیان کے شعور کے ساتھ فن کی آگہی رکھتے ہیں، اس وصف کی وجہ سے ان کے اندر بہت کچھ کرنے کی اہلیت ہے۔ کئی موقعوں پر انہوں نے اس کا مظاہرہ کیا ہے۔ سی سی آر یوایم اور ادارۂ عالمی صحت کے اشتراک سے اسٹینڈرڈ یونانی میڈیکل ٹرمنالوجی کی تیاری (۲۰۱۲ء) اور شعبۂ آیوش کی طرف سے ڈوزیر (۲۰۱۳ء) کی ترتیب میں وہ پیش پیش رہے ہیں۔

ایک عرصہ سے یونانی کونسل کے سامنے یہ منصوبہ زیر غور تھا کہ یونانی علاج ومعالجہ کے فروغ کے لیے ایسی دستی کتاب مرتب کی جائے جو مختصر ہونے کے ساتھ جامع بھی ہو، جس سے معالجین بوقت ضرورت استفادہ کر سکیں، ایک مرتبہ اس سلسلہ میں کوشش بھی کی گئی مگر بے سود رہی۔ جون ۲۰۱۳ء میں راقم کا لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی میں علی گڑھ سے ٹرانسفر ہوا تو معرضِ التواء میں پڑی Standard Unani Treatment Guideline کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری مجھے اور حکیم بلال کو تفویض ہوئی۔ بحمد اللہ

اس پروجیکٹ کا ایک حصہ ۲۰۱۴ء میں سی سی آر یو ایم سے شائع ہو چکا ہے۔ ہماری یہ کوشش طبی دنیا میں بنظر استحسان دیکھی گئی ہے۔ اس کا دوسرا حصہ اشاعت کے مرحلہ میں ہے۔

حکیم بلال احمد کے اندر تالیف و ترتیب کی اچھی صلاحیت ہے ''تفہیم المرکبات'' اس کی ایک عمدہ مثال ہے، اسے انہوں نے حکیم طارق احسن کے اشتراک سے انجام دیا ہے۔ یہ کتاب درسی و نصابی مقصد سے لکھی گئی ہے۔ عام روایتی اسلوب سے ہٹ کر اس کتاب میں مرکب میں شامل مفرد دواؤں کے مقصد شمولیت کی توضیح و تفہیم کے لیے متعلقہ افعال تحریر کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ یہ انداز بیان اس کتاب کا ایک ممتاز تالیفی پہلو ہے۔

ابونصر عطار اسرائیلی کی تالیف 'منہاج الدکان والدستور الاعیان فی ترکیب الادویہ النافعۃ للابدان' کا اردو ترجمہ حکیم بلال کے قابلِ ذکر کاموں میں ہے، اسے انہوں نے کونسل کے مفوضہ منصوبہ کے تحت اردو جامہ پہنایا۔ انہوں نے یہ ترجمہ مطبع میمونیہ مصر کے مطبوعہ نسخہ سے کیا ہے، جو ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا ہے۔ ابھی یہ ترجمہ اشاعت کے مرحلہ میں ہے، اس کے منظر عام پر آنے کے بعد بطور مترجم ان کی شخصیت کا ایک نیا پہلو سامنے آئے گا اور اردو داں طبی حلقے کو عربی عہد کی اس اہم تالیف سے استفادے کا موقع فراہم ہوگا۔

•••

پنڈت پیارے لال کشمیری

پنڈت پیارے لال کشمیری عرف رُگو مطبع منشی نول کشور کے دار الترجمہ کے اراکین میں تھے۔ وہ بھاکھا، سنسکرت،، فارسی اور اردو زبانوں کے ماہر تھے۔

امرت ساگر اردو:

یونانی طب میں ویدک سے استفاد کا چلن اموی اور عباسی عہد سے ملتا ہے۔ ہندی عہد میں بھی یہ رواج خوب رہا ہے۔ ''امرت ساگر اردو'' اسی روایت کا حصہ ہے۔ امرت ساگر کی تالیف مہاراجہ سوائی پرتاپ سنگھ کی ہدایت پر بھاکھا زبان میں ہوئی تھی، جو ایک مخصوص علاقہ کی زبان تھی، اس لیے یہ عام طبی حلقہ کے لیے ناقابل فہم تھی۔ مطبع منشی نول کشور کے ذمہ داروں نے اپنے ایک رکن پنڈت پیارے لال کشمیری سے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کروایا، جو طبّی حلقے میں بیحد مقبول ہوا۔ نومبر ۱۹۳۹ء میں یہ چودھویں بار شائع ہوا ہے۔ اس میں قاری کی سہولت کے لیے ایک فرہنگ بھی شامل ہے۔ مترجم موصوف نے اسے ماہر ویدوں کی مدد سے ترتیب دیا ہے۔ یہ ترجمہ ۵۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱- امرت ساگر اردو، مترجمہ پنڈت پیارے لال کشمیری، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۳۹ء، ص ۵۴۸-۵۴۶

•••

حکیم محمد تاج الدین

علمی کاموں کے لیے ذہنی یکسوئی اور دماغی ارتکاز بے حد ضروری ہے اور ان کے مطلوب عوامل میں معاشی اسباب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ورنہ اچھی بھلی صلاحتیں مسائلِ روزگار میں الجھ کر رہ جاتی ہیں، اس لیے قابلِ ستائش ہیں وہ لوگ جو ایسے نامساعد حالات میں بھی علمی ذوق کی تسکین کے مواقع ڈھونڈ لیتے ہیں، ایسا ہی ایک نام حکیم محمد تاج الدین (پیدائش ۱۱/اپریل ۱۹۶۴ء) کا ہے۔ مسائل سے نبرد آزمائی و پنجہ آزمائی کے باوجود انہوں نے قلم وقرطاس سے رشتہ جوڑے رکھا۔ یہ ان کی بڑی خوبی ہے، ورنہ پرائیویٹ طبی درسگاہوں کے نہ تو ایسے حالات ہوتے ہیں کہ وہاں کوئی معقول علمی کام ہو سکے اور نہ ہی ان اداروں میں اس قسم کے کاموں کی قدر افزائی ہوتی ہے اور صلے کی تمنا تو رکھنا ہی فضول ہے۔

حکیم محمد تاج الدین ۱۹۹۸ء میں شعبۂ علم الادویہ سے ایم ڈی کر کے درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۹۹ء سے تا حال قائم ہے۔ درمیانی عرصہ میں تقریباً ڈیڑھ برس وہ سیفیہ حمیدیہ یونانی طبیہ کالج برہان پور میں رہے، باقی مدت کلکتہ یونانی میڈیکل کالج سے متعلق رہے۔ اس وقت اسی کالج میں پروفیسر ہیں۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ضلع بوکارو (جھارکھنڈ) میں مدرسہ قاسم العلوم سے حاصل کی، ابتدائی تعلیم کا کچھ مرحلہ مدرسہ ارشد العلوم (ہزاری باغ) اور مدرسہ اسلامیہ (سہارنپور) سے طے کیا، بعد ازاں دار العلوم دیوبند سے فضیلت اور ادب عربی میں تخصص کی اسناد حاصل کیں، اس تعلیمی پس منظر کی وجہ سے وہ عربی اور فارسی زبان و ادب کی اچھی واقفیت رکھتے ہیں اور طب کی اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے اس مضمون کی ان میں اچھی بصیرت ہے، ان صلاحیتوں کا اظہار ان کے علمی کاموں سے بخوبی ہوتا ہے۔

حکیم محمد تاج الدین کے اندر تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق ہے، مگر انہوں نے بالخصوص ترجمہ نگاری کو

اس لیے میدان عمل بنایا کہ اس کے لیے زیادہ لوازموں کی ضرورت نہیں ہوتی اور محدود وسائل سے بھی اس کام کو انجام دیا جاسکتا ہے، جب کہ تصنیفی و تالیفی کاموں کے لیے نسبتاً زیادہ لوازمے درکار ہوتے ہیں، پرائیویٹ کالجوں میں ان کی دستیابی بہرحال مشکل ہے۔ اب تک وہ درج ذیل کتابوں کے ترجمے کا کام انجام دے چکے ہیں۔

۱-مردانہ بیماریاں اوران کا مجرب علاج:

یہ دراصل ایک فارسی مخطوطہ 'نسخۂ طب یونانی' کا اردو ترجمہ ہے، جو۲۰۰۴ء میں ادارہ کتاب الشفاء، دہلی سے شائع ہوا ہے 'نسخۂ طبِ یونانی' کے مؤلف حکیم محمد وجیہ رضوی (۱۸۷۸ء-۱۷۹۸ء) ہیں، ان کا تعلق پھلواری (پٹنہ) کے ایک علمی خانوادہ سے تھا، ان کے والد حکیم احمد اشرف رضوی ایک صوفی صفت عالم اور طبیب تھے، ان کے پاس مطبوعات اور قلمی نوادارت کا ایک عمدہ ذخیرہ تھا۔ حکیم محمد وجیہ رضوی نے علمی ماحول میں پرورش پائی تھی، اس کے باوصف انہیں خود بھی تصنیف وتالیف کا ذوق تھا 'نسخۂ طب یونانی' اس کا اظہار ہے۔ ان کی یہ تالیف امراضِ باہیہ سے متعلق ہے، جو تین ابواب اور سات فصلوں پر مشتمل ہے۔ حکیم محمد تاج الدین نے اسے 'مردانہ بیماریاں اوران کا مجرب علاج' کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ کے ساتھ ایک مبسوط تعارف بھی لکھا ہے، جس میں کتاب اور صاحبِ کتاب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس ترجمہ کی ترتیب وپیشکش میں مترجم کو حکیم محمد ایوب اور ڈاکٹر محمد افضل کا تعاون حاصل رہا ہے، یہ دونوں ان کے کالج کے رفیق تھے۔ اگر وہ ان اصحاب کا تذکرہ فہرستِ مترجمین کے بجائے اظہارِ تشکر کے ذیل میں کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا، اس لیے کہ یہی علمی دستور ہے۔

مترجم کی طرف سے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل ہے، اس میں انہوں نے کتاب میں مذکور ادویہ کی فہرست ان کے مترادف اسماء کے ساتھ دی ہے۔ اس سے ترجمہ کے افادی پہلو میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ترجمہ کی زبان سلیس اور عام فہم ہے۔

۲-خلاصۂ طب:

ترجمہ نگاری کے حوالہ سے یہ حکیم محمد تاج الدین کی دوسری کوشش ہے، جسے ۲۰۱۲ء میں ادارہ کتاب الشفاء، دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ دراصل سید اسماعیل جرجانی کی تالیف 'خفِ علائی' کا اردو ترجمہ ہے۔ جرجانی کا شمار یونانی طب کے نامور مصنفین میں ہے۔ ذخیرۂ خوارزم شاہی اس کی مشہور تالیف ہے، یہ فارسی زبان میں ہے، اسے اس نے قزلان ارسلان ابوالمظفر تبریزین خوارزم شاہ کی فرمائش پر

تالیف کیا تھا۔ چونکہ 'ذخیرہ' بہت ضخیم تھی اس لیے خوارزم شاہ نے ایک ایسی کتاب مرتب کرنے کی خواہش ظاہر کی جسے سفر و حضر میں ساتھ رکھا جا سکے، جرجانی نے اس کی خواہش کی تعمیل ''خفِ علائی'' لکھ کر کی۔ اس میں اس نے اختصار کے باوجود طب کے ضروری علمی و عملی مسائل کے احاطہ کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۱ء میں مطبع منشی نول کشور، کانپور سے شائع ہوئی تھی، ترجمہ کے وقت یہی اشاعت حکیم محمد تاج الدین کے پیش نظر رہی ہے۔ یہ ان کی ایک قابلِ قدر کوشش ہے، اس ترجمہ کی وجہ سے ایک اہم تالیف قابلِ استفادہ صورت میں طبی دنیا کے سامنے آسکی۔ جرجانی کی اول الذکر تالیف 'ذخیرۂ خوارزم شاہی' کا اردو ترجمہ حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی نے کیا ہے، جو مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوا ہے۔

۳۔ تدارک الخطا:

یہ ابن سینا کی تالیف ہے، شیخ حسین جابر الخاطب حاذق خاں نے اسے فارسی میں منتقل کیا ہے، ان کا یہ فارسی ترجمہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۰ ہجری میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ 'تدارک الخطا' میں ابن سینا نے تحفظی تدابیر میں ہونے والی غلطیوں سے پیدا ہونے والے عوارض کے ازالہ اور تدارک کی تدابیر بیان کی ہیں۔ حکیم محمد تاج الدین نے 'تدارک الخطا' کے فارسی ترجمہ کو اردو قالب دے کر موجودہ دنیا کے لیے لائق استفادہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی یہ کاوش ابھی اشاعت کے مرحلہ میں ہے، امید ہے کہ جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آجائے گی۔ ترجمہ نگاری کے علاوہ تالیف کے میدان میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ 'تاریخ الاطباء' اس کا ایک اہم اظہار ہے، اسے انھوں نے انڈر گریجویٹ یونانی طلبہ کے لیے نصابی ضرورت کے تحت تالیف کیا ہے، ہنوز یہ ترتیب کے مرحلہ میں ہے۔

حکیم محمد تاج الدین ترجمہ و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، اگر انہیں سازگار ماحول ملے تو اس سے بہتر صورت میں ان کی ان صلاحیتوں کے مظاہر سامنے آئیں اور طبی دنیا کو ان سے مزید مستفید ہونے کا موقع فراہم ہو۔

•••

حکیم تاج محمد خاں افغان

حکیم تاج محمد خاں افغان بن حاجی محمد قائم معروف بہ محمد حاجی خمیسہ خاں ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہ شہر بدیں ضلع حیدر آباد، سندھ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے محض اٹھارہ برس کی عمر میں طب کی درسی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ بعد ازاں حکیم مولوی محمد عمر، حکیم مخدوم احمد اور دوسرے مشاہیر کی خدمت میں رہ کر علاج و معالجہ کے رموز سیکھے۔ 'مخزنِ فیض' کے نام سے ان کا دواخانہ تھا۔ وہ غریب مریضوں پر خاص توجہ دیتے تھے۔ ایک کامیاب معالج ہونے کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے درج ذیل قلمی آثار کا تذکرہ ملتا ہے، جو سندھی اور اردو میں ہیں:

۱۔ ترجمہ و شرح قانونچہ (اردو)

۲۔ رسالہ امراضِ مخصوصہ مرداں (سندھی)

۳۔ رسالہ امراضِ مخصوصہ زناں (سندھی)

۴۔ علاج طاعون

۵۔ قمر اللغات

۶۔ مخزن الادویہ

طب کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی انہوں نے لکھا ہے، اس قسم کی ایک تالیف حضرت ابوبکرؓ کی سوانح عمری ہے، یہ سندھی زبان میں ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ رموز حکمت از حکیم محمد عبدالرحیم جمیلؔ، اقبال اسٹیم پریس، گجرات، غیر مورخ، ص ۳۶۰

۲۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعتِ دوم ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۳

•••

حکیم تبارک کریم تکمیلی

حکیم تبارک کریم تکمیلی کو پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی علمی شخصیت بڑی متنوع اور کثیر الجہت تھی، مگر طبی صحافت اور ترجمہ نگاری سے ان کا ذوق زیادہ مانوس تھا، لیکن تصنیفی اور تالیفی صلاحیتیں بھی ان میں کم نہیں تھیں۔ تنوع اور ہمہ جہتی کا وصف بہت عام نہیں ہے، یہ کچھ خاص لوگوں ہی میں ہوتا ہے، حکیم تبارک کریم تکمیلی کا تعلق اسی زمرۂ خواص سے تھا۔ صلاحیتوں کا بہت زیادہ ہونا خوبی کی بات ہے، لیکن اس سے بڑی بات اسے برتنے اور بروئے کار لانے کا فن ہے، ورنہ ان کے بکھر جانے کا ڈر ہوتا ہے اور یہی اکثر ہوتا ہے، کچھ اسی قسم کا معاملہ تکمیلی صاحب کے ساتھ بھی نظر آتا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں تکمیل الطب سے فراغت کے بعد انہوں نے بہار شریف میں مطب شروع کیا، مگر یہاں ان کا قیام عارضی رہا، پھر کلکتہ چلے گئے اور کسبِ معاش کے لیے علاج و معالجہ کو ذریعہ بنایا اور علمی ذوق کی تسکین کے لیے ماہنامہ 'حسن وصحت' سے وابستگی اختیار کی۔ وہ اس کے ادارتی امور سے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۰ء تک نہایت سرگرمی سے جڑے رہے۔ اس مدت میں ترجمہ نگاری کے میدان میں ان کا اشہبِ قلم نہایت تیز گام رہا، اس کی سرعتِ رفتار کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں انہوں نے تقریباً ۳۶ر طبی کتابوں کے جزوی ترجمے کیے، ان میں سے بیشتر بصورت مضمون 'رسالہ 'حسن وصحت' کی وساطت سے منظرِ عام پر آئے۔

ترجمہ نگاری سے ذہنی مناسبت کے علاوہ اس سے ان کی وابستگی کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ مطب و معالجہ کے ساتھ 'حسن وصحت' کے ادارتی فرائض انجام دیتے تھے، جو خود ایک مستقل کام تھا، لہٰذا ان مصروفیات سے تصنیفی و تالیفی کاموں کے لیے وقت نکال پانا مشکل تھا، اس لیے وہ اطباء قدیم کی کتابوں

سے دلچسپی کے موضوعات تلاش کران کا ترجمہ کر دیا کرتے اور مضمون کے طور پر رسالہ 'حسن وصحت' میں شائع کر دیتے۔ غالباً یہی وجہ رہی کہ وہ ارتکاز اور یکسوئی کے ساتھ منصوبہ بند صورت میں ترجمہ نگاری کو مرکزِ توجہ نہیں بنا سکے تاہم اس ضمن میں بعض مختصر رسالوں کے مکمل ترجمے بھی آ گئے مثلاً:

۱- الدرر المنتخبہ فی الادویۃ المجربہ: اس کے مؤلف حکیم شہاب الدین ہیں، اس رسالہ کا ترجمہ ماہنامہ 'حسن وصحت' میں جنوری ۱۹۶۷ء سे دسمبر ۱۹۶۸ء کے شماروں میں چوبیس قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

۲- رسالہ حفظِ صحت: اس کا ترجمہ 'حسن وصحت' میں جنوری، فروری ۱۹۷۳ء میں طبع ہوا ہے

۳- رسالہ قارورہ: یہ جالینوس کا مختصر رسالہ ہے، حکیم تبارک کریم تکمیلی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

۴- رسالہ سکنجبین: اس رسالہ کا ترجمہ مع متن کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

۵- رسالہ نبضیہ: یہ نبض پر ایک مختصر فارسی رسالہ ہے، متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ ۱۹۷۱ء میں طبع ہوا ہے۔

۶- امتیاز الامراض: یہ اسحاق بن حنین کی تالیف 'فروق الامراض' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے اصل مترجم حکیم محمد ساجد بستوی ہیں، انہوں نے اسے تبارک کریم تکمیلی کی نگرانی انجام دیا ہے۔ تکمیلی صاحب نے اس پر نظر ثانی کر کے لسانی تہذیب اور اصلاح کی ہے۔ نیز مقالہ اول کا ترجمہ بھی انہیں کا ہے۔

ان تراجم کے علاوہ 'آسان نسخے' کے نام سے ان کی ایک تالیف بھی ملتی ہے، یہ ۱۹۷۰ء میں طبع ہوئی ہے، اس میں سر سے پاؤں تک کی بیماریوں کے ایک ہزار نسخے درج ہیں۔ اس کتاب پر حکومت اتر پردیش نے حکیم تبارک کریم تکمیلی کو انعام سے نوازا تھا۔

حکیم تبارک کریم تکمیلی کے علمی وفنی کاموں کا وہ زمانہ بالخصوص قابلِ ذکر ہے جو لٹریری ریسرچ یونٹ، لکھنؤ سے وابستگی کا ہے، یہ فروری ۱۹۷۱ء سے شروع ہوتا ہے، یہاں تقرری کے وقت ان کی عمر ۵۴ ربرس تھی حالانکہ ضابطہ کے مطابق اس وقت ریسرچ آفیسر کی پوسٹ کے لیے عمر کی حد ۳۵ ربرس تھی، لیکن ان کی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے ایک استثنائی صورت کے طور پر انہیں خصوصی رعایت دی گئی۔ مزید براں جب ۱۹۷۵ء میں وہ ۵۸ ربرس کی عمر کو پہنچ کر سبکدوش ہونے والے تھے تو ان کی ملازمت میں دو برس کی توسیع کر دی گئی، اس طرح وہ ۱۹۷۷ء میں ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔ اس لحاظ سے ان کا سنہ ولادت ۱۹۱۷ء ہونا چاہیے لیکن حکیم وسیم احمد اعظمی نے ۱۹۱۲ء لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے فارغین کی ڈائری سے بھی میرے اس قول کی توثیق ہوتی ہے۔

لٹریری ریسرچ یونٹ لکھنؤ سے تبارک کریم تمکیلی کی وابستگی گرچہ چھ سات برس ہی رہی، مگر اس عرصہ میں انہوں نے علمی تحقیق کے جو کام کیے وہ نہایت اہم ہیں۔ کتاب الکلیات ابن رشد کو خط نستعلیق میں نقل کر کے اسے اردو زبان میں منتقل کرنا ان کا ایک یادگار کارنامہ ہے۔ اس کی وجہ سے ابن رشد کی علمی منزلت سے معاصر دنیائے طب واقف ہو سکی۔ عیسیٰ بن احمد بن محمد قادر قرطبی کے نقل کردہ خطی نسخہ کی فیکزی مل ۱۹۳۹ء میں اسپین سے شائع ہو چکی تھی، مگر یہ قدیم رسم الخط میں ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جا سکتی تھی، اسے تبارک کریم نے خطِ نستعلیق میں پیش کر کے پڑھنے اور سمجھنے کے لائق بنایا۔ کتاب الکلیات کا عربی متن ۱۹۸۴ء/۱۴۰۴ھ میں یونانی کونسل کے زیر اہتمام مطبع ندوۃ العلماء لکھنؤ سے اور اس کا اردو ترجمہ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۷ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ حکیم صیانت اللہ صدیقی نے 'کتاب الکلیات' کے اردو ترجمہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس میں راہ پا جانے والی بعض لغزشوں اور فروگزاشتوں کی نشاندہی کی ہے تاکہ اگلی اشاعتوں میں ان کا ازالہ کر لیا جائے۔

لٹریری ریسرچ یونٹ لکھنؤ سے وابستگی کے زمانہ میں تمکیلی صاحب کے دوسرے کاموں کے بارے میں حکیم سید غلام مہدی راز لکھتے ہیں:

> ''یونٹ میں رہتے ہوئے تمکیلی صاحب کے ذریعہ اور ان کے زیر نگرانی جو دوسرے کام انجام پائے ان میں کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ جلد اول و دوم کے ترجے، کتاب العمدہ فی الجراحت کا ترجمہ، کتاب الابدال از زکریا رازی کا ترجمہ وغیرہ شامل ہیں''۔

جامع المفردات جلد اول کا پیش لفظ حکیم عبدالرزاق نے اور اس کی جلد دوم کا طبیبہ اُم الفضل نے لکھا ہے، ان کے مطابق یہ تراجم حکیم محمد یوسف اور سید حسان نگرامی نے کیے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تصحیح و تہذیب اور ان پر نظر ثانی کا کام تمکیلی صاحب کے ذریعہ انجام پایا ہے۔ 'کتاب العمدۃ فی الجراحۃ' کی جلد اول کا ترجمہ حکیم تبارک کریم تمکیلی نے کیا ہے، ان کے ساتھ حکیم سید غلام مہدی اور حکیم خالد جاوید شمسی بھی شامل رہے ہیں۔ اس کی لسانی تہذیب کا کام حکیم وسیم احمد اعظمی نے اپنی ملازمت کے دوران کیا تھا، اس کی دوسری جلد کا ترجمہ حکیم ظفر اللہ نے کیا ہے، حکیم سید غلام مہدی اور حکیم خالد جاوید شمسی نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔

ترجمہ و تحقیق کے حوالہ سے تمکیلی صاحب کا ایک قابل ذکر کام زکریا رازی کی 'کتاب الابدال' کا اردو ترجمہ بھی ہے، اس میں حکیم سید غلام مہدی راز اور حکیم خالد جاوید شمسی بھی شامل رہے ہیں، یہ ۱۹۸۰ء

میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ پھر اس ترجمہ کو حکیم سید غلام مہدی اور حکیم خالد جاوید شمسی نے انگریزی میں منتقل کیا تھا، جو کونسل سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۹۷۳ء میں وزارت صحت کے ایماء پر آسان اور سہل الحصول نسخوں کی تالیف کا منصوبہ بنا، اسے رو بہ عمل لانے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی، حکیم تبارک کریم تکمیلی اس کے کنوینر تھے، انہوں نے مجوزہ کتاب کا ڈرافٹ تیار کیا، اس کا معتد بہ حصہ ان کی کتاب 'آسان نسخے' سے ماخوذ ہے۔ 'اے ہینڈ بک آف کامن ریمیڈیز ان یونانی میڈیسن' کے نام سے یہ انگریزی میں ۱۹۷۶ء میں اور 'یونانی طب میں گھریلو اور عام معالجہ کی کتاب' کے نام سے اردو میں ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ بیشتر ہندوستانی زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔

حکیم تبارک کریم تکمیلی بن مولوی منشی بشارت کریم پٹنہ کے محلہ خاص گنج، سوہ سرائے میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ قومیہ، مدرسہ اسلامیہ بہار شریف اور مدرسہ وحیدیہ آرہ سے عربی، فارسی اور اسلامیات کی تعلیم پائی، ۱۹۳۳ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے سند فراغت حاصل کی۔ ۶۲ ربرس کی عمر میں ۱۹۷۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مطالعاتی ماخذ

۱- کتاب الکلیات، ابن رشد (عربی) [پیش لفظ، حکیم محمد عبدالرزاق] سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۴ء، ص، د

۲- کتاب الکلیات، ابن رشد (اردو ترجمہ) [پیش لفظ، طبیبہ اُم الفضل] سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۷ء

۳- آئینۂ طب، مرتبہ حکیم صباحت اللہ صدیقی، ناشر الحاج حکیم شعیب اختر صدیقی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۱-۹۹

۴- تاریخ طب از حکیم سید محمد حسان نگرامی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، طبع پنجم ۲۰۰۹ء، ص ۴۸۰-۴۷۷

۵- جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر) جلد ۴، شمارہ ۱، ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ص ۱۲۷-۱۲۵ اور ۲۱۰-۲۰۶

۶- تاریخ اطباءِ بہار، جلد دوم از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس پٹنہ، ۱۹۸۴ء، ص ۸۳-۷۷

۷- امتیاز الامراض (اردو ترجمہ فروق الامراض)، مترجمین حکیم تبارک کریم تکمیلی اور حکیم محمد ساجد بستوی، محبوب پریس دیوبند، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰-۶

•••

حکیم جاوید احمد خاں

حکیم جاوید احمد خاں (ابن محمد طیب خاں) ایک جواں سال طبیب ہیں، اس وقت بطور ریزیڈنٹ میڈیکل آفیسر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن (NIUM)، بنگلور میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس سے پہلے تقریباً ایک برس انہوں نے یہاں شعبۂ معالجات میں بحثیت لکچرر خدمت انجام دی ہے۔

جاوید کا وطنی تعلق ضلع سدھارتھ نگر کے موضع متھنا سے ہے۔ مدرسہ امداد العلوم سے انہوں نے اسلامیات اور مشرقی السنہ کی تعلیم پائی ہے۔ ۲۰۰۳ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کر کے ۲۰۰۹ء میں NIUM سے ایم ڈی (معالجات) کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد دیوبند یونانی میڈیکل کالج سے پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کیا اور ۲۰۱۲ء تک بطور لکچرر اس کالج سے منسلک رہے، پھر تقریباً ایک برس جامعہ طبیہ دیوبند سے وابستہ رہے۔

حکیم جاوید حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں اس لیے کہ پیشہ ورانہ مشاغل کے ساتھ وہ قلم وقرطاس سے بھی رشتہ استوار کیے ہوئے ہیں۔ متعدد مضامین کے علاوہ اب تک ان کی دو تالیفات 'مجرباتِ اعظم' اور 'علاج بالتدبیر' بالترتیب ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۱ء میں شائع ہو چکی ہیں، اول الذکر کی ترتیب میں ان کے ساتھ حکیم شمیم ارشاد، حکیم تنزیل احمد اور حکیم غلام الدین صوفی بھی شریک رہے ہیں۔

اب تک ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ان کی دو کاوشیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

۱- مفرداتِ مسیحائی: یہ ادویۂ مفردہ کے موضوع پر مسیح الدولہ بہادر نجشی حکیم سید محمد خاں کی تالیف ہے، جو فارسی زبان میں ۱۸۰۰ء میں لکھی گئی ہے، ۵۷ صفحہ کے اس مختصر رسالہ میں مؤلف نے تقریباً ۵۳۷ دواؤں کی ماہیت، مزاج، افعال وخواص، مضر، مصلح، بدل اور مقدار خوراک کی تفصیل قلم بند کی

ہے۔اس کا اردو ترجمہ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا ہے۔ پروفیسر غفران احمد نے اس پر تقریظ لکھی ہے۔

۲- اسماء الادویہ: مؤلفہ حکیم محمد اعظم خاں کا اردو ترجمہ ۲۰۱۳ء میں مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند سے شائع ہوا ہے۔

مذکورہ دونوں کتابوں کے تراجم میں مترجم کی اہلیہ طبیبہ شگفتہ نکہت نے معاونت کی ہے۔

ترجمہ کے سلسلہ کے ان کے مزید دو کام زیر اشاعت ہیں:

۱- معمولات شریفی: یہ معالجات کے موضوع پر فارسی زبان میں افتخار الدولہ مشیر الملک حکیم محمد شریف خاں کی تالیف ہے۔اس کا ایک خطی نسخہ نظامیہ طبیہ کالج حیدر آباد میں محفوظ ہے، ترجمہ کے وقت یہی نسخہ مترجم کے پیش نظر تھا۔

۲- رسالہٗ اجمل واکمل: یہ حکیم مرزا محمد باقر بن محمود کی تالیف ہے، جو فارسی زبان میں ہے، یہ امراض چشم کے بیان پر مشتمل ہے، اسے اس نے ابوالمظفر شاہ عباس حسینی موسوی صفوی بہادر خاں کے لیے تالیف کیا تھا۔اس کا ترجمہ نظامیہ طبیہ کالج میں محفوظ مخطوطہ کی مدد سے کیا گیا ہے۔

حکیم جاوید احمد ایک باصلاحیت طبیب ہیں، اس عمر میں ان کے کاموں کی اس فہرست سے اندازہ ہوتا ہے وہ ترجمہ وتالیف کی استعداد کے ساتھ جہد مسلسل کے بھی عادی ہیں، یہ خوبی کی بات ہے۔ وہ اپنے مطالعہ کو وسعت دے کر اور زبان و بیان پر ذرا محنت صَرف کر کے اپنی لیاقت کے ان جوہروں کو مزید نکھار سکتے ہیں۔

•••

حکیم محمد حامد علی خاں

ابو ناظم المدعو محمد حامد علی خاں خلف اکبر حافظ غلام علی خاں، شاہ آباد ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ وہ مطبع منشی نول کشور کے وابستگان میں تھے۔ بعض ارتجالی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مطبع کے صیغۂ تصحیح میں بطور افسر مقرر تھے۔

میزان الطب (اردو): حکیم محمد اکبر ارزانی نے میزان الطب کو مبتدیوں کے لیے تالیف کیا تھا۔ جب اردو زبان میں تعلیم و تدریس کا رواج ہوا تو درسی اہمیت کی حامل کتابوں کے اردو میں ترجمے شروع ہوئے۔ اس بابت پہل کرنے والوں میں مطبع منشی نول کشور کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔ بانی مطبع منشی جی کے ایماء پر دار الترجمہ کے رکن حکیم محمد حامد علی خاں نے میزان الطب کو فارسی سے اردو میں منتقل کیا۔ حکیم محمد اکبر ارزانی کی دیگر تالیفات کی طرح میزان الطب بھی طبّی حلقہ میں بے حد مقبول رہی ہے۔ اس کا اندازہ اردو ترجمہ کی غیر معمولی پذیرائی سے ہوتا ہے۔ یہ جمادی الثانی ۱۳۳۹ ہجری مطابق فروری ۱۹۲۱ء میں مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے گیارہویں بار شائع ہوا ہے۔ اس میں رسالہ دلائل النبض، رسالہ دلائل البول، رسالہ بحران اور رسالہ قارورہ کے ترجمے بھی شامل ہیں

مطالعاتی ماخذ

۱- میزان الطب (اردو) از ابو ناظم محمد حامد علی خاں، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۳۳۹ھ، ص ۲

۲- ترجمہ کفایۂ منصوری، مترجمہ حکیم محمد ہادی حسین خاں مراد آبادی، مطبع منشی نول کشور، کانپور (بار چہارم)، غیر مورخ، ص فہرست کتب

•••

حکیم حبیب اللہ

حکیم حبیب اللہ جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے تھے۔ ان کے والد حکیم محمد عبدالرحیم بڑے حاذق طبیب تھے۔ انہیں دق اور سل کے علاج میں خاص مہارت حاصل تھی۔ وہ طب کے ساتھ اسلامیات، معقولات اور علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔

یونانی طب سے حکیم حبیب اللہ کا موروثی تعلق تھا۔ وہ نہایت ذہین وفہیم اور قابل تھے۔ طب کے ساتھ علم نجوم میں بھی انہیں دسترس حاصل تھی۔ حکیم حبیب اللہ نے منقولات ومعقولات اور طب کی تعلیم اپنے برادر بزرگ حکیم عبداللہ سے حاصل کی اور انہیں کے مطب سے حکمت کے اسرار و رموز سیکھے۔

صاحب رموزالاطباء لکھتے ہیں:

> ''آپ شرح اسباب کا ترجمہ بامحاورہ اردو میں کر رہے ہیں، جس کی ایک جلد تیار ہوچکی ہے، دوسری کے مکمل ہونے پر شائع فرمائیں گے''۔

حکیم حبیب اللہ، حکیم محمد کبیرالدین کے معاون رفقاء میں تھے۔ وہ ادارہ المسیح کے تصنیفی وتالیفی کاموں میں حکیم کبیرالدین کا تعاون کیا کرتے تھے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ رموزالاطباء، جلد دوم، مرتبہ حکیم محمد فیروزالدین، دارالکتب رفیق الاطباء، لاہور، اشاعتِ ثانی ۱۹۲۴ء، ص ۴۸۴

۲۔ رموز حکمت، مرتبہ حکیم محمد عبدالرحیم جمیلؔ، اقبال اسٹیم پریس، گجرات، غیر مورخ، ص ۴۴۱

•••

حکیم سید محمد حسان نگرامی

حکیم سید محمد حسان نگرامی ۲۸ر جون ۱۹۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا وطنی تعلق ضلع بستی اتر پردیش سے ہے۔ یہیں ان کی ابتدائی تعلیم ہوئی، ان کے والد مولانا عبد الغفار ندوی دار العلوم ندوۃ العلما میں استاذ تھے، اس لیے حسان نگرامی لکھنؤ آ گئے اور اسی شہر میں ان کی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مراحل پورے ہوئے۔ تعلیم کے بعد ان کی ملازمتی زندگی کا آغاز بھی اسی شہر سے ہوا اور اب ملازمت سے سبکدوش ہو کر وہ اسی شہر میں قیام پذیر ہیں۔ گویا اب لکھنؤ ہی ان کا وطن ہے۔ ۱۹۷۹ء میں تکمیل الطب سے فراغت کے بعد کچھ دنوں یہاں تدریسی فرائض انجام دیے، پھر ۴ر اگست ۱۹۸۰ء کو ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے سی سی آر یو ایم کی ملازمت اختیار کی۔ ۳۲ر برس یونانی کونسل سے ان کی وابستگی رہی۔ ۲۰۱۲ء میں ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے ہیں۔

حسان نگرامی کے جد اعلیٰ سید امیر حسن، شاہ اسماعیل شہید کے جاں نثاروں میں تھے۔ شاہ صاحب کے قافلہ کے ہمراہ کچھ دنوں نگرام میں ان کا قیام رہا ہے۔ شاہ صاحب کی فوج کے ساتھ یہیں لڑتے ہوئے انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ اسی واقعہ کی یاد میں ان کے اخلاف میں 'نگرامی' لکھنے کی روایت ہے۔

حسان نگرامی کا شمار معاصر طبی دنیا کے مشاہیر میں ہے۔ وہ یونانی طب کے علمی حلقہ میں قدر و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ انہیں یہ مرتبہ ان کے علمی کاموں کی وجہ سے حاصل ہے۔ طبی رسائل میں بکثرت مضامین کے علاوہ انہوں نے کئی کتابیں تالیف کی ہیں، جو درسی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن کے مجوزہ نصاب کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ یہ سریریات، ادویۂ مفردہ و مرکبہ،

علم القابلہ اور طبّی تاریخ کے موضوع پر ہیں۔

۱۔ تاریخِ طب: یہ ان کی مقبول ترین کتاب ہے۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ پہلی بار ۱۹۸۹ء میں ترقی اردو بیورو دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں یونانی طب کے آغاز وارتقا سے جڑے ہر پہلو کا احاطہ ہے۔ ساتھ میں دوسری روایتی طبوں کا تعارفی تذکرہ بھی ہے۔ حسان نگرامی نے اختصار کے ساتھ نہایت جامع انداز میں یونانی طب کے اب تک کے سفر کو اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب ان کی تصنیفی صلاحیتوں کا نہایت عمدہ اظہار ہے۔

۲۔ سریریات: یہ ان کی دوسری مقبول کتاب ہے، یہ پہلی بار ۱۹۸۳ء میں نظامی پریس، لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ اب تک اس کی کئی اشاعتیں آچکی ہیں۔

۳۔ یونانی میٹریا میڈیکا: اس میں ۲۰۱ مفرد دواؤں کا تذکرہ ہے۔ یہ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

۴۔ علم القابلہ: قبالت کے موضوع پر یہ کتاب اودھ پرنٹنگ پریس، لکھنؤ سے ۱۹۹۱ء میں طبع ہوئی ہے۔

۵۔ یونانی ادویہ مرکبہ: یہ ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آئی ہے۔

۶۔ مجلّہ بیادگار جناب حکیم شکیل احمد شمسی: یہ حکیم شکیل احمد شمسی کی حیات وخدمات پر لکھے گئے کچھ مضامین کا مجموعہ ہے، جو ان کے یومِ وفات ۱۲ر نومبر ۱۹۹۴ء کے موقع پر شائع ہوا تھا۔ اسے حسان نگرامی نے ترتیب دیا ہے۔ اس رسالہ کو چھوڑ کر مذکورہ ساری کتابیں درسیات سے متعلق ہیں اور نصابی مقصد سے لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں طلبہ واساتذہ کے درمیان مقبول رہی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسان نگرامی درسیات کے اچھے مؤلف ہیں۔ درسیات کی تالیف اس لحاظ سے ایک مشکل کام ہے کہ اس کے لیے صرف فنی واقفیت اور تالیفی صلاحیت ہی کافی نہیں، بلکہ طلبہ کے ذہنی میلانوں اور نصابی تقاضوں سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ درسی کتابوں کے لیے اسلوب بیان کی بھی بڑی اہمیت ہے، اس میں ترسیل وابلاغ کے لیے ایسے پیرایۂ اظہار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے آسان اور عام فہم انداز میں نفسِ مضمون ادا ہو جائے۔ حسان نگرامی کو یہ سلیقہ خوب آتا ہے۔

۷۔ تاریخ علم الادویہ: یہ ۲۰۱۵ء میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں عہد اسقلی بوس سے ۲۰۱۳ء تک کی علم الادویہ کی پیش رفت کا جائزہ ہے۔

۸۔ تاریخ طب تیرہویں تا پندرہویں صدی عیسوی (زیر طبع)

۹۔ تاریخ طب ماقبل بقراط تا جالینوس (زیر طبع)

۱۰۔ اردو میں طبّی اصطلاحات اور طبیب شعراء (زیر طبع)

۱۱۔ تاریخ طب کا علمی سرمایہ (یونانی طب کے تذکرہ نگار) یہ کتاب یونانی طب کے تذکرہ نگاروں کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف نے یہ کام کافی عجلت میں کیا ہے۔

حسان نگرامی کے ابتدائی قلمی آثار تراجم کی صورت میں ملتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں جب وہ کونسل میں آئے تو ان کی پوسٹنگ لکھنؤ میں ہوئی، اس وقت وہاں ترجمہ و تدوین کا کام چل رہا تھا، لہٰذا وہ بھی اس منصوبہ کا حصہ بنے۔ یہاں انجام پانے والے درج ذیل کاموں میں ان کی شمولیت کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ ترجمہ الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ، جلد اول، مؤلفہ ضیاء الدین عبداللہ بن احمد اندلسی مالقی معروف بہ ابن بیطار

۲۔ ترجمہ الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ، جلد دوم، مؤلفہ ضیاء الدین عبداللہ بن احمد اندلسی مالقی معروف بہ ابن بیطار

جلد اول کے پیش لفظ میں کونسل کے ڈائرکٹر حکیم محمد عبدالرزاق لکھتے ہیں:

> ”ترجمہ کا اصل کام لٹریری ریسرچ یونٹ، لکھنؤ میں حکیم شکیل احمد شمسی (پروجیکٹ آفیسر) کی نگرانی میں حکیم محمد یوسف (ریسرچ آفیسر) اور حکیم سید محمد حسان (ریسرچ اسسٹنٹ) نے انجام دیا۔“

جلد دوم کے پیش لفظ میں کونسل کی ڈپٹی ڈائرکٹر طبیبہ ام الفضل لکھتی ہیں:

> ”جلد دوم کا ترجمہ بڑی حد تک لٹریری ریسرچ یونٹ لکھنؤ میں حکیم شکیل احمد شمسی مرحوم (پروجیکٹ آفیسر) کی نگرانی میں مکمل ہو چکا تھا بعد ازیں نئی دہلی میں لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے بعد یہاں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ترجمہ کا کام حکیم محمد یوسف (ریسرچ آفیسر) اور حکیم سید محمد حسان (اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر) نے انجام دیا“۔

تصنیف و تالیف حسان نگرامی کے مزاج میں شامل ہے۔ سبکدوشی کے بعد بھی قلم و قرطاس سے بدستور اُن کی وابستگی باعثِ رشک ہے، خصوصاً تاریخ طب کے تعلق سے اُن کے کام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے حوالہ سے وہ مستقبل میں بھی یاد کیے جاتے رہیں گے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر)، [تکمیل الطب کالج کے صاحب تصنیف اطباء از حکیم وسیم احمد اعظمی] جلد۴، شمارہ ۱، ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۵۵-۱۵۳

۲۔ الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ، جلد اول، مؤلفہ ضیاء الدین عبداللہ بن احمد اندلسی مالقی معروف بہ ابن بیطار (اردو ترجمہ) [پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

۳۔ الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ، جلد دوم، مؤلفہ ضیاء الدین عبداللہ بن احمد اندلسی مالقی معروف بہ ابن بیطار (اردو ترجمہ)، [پیش لفظ از طبیبہ اُم الفضل]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

۴۔ خودنوشت سوانحی نوٹ از حکیم سید محمد حسان نگرامی

●●●

حکیم سید محمد حسن

حکیم سید محمد حسن بن حکیم مولوی سید غلام علی شاہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں مانگرول ضلع کاٹھیاواڑ میں ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ وہ نہایت ذہین، معاملہ فہم اور صاحب تجربہ طبیب تھے۔ تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ صاحب رموز الاطباء کی اطلاع کے مطابق انہوں نے حکیم براکلوس کی ایک کتاب طب کیمیائی کی شرح لکھی تھی اور سمرقندی کی اہم اور نایاب کتابوں کی شرح اور ترجمے ان کے زیر تکمیل منصوبوں میں تھے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ رموز الاطباء، جلد اول، مرتبہ حکیم محمد فیروز الدین، دار الکتب رفیق الاطباء، لاہور، طبع چہارم ۱۹۲۸ء، ص ۲۸-۲۲۷

•••

حکیم محمد حسن حاذقؔ میرٹھی

میرٹھ (عشق آباد) کا شمار ہندوستان کے اہم تاریخی مراکز میں ہوتا ہے۔ بعض شواہد کے مطابق یہ شہر راون کی جنم بھومی ہے۔ جدید ہندوستان میں اس شہر کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک کا آغاز یہیں سے ہوا تھا۔ دلّی سے قریب ہونے کی وجہ سے اسے دلّی کا چھوٹا بچہ کہا جاتا ہے۔ دلی سے جغرافیائی قرب کے باعث یہ شہر یہاں کی علمی، فنی، تہذیبی اور لسانی قدروں سے بے حد متاثر رہا ہے۔

مغلیہ عہد کے اواخر سے یہاں طب کی شاندار اور اعلیٰ روایت کا پتہ چلتا ہے۔ پدم شری حکیم سیف الدین (اعزازی طبیب صدر جمہوریہ ہند) کو بھی اسی خاک سے نسبت ہے۔ ان کے بزرگوں میں حکیم فصیح الدین رنجؔ میرٹھی، غالب کے تلامذہ میں تھے۔ وہ شعروادب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھنے کے علاوہ ایک مستند طبیب بھی تھے۔ شاعرات کے تذکرہ پر مشتمل ان کی کتاب ''بہارستان ناز'' اپنے موضوع پر پہلی تالیف ہے اور اس کا شمار تذکرۂ شاعرات کے اہم ترین مآخذ میں ہوتا ہے۔

میرٹھ میں طب و ادب کی روایت کو فروغ دینے والوں میں ایک اہم نام حکیم محمد حسن حاذقؔ کا ہے۔ حکیم محمد حسن ایک بلند پایہ طبیب کے ساتھ شعروادب کے میدان میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ مطب اور علمی وتدریسی مشاغل کے ساتھ انہوں نے طبّی موضوعات پر ایک درجن سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں۔

حکیم محمد حسن نے عربی درسیات کی تعلیم لکھنؤ سے حاصل کی اور طبّی علوم کی تحصیل، میرٹھ کے مشہور طبیب حکیم بلدیو سہائے سے کی۔ حکیم محمد حسن حاذقؔ ایک قدیم طبّی سلسلہ کے فرد ہیں، ان کے والد حکیم خادم حسین اور دادا حکیم کریم بخش کا شمار میرٹھ کے اچھے طبیبوں میں تھا۔ برطانوی عہد میں

حکیم کریم بخش، حکومت کی طرف سے جیل کے قیدیوں کے علاج ومعالجہ پر مامور تھے۔ اسی لیے وہ حکیم کے ساتھ ڈاکٹر بھی کہلاتے تھے۔ حکیم کریم بخش کے والد حکیم امان اللہ، دادا حکیم غلام محمد اور پردادا حکیم تاج محمد بھی اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے۔ طبابت کے اس پشتینی سلسلہ کو حکیم محمد حسن حاذق نے رفعت وکمال عطا کیا۔

حکیم محمد حسن ادیب وطبیب دونوں تھے، لہٰذا ان کی طبّی تصنیفات میں ادب وانشاء کا رنگ نمایاں ہے۔ انہوں نے حلقۂ عوام میں طب کی تشہیر کے لیے تصنیف وتالیف کے ایک منفرد اسلوب کی شروعات کی۔ اس زمانہ میں داستان اور کہانیوں کا بڑا رواج تھا، حکیم حسن نے اسی عوامی اسلوب میں طبّی کتابوں کی تالیف کا بیڑا اٹھایا، ان کے اس اسلوب سے طب کی عوامی تشہیر کے علاوہ طب اور ادب کے رشتوں کا احیاء ہوا۔

ان کی طبّی تصنیفات کی تفصیل حسب ذیل ہے؛

ا۔ علاج النساء معروف بہ گل عباسی:

یہ نہایت منفرد تصنیف ہے، جو بطرز ناول لکھی گئی ہے، اس کتاب میں حکیم محمد حسن حاذق نے حکیم علی عباس عرف مسیح الزماں کی صاحبزادی، عصمت پناہی عباسی بیگم کے حالات زندگی اس طرح پیش کیے ہیں کہ اس کے ذیل میں جملہ زنانہ طبّی مسائل کا احاطہ ہوگیا ہے۔ امراض کے ساتھ ان کے اسباب وعلامات اوران سے متعلق نسخہ جات کی تفصیل بھی آگئی ہے۔ اس طرح نہایت دلچسپ انداز میں حکیم حسن حاذق نے خواتین کو نسوانی طبّی معلومات سے واقفیت بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔

مختلف صحتی مسائل کے تئیں عوام میں بیداری اور شعور پیدا کرنے کے لیے موجودہ عہد میں نکڑ ناٹکوں اور ڈاکیومنٹری فلموں کا سہارا لیا جارہا ہے، مغربی ممالک میں مختلف سائنسی اور طبّی موضوعات پر کثرت سے فلمیں بن رہی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تفریح کے ساتھ طبقۂ عوام میں سائنس اور صحتی امور کی بابت بیداری پیدا کی جائے۔ جدید دنیا میں جو کام گزشتہ چند دہائیوں سے ہورہا ہے، حکیم محمد حسن حاذق نے اسے ایک صدی پہلے انجام دیا ہے۔ اس سے ان کی پیش بینی اور حذاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی تیسری اشاعت ۱۹۳۹ء میں محبوب المطابع برقی پریس، دہلی سے ہوئی تھی۔ اس کی ایک اشاعت ابوالعلائی اسٹیم پریس، آگرہ سے بھی ہوئی ہے۔

۲۔ توضیح الادویہ:

یہ اردو زبان میں ادویہ مفردہ پر ایک اچھی تالیفی کاوش ہے۔ حکیم محمد حسن حاذق نے جدول کے طرز پر دواء کا نام، مزاج، مضر، مصلح، بدل، مقدار، ماہیئت کی تفصیلات تحریر کی ہیں۔ یہ کتاب تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر حکیم محمد حسن حاذق کی دوسری تصانیف مثلاً خلاصہ مخزن الادویہ، تفارق الامراض وتفارق الادویہ، مفتاح الادویہ، نصاب الطب، ام الصبیان، شربتِ وصال، تریاقِ آتشک، معجونِ حیات، قرابادینِ حاذق، کیمیائے عشرت معروف بہ تریاق باہ کے علاوہ کئی غیر طبّی کتابوں کے نام تحریر ہیں۔ یہ کتاب منشی محمد ابراہیم کے زیر اہتمام مطبع افتخار، دہلی سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ رسالۂ معجونِ حیات:

فاضل مؤلف نے اس کتاب میں درازیٔ عمر کی تدابیر، حفظانِ صحت کے اصول وضوابط اور طریقِ معاشرت کی تفصیلات اردو زبان میں تحریر کی ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب نواب میر محبوب علی خاں بہادر والیٔ حیدر آباد کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تالیف کی تھی۔ یہ کتاب پہلی بار مطبع گلزار محمدی، میرٹھ سے شائع ہوئی تھی۔

یہ رسالہ ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے آخر میں شیخ منشی نیاز علی متخلص بہ گوہر میرٹھی کی قطعۂ تاریخ پر مشتمل ایک مدحیہ نظم شامل ہے۔ جس میں حکیم حسن حاذق کے سوانحی حالات اور فنی کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد حسن حاذق نے عربی درسیات لکھنؤ میں پڑھی تھیں اور طب کی تعلیم حکیم بلدیو سہائے سے پائی تھی۔

۴۔ نصاب الطب:

اس کتاب میں حکیم حاذق نے امراض اور ادویہ سے متعلق طبّی اصطلاحات، بصورتِ نظم تحریر کی ہیں۔ تاکہ طلبہ انہیں آسانی سے یاد کر سکیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جان دار شیشعاں کو کائفل — جوز بویہ کو کہیں سب جائیفل
بچھ کو تم اے جان جہاں وج کہو — جو سلیخہ ہے اسے تم تج کو

۵۔ ترجمہ قرابادین اعظم:

یہ حکیم محمد اعظم خاں کی تالیف قرابادین اعظم کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ ہے، اسے حکیم محمد حسن حاذق

میرٹھی نے ۱۳۱۱ ہجری میں انجام دیا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔

قرابادین اعظم کے ترجمہ کے سلسلہ میں دو باتیں وضاحت طلب ہیں، ایک تو یہ کہ قرابادین اعظم و اکمل (اردو ترجمہ) مطبوعہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی کے پیش لفظ میں مولوی عظمت علی حسرتؔ لکھنوی کو قرابادین اعظم کا مترجم لکھا گیا ہے۔ دوسری وضاحت طلب بات یہ ہے کہ حکیم سید ظل الرحمان نے اپنے دادا حکیم سید کرم حسین کو حکیم محمد حسن حاذقؔ کے ساتھ شریک مترجم لکھا ہے۔ یہ دونوں باتیں خلافِ واقعہ ہیں۔ کم از کم حکیم سید ظل الرحمان سے اس قسم کی غلطیوں کی توقع نہیں کی جاتی۔

۶۔ ترجمہ اقسرائی: یہ قانونچہ کی مشہور شرح کا اردو ترجمہ ہے:

۷۔ تفارق الامراض وتفارق الادویہ:

اس کتاب میں مؤلف نے متشابہ امراض اور ادویہ کے باہمی فرق کو واضح کیا ہے۔

۸۔ تحفۂ جہاں حصہ اول بزمِ عشرت: یہ جنسیات کے موضوع پر ایک اہم تالیف ہے:

۹۔ گلدستۂ فرحت معروف بہ افسانۂ حکمت:

یہ کتاب قصہ اور کہانی کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ حکیم محمد حسن حاذقؔ نے آسان اور عام فہم اردو زبان میں اولاد سے محرومی، اس کے اسباب وعلامات اور اس کے علاج کو ناول کے انداز میں تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب ابوالعلائی پریس، آگرہ سے ۱۹۲۸ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے حکیم محمد حسن حاذقؔ کی اردو نثر نگاری اور شاعرانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ قرابادین حاذقؔ

یہ فارسی زبان میں متقدمین اور متاخرین کے مجربات کا مجموعہ ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب پر مرکبات کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ ۱۷۴ صفحات پر مشتمل یہ قرابادین، مطبع گلزار محمدی میرٹھ سے ۱۸۹۳ء میں طبع ہوئی ہے۔

۱۱۔ القرابادین

حکیم محمد حسن نے اپنے پیر و مرشد سید شاکر علی کی ایماء پر اسے تالیف کیا تھا، یہ قرابادین اردو زبان میں ہے اور ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نامی پریس میرٹھ سے شائع ہوئی تھی۔

حکیم محمد حسن حاذقؔ نے ۱۹۲۸ء میں میرٹھ میں وفات پائی۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ حیات کرم حسین، مؤلفہ حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعت دوم ۲۰۰۸ء، ص ۸۴

۲۔ گلدستۂ فرحت معروف بہ افسانۂ حکمت، مؤلفہ حکیم محمد حسن حاذق، ابو العلائی پریس، آگرہ۔ ۱۹۲۸ء

۳۔ معجون حیات، مؤلفہ حکیم محمد حسن حاذق، مطبع مصطفائی، میرٹھ، غیر مورخ

۴۔ توضیح الادویہ، مؤلفہ حکیم محمد حسن حاذق، مطبع افتخار، دہلی، ۱۸۹۹ء

۵۔ علاج النساء معروف بہ گل عباسی، مصنفہ حکیم محمد حسن حاذق، طبع سوم، محبوب المطابع برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۹ء

۶۔ مضمون ''حکیم فصیح الدین رنج میرٹھی'' از فاروق ارگلی، روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو، ۱۰ر فروری ۲۰۱۲ء

۷۔ قرابادینِ اعظم (اردو)، ناشر: ملک سراج الدین اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور، باردوم ۱۹۵۷ء، ص ۲

۸۔ قرابادینِ اعظم واکمل (اردو ترجمہ)، (پیش لفظ از حکیم محمد خالد صدیقی) سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

۹۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین، حکیم سید ظل الرحمٰن، ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، اشاعتِ دوم ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۰-۲۱۹

●●●

حکیم محمد حسن علی

تلاشِ بسیار کے باوجود حکیم محمد حسن علی کے سوانحی حالات دستیاب نہیں ہو سکے، تاہم طبّی ترجموں کی جستجو کے دوران حکیم محمد اکبر ارزانی کی فارسی تالیف 'میزان الطب' کا ایک اردو ترجمہ ان کے نام سے بھی ملا ہے۔ اس کے تمہیدی کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے اپنے ایک دوست کی فرمائش پر فنی خدمت کے جذبہ سے اسے اردو جامہ عطا کیا ہے۔ زیرنظر ترجمہ ۱۳۰۶ ہجری مطابق ۱۸۸۹ء میں مطبع جوالا پرکاش، میرٹھ سے شائع ہوا ہے، جو پہلے مطبع چشمۂ فیض، دہلی پھر مطبع قیصر ہند، دہلی سے شائع ہو چکا تھا۔ اس کی ایک اشاعت مطبع مفیدِ عام، لاہور سے منشی گلاب سنگھ کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔

•••

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی ۱۸۹۶ء میں گجرات میں پیدا ہوئے (آغا اشرف نے ۱۸۸۶ء لکھا ہے)، ان کے بزرگوں کا تعلق کشمیر سے تھا۔ قرشی کے والد قاضی محمد فضل الدین ممتاز عالم، اچھے شاعر اور نثر نگار تھے، انہیں مفتی صدر الدین آزردہ سے تلمذ حاصل تھا۔ وہ محکمۂ تاریخ ریاست کشمیر میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔

قرشی نے ابتدائی تعلیم گجرات میں حاصل کی اور درسیات کی تکمیل اورینٹل کالج لاہور، مدرسہ نعمانیہ لاہور اور اسلامیہ کالج لاہور سے کی۔ ۱۹۱۲ء میں ترک مسلمانوں کے لیے چندہ جمع کرنے کے جرم میں انگریز پرنسپل نے انہیں کالج سے نکال دیا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے اخراج کے بعد طبّی تعلیم کی تحصیل کے لیے دلی آئے اور مدرسہ طبیّہ سے سند فراغت حاصل کی۔ یہاں انہیں مسیح الملک حکیم اجمل خاں سے استفادہ کا موقع ملا۔ ان کی ذہنی وفکری تربیت میں مسیح الملک کا خاص حصہ ہے۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں، قرشی کی صلاحیتوں کے مداح اور معترف تھے۔ جب قرشی مدرسہ طبیّہ میں داخل ہوئے تو وہ صرف محمد حسن تھے، اجمل خاں نے انہیں قرشی کا لقب دیا، اس طرح یہ لقب ان کے نام کا جزء بن گیا اور وہ تاریخ میں شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اجمل خاں نے محمد حسن کے اندر علامہ علاء الدین قرشی کی شخصیت کا جو عکس دیکھا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔

طبیّہ کالج دہلی سے فراغت کے بعد قرشی نے کچھ دنوں اس کالج میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ پھر ممبئی چلے گئے اور وہاں مطب کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۰ء میں ممبئی کو خیر باد کہہ کر لاہور میں قیام پزیر ہو گئے اور یہاں مطب و معالجہ، طبّی صحافت، طبّی تحریک اور تصنیف و تالیف کے میدان میں تادم آخر سرگرم رہے۔

حکیم محمد حسن قرشی نے یکم جون ۱۹۷۲ء کو وفات پائی۔ حکیم سید ظل الرحمان نے ۸؍دسمبر ۱۹۷۲ء لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کا شمار بیسویں صدی کے اہم ترین طبیبوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو وہاں یونانی طب کے احیاء اور فروغ میں جن طبیبوں نے کردار ادا کیا ان میں قرشی کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ لاہور منتقل ہونے کے بعد قرشی نے پنجاب طبّی کانفرنس کی بنیاد ڈالی اور اس کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۹۳۶ء میں حکومت حیدر آباد کی قائم کردہ طبّی کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے، ۱۹۴۶ء میں حکومت ہند کی جانب سے مقرر کردہ طبّی کمیٹی کے رکن نامزد ہوئے، حکومت پنجاب نے انہیں طبّی بورڈ کا رکن بنایا، وہ طبیہ کالج دہلی کے ٹرسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مجلس منتظمہ کے رکن رہے ہیں۔ ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۸ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے قائم کردہ طبّی بورڈوں کے صدر مقرر ہوئے۔ حکومت پاکستان کی سائنسی اور صنعتی کونسل کی جانب سے مقرر کردہ کمیٹی کے بھی وہ رکن رہے ہیں۔

لاہور میں اقامت پزیر ہونے کے بعد اسلامیہ کالج میں طبیہ کلاسز کو پڑھانا شروع کیا، حکیم مفتی سلیم اللہ کے انتقال کے بعد طبیہ کلاسز کے ہیڈ لکچر مقرر ہوئے۔ قرشی کی کوششوں سے طبّی کلاسز کو طبیہ کالج کا درجہ ملا اور ہیڈ لکچرر کی جگہ پرنسپل کا عہدہ مقرر ہوا۔ شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی اس کالج کے پہلے پرنسپل منتخب ہوئے۔

یونانی طب کی نشر واشاعت اور طبیبوں کو بیدار کرکے، انہیں طبّی کاز کی خاطر متحد کرنے کے لیے ۱۹۲۲ء میں مشیر الاطباء کے نام سے ایک ماہانہ طبّی رسالہ جاری کیا، قرشی اس رسالہ کے مدیر تھے، یہ رسالہ اخوان الصفا نامی ایک مجلس کے زیر انتظام شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں طبیبوں اور ڈاکٹروں کے مضامین کے علاوہ طبّی انجمنوں اور طبّی اداروں کی رپورٹیں شائع ہوتی تھیں، آج بھی ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں اس کے شمارے موجود ہیں۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں نومبر ۱۹۲۳ء سے جون ۱۹۶۳ء تک کے شمارے محفوظ ہیں۔ مشیر الاطباء نے سالہا سال طبیبوں کی تنظیم اور حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کی راہیں ہموار کیں۔

تقسیم سے پہلے قرشی آل انڈیا آیورویدک اینڈ طبّی کانفرنس کے سرگرم رکن تھے، قیام پاکستان کے بعد انہوں نے آل پاکستان آیورویدک اینڈ طبّی کانفرنس کا اجراء کیا اور اس میں مغربی و مشرقی پاکستان کے

طبیبوں اور ویدوں کو شامل کرنے کے لیے تگ و دو شروع کی۔ پاکستان کے مختلف مقامات پر کانفرنس کے بڑے شاندار پروگرام منعقد کئے۔ کانفرنس کی جدوجہد سے پاکستان میں رجسٹریشن ایکٹ نافذ ہوا اور حکومت نے طبّی بورڈ مقرر کیا، قرشیؔ اس بورڈ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

اطباء کی مختلف الخیال جماعتوں کو متحد کرنے کے لیے قرشیؔ مستقل کوشاں رہے۔ ان کی کوششوں سے مجلس اتحاد الاطباء اور جمعیت انصار، طبّی کانفرنس میں مدغم ہوئیں اور طبّی کانفرنس سارے پاکستانی طبیبوں کی متحدہ تنظیم بنی۔

قرشیؔ نے پاکستانی طبیبوں میں باہمی مشاورت کے فروغ اور ادویاتی تحقیق کے لیے ادارۂ تحقیقات قائم کیا، یہ ادارہ ادویہ کے سلسلہ میں بڑی اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال سے قرشیؔ کے بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے، قرشیؔ علامہ اقبال کے معالج بھی تھے اور ان سے قرشیؔ کا دن رات کا ساتھ تھا۔

قیام پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان میں محمد علی جناح (قائداعظم) نے طبیہ کالج قرولباغ، نئی دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں دیسی طبوں کا فروغ ہوگا۔ مگر پاکستان کے قیام کے بعد وہاں افسر شاہی کا تسلط ہوگیا، یہ افسر شاہی مغرب کے پرستار اور مشرقی علوم وفنون کے دشمن تھے۔ جس پاکستان میں جناح نے یونانی طب کے فروغ کا وعدہ کیا تھا اس میں یونانی طب کے لیے عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔

تقسیم کے بعد مرکزی طبّی کانفرنس ہندوستان میں رہ گئی تھی۔ طبّی خاندانوں کی مرکزیت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ ہزاروں اطباء پاکستان کے قصبات و دیہات کی خاک چھان رہے تھے۔ محکمۂ صحت پر ایلوپیتھی ڈاکٹروں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن نے یونانی طب کے خلاف مہم کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ پاکستان میں دیسی طبوں پر پابندی لگائی جائے، اس وقت پاکستان میں یونانی طب اسی دور سے گزر رہی تھی جس سے ۱۹۱۰ء کے بعد اسے متحدہ ہندوستان میں گزرنا پڑا تھا۔ ان مشکل حالات میں شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشیؔ اور ان کے رفقاء اسی طرح میدان میں اترے، جس طرح مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور ان کے رفقاء ۱۹۱۰ء میں میڈیکل رجسٹریشن ایکٹ کے خلاف میدان میں اترے تھے۔

دیگر شعبوں کی طرح تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قرشیؔ نے اہم سرمایہ بطور یادگار چھوڑا

ہے، قرشی کی کچھ اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

ا۔ جامع الحکمت:

یہ قرشی کی مہتم بالشان تالیف ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تقریباً دو ہزار صفحات پر محیط ہے۔ یہ کتاب مقدمہ یا دیباچہ کے بجائے طبی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اس مقالہ میں قرشی نے طب کی مختلف منزلیں بیان کرنے کے ساتھ یونانی طب اور مغربی طب کا تاریخی تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔

جامع الحکمت کے پہلے باب میں علم طب کی تعریف اور امور طبعیہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے باب میں جسم انسانی کی ساخت کا تذکرہ ہے، تیسرا باب قانونِ صحت کے زیر عنوان حفظانِ صحت کے اصولوں پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب علم الامراض اور پانچواں باب تشخیص امراض پر مشتمل ہے۔ چھٹے باب میں علاج الامراض کے تحت ان اصول وقواعد کا ذکر ہے، جن کو علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں ملحوظ خاطر رکھنا ہر طبیب کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ان تمہیدی اور اصولی مباحث کے بعد نظام عصبی سے آغاز کرتے ہوئے سر سے پاؤں تک کے امراض کا تذکرہ کیا ہے۔

اس کتاب میں قدیم طب کی بہترین معلومات کو ترتیب دینے کے ساتھ طب جدید کے ضروری اضافات کو بھی شامل کیا ہے۔ اصول علاج میں یونانی طب کو فوقیت دی ہے۔ البتہ کہیں کہیں طب جدید کی معترفانہ توضیح بھی شامل کی ہے۔ یہ کتاب تاریخ، امور طبعیہ، علم الامراض اور معالجات کا ایک عمدہ مجموعہ ہے۔

۲۔ بیاضِ خاص:

یہ افسر الاطباء حکیم نور الدین بھیروی کے اکسیری مجربات کا مجموعہ ہے، جسے حکیم محمد حسن قرشی نے حکیم ریاض احمد قرشی کے تعاون سے مرتب کیا ہے۔ زیر نظر بیاض شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور کی غیر مورخ شائع کردہ ہے۔

۳۔ طبِ قدیم اور حکومتِ پنجاب:

اس کتاب میں قرشی نے تاریخی حوالوں اور ضروری اعداد وشمار کے ذریعہ حکومت پنجاب کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ یونانی طب نامکمل اور غیر سائنسی ہے۔

۴۔ خواص المفردات:

اس میں مفردات کی تفصیلات درج ہیں۔

۵۔ مسرتِ ازدواج:

یہ جنسیات سے متعلق ہے۔

۶۔ صنفِ نازک:

اس میں عورت پر طبّی، جمالیاتی، ادبی اور تاریخی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔

۷۔ غذاءِ انسانی:

یہ انسانی غذا سے متعلق قدیم اور جدید معلومات کا مجموعہ ہے۔

۸۔ افادات شفاء الملک:

یہ قرشی کے معالجاتی تجربات کا مجموعہ ہے۔

۹۔ حکیم حاذق:

اس میں بیماریوں کی ماہیت، اسباب، علامات، علاج اور تحفظ کی تفصیلات درج ہیں۔ نیز 'مطب قرشی' کے عنوان سے شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے معمولات بھی شامل ہیں۔

۱۰۔ طبّی فارما کوپیا (جلد اول تا سوم):

ان میں یونانی، انگریزی اور پیٹنٹ ادویہ کی تفصیلات درج ہیں۔

۱۱۔ سلک مروارید:

مردانہ ضعف اور نامردی سے متعلق نہایت جامع تالیف ہے۔ اس میں ضعف باہ کی ماہیت، اسباب و علامات اور علاج بیان کیے ہیں۔ علاج کے ذیل میں یونانی، آیورویدک اور ایلوپیتھی کی مجرب دوائیں لکھی ہیں۔

۱۲۔ قانونِ ازدواج:

اس میں ازدواجی زندگی کے مسائل مثلاً صحبت کے قوانین، طریقے، اوقات، ہدایات، قوتِ مخصوصہ بڑھانے کی تدابیر اور تلذذ وغیرہ کی صورتیں بتلائی گئی ہیں۔

۱۳۔ بیاضِ مسیحا: (حصہ اول، حصہ دوم موسوم بہ مطب کلاں، حصہ سوم المعروف بہ لال بیاض)

اس میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور ان کے خاندان کے مجربات و معمولات درج ہیں۔

۱۴۔ کتاب العلاج:

یہ کتاب طب جدید اور قدیم کی بہترین کتابوں کا خلاصہ ہے، ابتداء میں تاریخِ طب، تشریح، حفظانِ صحت، اصولِ علاج، ماہیت، اسباب، علامات، تشخیص، فروق الامراض اور انجام وعوارض کو نظام وار اور سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔ علاج میں عام ہدایات، اصول علاج اور بہترین نسخوں کے علاوہ اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ مرض کی مختلف صورتوں اور مختلف اوقات سے متعلق نسخے آجائیں۔

۱۵۔ تلخیصِ طب موسوم بہ جداول جالینوس:

یہ ایک پرانی قلمی بیاض کا ترجمہ ہے۔ اس میں جدول کی صورت میں مرض کا نام، طبیعت، نبض، بول، اغذیہ، ادویہ اور فصد کا تذکرہ ہے۔

۱۶۔ مختصر الکلیات:

اصول وکلیات کی مختصر مگر مفید کتاب ہے۔ جس میں رموز تشخیص نبض، قارورہ، اصول علاج، اسباب مرض اور حفظان صحت وغیرہ سے متعلق امور، سادہ زبان میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب موجز القانون کا بامحاورہ ترجمہ اور شرح ہے۔ اس کے آخر میں فرہنگ بھی شامل ہے۔

۱۷۔ کلیات اقسرائی:

یہ اقسرائی کا اردو ترجمہ اور شرح ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی پہلی اشاعت ۱۹۲۵ء میں کریمی پریس، لاہور سے عمل میں آئی تھی۔

۱۸۔ دستور الاطباء:

اسے ادارۂ مشیر الاطباء نے حکیم محمد حسن قرشی کی نگرانی میں ترتیب دیا ہے۔ اس میں خاندان شریفی، خاندان عزیزی، خاندان رضوی (دہلی)، حکیم مفتی سلیم اللہ لاہوری اور حکیم نورالدین بھیروی کے معمولات اور مجربات درج ہیں۔

۱۹۔ کتاب الکلیات حصۂ عملی:

یہ جمال الدین اقسرائی کی شرح موجز القانون کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔

۲۰۔افادات اجمل:

اس میں حکیم اجمل خاں کے حالات زندگی اور ان کے طبّی رموز تحریر ہیں۔

۲۱۔چیچک وخسرہ:

اس میں ان امراض سے متعلق طبّی وڈاکٹری علاج کا تذکرہ ہے۔

۲۲۔تذکرۂ مسیح الملک:

مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے سوانحی حالات پر مشتمل ایک اہم دستاویز ہے، اس کا شمار حکیم اجمل خاں کے اہم سوانحی مآخذ میں ہوتا ہے، یہ کتاب دراصل مشیر الاطباء کا ماہ نومبر ودسمبر کا خصوصی شمارہ ہے، اسے قرشی نے تالیف کیا ہے۔

۲۳۔خواص المفردات:

اس میں مفردات کی تفصیلات درج ہیں۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ ماہنامہ رہنمائے صحت (فیصل آباد، پاکستان) شفاء الملک نمبر، جلد ۲۸، شمارہ ۳-۲، اکتوبر۔نومبر ۱۹۸۴ء

۲۔ جامع الحکمت (جلد اول) از شفاء الملک محمد حسن قرشی، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، غیر مورخ

۳۔ بیاض خاص، مرتبہ شفاء الملک محمد حسن قرشی، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، غیر مورخ

۴۔ ہندوستان میں اردو طبّی صحافت۔آغاز وارتقاء، مرتبہ اسعد فیصل فاروقی، مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، ۲۰۱۱ء

۵۔ مشیر الاطباء لاہور (ماہنامہ) جلد ۳، شمارہ نمبر ۶، مارچ ۱۹۲۵ء

۶۔ تذکرۂ مسیح الملک، مرتبہ محمد حسن قرشی، کریمی پریس، لاہور، غیر مورخ

۷۔ ناموس الاطبا، مؤلفہ حکیم پیر محمد کاوش، ادارہ خزینۂ صحت ومکتبۂ خزینۂ علوم، گجرات، ۱۹۶۰ء، ص ۲۴۶-۲۴۴

۸۔ تاریخ طب، مؤلفہ آغا اشرف، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، غیر مورخ ص ۱۵۱-۱۵۰

۹۔ تذکرۃ الاطبا، مرتبہ حکیم ریاض احمد قرشی، مکتبہ مشیر الاطباء، لاہور، طبع ثانی ۱۹۶۳ء، ص ۳۳، ۱۵۹-۱۵۷

۱۰۔ مشاہیر طب یا تذکرۃ الاطبا، مرتبہ حکیم محمد صلاح الدین نعمانی، مکتبہ انیس صحت، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۸۹-۱۸۷

۱۱۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین ومترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعتِ دوم ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۳-۲۳۲

•••

منشی حسیب الدین احمد سوزاںؔ

حسیب الدین احمد نام اور سوزاںؔ تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام خواجہ معین الدین انصاری تھا۔ سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ ادبیات ولسانیات اور زبان و بیان کے ماہر تھے اور شعروادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا شمار غالب کے تلامذہ میں ہوتا ہے، عرصہ تک ان سے استفادہ کرتے رہے ہیں، وہ ذہین، طباع، نازک خیال اور بلند پرواز تھے۔ انہوں نے 'اخبار الاخیار' کے ایڈیٹر کے طور پر بھی خدمت انجام دی ہے۔ 'گنجِ شایگاں' فنِ قافیہ کے ارکان واصول پر ان کی تالیف ہے، اسے انہوں نے مولانا جامی کے رسالہ قافیہ، عطاء اللہ عطامی کے بدائع الصنائع، نصیرالدین طوسی کے معیار الاشعار اور روضۃ القوافی کی مدد سے تالیف کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں مطبع نامی منشی نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ منشی حسیب الدین کی ایک طبی تالیف 'تریاقِ مسموم' ہے۔ یہ ۷۰ رصفحے کا رسالہ ہے، یہ دوسری بار ۱۸۷۹ء میں مطبع نامی منشی نول کشور سے طبع ہوا تھا، اس کی آٹھویں اشاعت ۱۹۱۳ء کی ہے۔ مفرداتِ رزاقی ان کی ترجمہ نگاری سے متعلق یادگار ہے۔

مفردات رزاقی: یہ حکیم ناصر علی غیاث پوری (وفات: ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ء) کی فارسی تالیف 'مفرداتِ ناصری' کا اردو ترجمہ ہے۔ ناصر علی اپنے عہد کے مشہور طبیبوں میں تھے، انہوں نے طب کی تعلیم حکیم ابراہیم بن یعقوب لکھنوی سے حاصل کی تھی۔ آرہ (بہار) میں ان کی سکونت تھی، یہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔ 'مفردات ناصری' کے علاوہ 'ناصر المعالجین فی الطب' بھی ان کی ایک اہم تالیف ہے۔ 'مفردات ناصری' جدول کے طرز پر لکھی گئی ایک مختصر جامع تالیف ہے۔ مرزا عبدالرزاق بیگ منصرم مطبع مجتبائی کی درخواست پر منشی حسیب الدین احمد سوزاںؔ نے اسے اردو جامہ پہنایا اور مرزا عبدالرزاق کے نام پر 'مفرداتِ رزاقی' اس کا نام رکھا، یہ ترجمہ مطبع جان جہاں، دہلی سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

منشی حبیب الدین احمد سوزاں کی تالیفات کے ذیل میں تاریخ عجیب در حالات حکمائے یونان اور تاثیر القلوب کا بھی ذکر ملتا ہے۔

سوزاں نے ۶۵ برس کی عمر میں ۱۸۸۹ء میں وفات پائی۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ مفردات رزاقی (اردو ترجمہ مفردات ناصری) از حبیب احمد سوزاں، مطبع جان جہاں، دہلی، غیر مورخ، ص ا

۲۔ نزہۃ الخواطر، جلد ۸، از عبدالحی حسنی، دار حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۸۸

۳۔ گنج شایگاں، مؤلفہ منشی حبیب الدین سوزاں، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۸۴ء، ص ۳، ۱۹

۴۔ خمخانۂ جاوید، جلد چہارم از لالہ سری رام، ہمدرد پریس، دہلی، ۱۹۲۶ء، ص ۲۸۹-۲۸۸

●●●

حکیم محمد حسین صدیقی نانوتوی

حکیم محمد حسین صدیقی بن مملوک علی صدیقی (بن احمد علی بن غلام شرف بن عبداللہ صدیقی) نانوتہ کے ایک علمی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا مملوک علی (وفات ۱۱رذی الحجہ ۱۲۶۷ ہجری مطابق ۷راکتوبر ۱۸۵۱ء) اور برادر بزرگ مولانا محمد یعقوب (۱۸۸۴ء-۱۸۳۳ء) اپنے عہد کے جید علماء اور اساتذہ میں تھے۔ حکیم محمد حسین کے اندر مروجہ تعلیم سے فراغت کے بعد طبی تعلیم کا شوق پیدا ہوا تو وہ دہلی آئے، یہاں حکیم محمود خاں سے کتب طبیہ کا درس لیا اور حکیم میر فیض علی تلمیذِ رشید عزت الدولہ خاں سے مطب و معالجہ کے رموز سیکھے، پھر ان سے اجازت لے کر نانوتہ آگئے یہاں ایک عرصہ تک ان کا قیام رہا۔ بالآخر تلاش معاش کے سلسلہ میں لکھنؤ گئے، وہاں مطبع منشی نول کشور کی ملازمت اختیار کی۔ مطبع کی جانب سے انہیں طب اکبر مؤلفہ حکیم محمد اکبر ارزانی کے ترجمہ کا کام تفویض ہوا جسے انہوں نے بخوبی پورا کیا۔ یہ ترجمہ ۱۲۸۱ ہجری مطابق ۱۸۶۴ء میں مکمل ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کا نام 'مظاہر العلاج' رکھا گیا۔ یہ نام حکیم محمد حسین کے بڑے بھائی مولانا محمد یعقوب نے تجویز کیا تھا۔ اس ترجمہ پر انہوں نے نظر ثانی بھی کی ہے اور تقریظ بھی لکھی ہے۔ ابھی یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا تھا کہ اسہال کبدی کے مرض میں حکیم محمد حسین کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی، لہٰذا ان کے بھائی مولانا محمد یعقوب اور دوسرے احباب نے منشی نول کشور سے اس کی اشاعت کی درخواست کی تاکہ اس کے ذریعہ علمی دنیا میں ان کا نام باقی رہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار مطبع منشی نول کشور سے ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا تھا، جو طبی حلقہ میں کافی مقبول ہوا، ۱۹۲۵ء میں یہ دسویں بار طبع ہوا ہے۔

مولانا محمد یعقوب لکھتے ہیں کہ محمد حسین صدیقی نے جب یہ ترجمہ مکمل کرلیا تو ایک روز انہوں نے

حکیم محمد اکبر ارزانی کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان کے پاس آئے ہیں اور اپنی اس فارسی تالیف کو اردو میں منتقل کرنے پر اظہار پسندیدگی فرما رہے ہیں۔

حکیم محمد حسین نے 'طب اکبر' کے اس ترجمہ میں مطالب کی توضیح و تعیین کے لیے 'شرح اسباب'، 'سدیدی' اور 'اقسرائی' جیسی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

حکیم محمد حسین کی تاریخ پیدائش اور وفات کا علم نہیں ہو سکا، لیکن وفات کے زمانہ کا تعین اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ ۱۸۶۴ء میں مکمل ہوا ہے اور ۱۸۷۰ء میں پہلی بار شائع ہوا ہے اور اس کی اشاعت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا، لہٰذا ان کا زمانۂ وفات ۱۸۶۴ء اور ۱۸۷۰ء کا درمیانی عرصہ ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- طب اکبر (اردو ترجمہ) از حکیم محمد حسین صدیقی، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، بار دہم ۱۹۲۵ء، ص ۱۳۳۱ اور ۶۲۸ - ۶۲۵

۲- نزہۃ الخواطر، جلد ۷، مؤلفہ عبدالحی حسنی، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۱۷ - ۱۱۱۶

۳- نزہۃ الخواطر، جلد ۸، مؤلفہ عبدالحی حسنی، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص ۱۴۰۳

۴- سوانح منشی نول کشور، مؤلفہ سید امیر حسن نورانی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۳

•••

حکیم حسین الدین احمد جون پوری

حسین الدین احمد بن شاہ نظام الدین احمد قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے تھے، بسلسلۂ ملازمت جون پور آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ یہاں وہ محمد عبدالجلیل رئیس اعظم جون پور (بیرسٹر ہائی کورٹ الہٰ آباد) کی ریاست کے منیجر تھے۔ حسین الدین کو علم کیمیا اور کیمیا گری کا بے حد شوق تھا۔ انہوں نے ہم خیال طبیبوں اور کیمیا دانوں کے ساتھ مل کر ۴ر مارچ ۱۹۰۴ء کو جون پور میں کیمیکل سوسائٹی کی تشکیل کی تھی تاکہ مشرق کے علم کیمیا سے متعلق سرمائے کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کر حکماء کے ادویاتی اعمال کی افادیت سائنس کی روشنی میں ثابت کی جاسکے۔ اس سوسائٹی کا دائرہ ہندوستان کے مختلف خطوں کے ساتھ بیرون ملک تک وسیع تھا۔ سوسائٹی کی جانب سے یکم مارچ ۱۹۰۵ء کو 'اخبار الکیمیا' کا اجراء عمل میں آیا۔ حسین الدین احمد اس سوسائٹی کے سکریٹری تھے۔ انہوں نے سوسائٹی کے اراکین کے اندر عملی تجربوں کی تحریک پیدا کی اور اس کے لیے مطلوب علمی سرمائے کو جمع وترتیب اور ترجمہ و تالیف کے ذریعہ سامنے لانے کی کوشش کی۔ 'الکیمیا' اور 'قدیمیا' سے ان کی ان مساعی کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ الکیمیا:

۲۳۲ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوئی تھی، جولائی ۱۹۲۹ء میں دارالکتب رفیق الاطباء والحکیم لاہور کی طرف سے یہ تیسری بار شائع ہوئی۔ 'الکیمیا' مندرجہ ذیل سات رسائل کے اردو ترجمہ کا مجموعہ ہے۔

۱۔ عقد سیماب، ترجمہ ہفت احباب مصنفہ قاضی شیخ حمید الدین ناگوری

۲۔ اعمال ذہب، ترجمہ ہفت کوکب مصنفہ شیخ سلیمان منڈوی

۳۔ کبریت احمر، ترجمہ سپت ساگر مصنفہ گیان ناتھ جوگی عرف شیخ سعادت مند

۴۔ حل زیبق، ترجمہ ہفت طبق مصنفہ سید ہاشم بخاری

۵۔ اکسیر اصفر، ترجمہ ہفت جوہر مصنفہ میراں سید طبیب اودھی

۶۔ کیمیائے اجسام، ترجمہ ہفت ایام مصنفہ شیخ نصیر الدین نارنولی

۷۔ سنگ راسخ، ترجمہ ہفت دوزخ مصنفہ شیخ محمد صادق ملتانی

یہ ساتوں رسائل ۶۲۱ ہجری مطابق ۱۲۲۵ء میں تصنیف ہوئے ہیں۔ حصین الدین نے اپنے بھائی مولوی فخر الدین حسین کے ایماء پران کا ترجمہ کر کے اس کے مجموعہ کو 'الکیمیا' کے نام سے موسوم کیا۔ مترجم نے ترجمہ کے ساتھ ضروری مقام کی توضیح وتشریح بھی کی ہے۔

۲۔ قدیمیا:

یہ دراصل 'الکیمیا' کا تسلسل ہے۔ ۴۳۲ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب گرو گیان ناتھ جوگی عرف شیخ سعادتمند کی تالیف 'سپت ساگر' کا ترجمہ اور شرح ہے۔ حصین الدین نے اسے ۱۴ر دسمبر ۱۹۰۷ء کو مکمل کیا تھا۔ یہ دوسری بار ۱۹۱۳ء میں دار الکتب رفیق الاطباء لاہور سے شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ الکیمیا، مترجمہ حکیم حصین الدین احمد، دار الکتب رفیق الاطباء، لاہور، طبع ثالث ۱۹۲۹ء، ص ۲-۱

۲۔ قدیمیا، مترجمہ حکیم حصین الدین احمد، دار الکتب رفیق الاطباء، لاہور، طبعِ ثانی ۱۹۱۳ء، ص ۹-۲، ۴۳۲-۴۲۹

•••

حکیم خالد جاوید شمسی

حکیم خالد جاوید شمسی ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۲ء کو ریاست رام پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ رام پور سے حاصل کی، یہاں انہیں مولانا جلیل احسن ندوی سے کسبِ فیض کا موقع ملا۔ خصوصاً عربی زبان وادب سے ان کی مناسبت مولانا ہی کے درس سے پیدا ہوئی تھی۔ خالد جاوید شمسی کے والد مولوی حافظ ذوالفقار احمد شمسی (۱۹۰۳-۱۹۷۷ء) مدرسہ عالیہ کے فارغ التحصیل تھے اور پیشہ تجارت سے وابستہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان کے بچے ان کے ساتھ مل کر خاندانی بزنس کو فروغ دیں۔ خالد جاوید شمسی کے بڑے بھائی وقار احمد پہلے ہی سے اس سے جڑے ہوئے تھے، چارو ناچار خالد جاوید شمسی کو اس سے وابستہ ہونا پڑا۔ مگر ان کا ذوق اسے قبول نہیں کرسکا، اس لیے انہوں نے اس کے ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب (۱۹۵۶ء)، ادیب ماہر (۱۹۵۷ء)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے اردو، گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج رام پور (ملحقہ روہیل کھنڈ یونیورسٹی) سے ایم اے انگریزی کی سند حاصل کرلی۔

حکیم خالد جاوید شمسی کی شخصیت کا یہ قابل ذکر پہلو ہے کہ وہ کئی زبانوں کے ماہر تھے اور اس مہارت کی سند رکھتے تھے۔ یہ کثیر لسانی دسترس ہی یونانی کونسل میں ان کے داخلے کا سبب بنی اور یہاں ترجمہ وتالیف کا کام انہیں تفویض ہوا، ۱۹۷۱ء میں ان کی ملازمت کا آغاز لکھنؤ سے ہوا۔ یہاں کے زمانۂ قیام میں انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا اور جامعہ عربیہ خزینۃ العلوم ملحقہ اتر پردیش الہٰ آباد بورڈ سے ۱۹۷۶ء میں فاضل طب وجراحت کا امتحان پاس کیا، چونکہ انہوں نے الہٰ آباد بورڈ سے فاضل طب وجراحت بھی کر رکھا تھا اس لیے طبی کتابوں کے ترجمے میں انہیں فنی مغایرت کی دشواریاں پیش نہیں آئیں۔ کونسل کی ملازمت کے دوران موہن ہومیو پیتھک کالج، لکھنؤ سے ۱۹۷۶ء میں BHMS کی

سند حاصل کی اور کونسل کی ملازمت کے ساتھ وہ ہومیو پیتھ کی پریکٹس بھی کرتے رہے، یہ طرزِ عمل کچھ لوگوں کے لیے خلجان کا باعث ہو سکتا ہے کہ ملازمت تو یونانی کونسل میں اور پریکٹس ہومیو پیتھ کی، حالانکہ طب یونانی کی ان کو خوب استعداد تھی اور اتنی تھی کہ یونانی طب کے علمی مباحث پر نقد ونظر کی صلاحیت رکھتے تھے، لہٰذا عملی لیاقت بھی بہم پہنچا لینا کوئی مشکل امر نہیں تھا، لیکن انہوں نے یونانی کے بجائے ہومیو پیتھ کا مطب و معالجہ اختیار کیا، اس سے اتنا تو اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ تقلیدِ محض کے آدمی نہیں تھے، بلکہ لیک سے کچھ ہٹ کر سوچنے والوں میں سے تھے۔

شمسی صاحب کی تصنیفات و تالیفات اور تراجم کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے۔ ادبیات دکن، جنوبی ہند کا قدیم اردو ادب، آکاش پاتی کی باتیں (ہندی)، آفاقی ترجمہ قرآن، قرآن مجید کی بلیغ قسمیں، ہومیو پیتھ کی ڈائری ان کی غیر طبّی تالیفات ہیں۔ یونانی طب سے متعلق ان کی کتابیں درج ذیل ہیں:

۱- گھریلو دوائیں: یہ العلا پبلی کیشنز، نئی دہلی سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی ہے، پہلے اس کی اشاعت 'روزمرہ کی دوائیں' کے نام سے ہوئی تھی، دوسری اشاعت میں مشمولات کے اندر کسی قدر ترمیم اور حذف و اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے مالہٗ و ماعلیہ کا اندازہ اسکے نام ہی سے ہو جا رہا ہے کہ اس میں روزمرہ کے استعمال کے بآسانی دستیاب ہو جانے والے نسخے لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف میں الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ ابن بیطار، محیط اعظم حکیم محمد اعظم خاں، خزینۃ الادویہ حکیم نجم الغنی اور خزینۃ العلاج فی کل ما یحتاج حکیم محمد عبد الحکیم بطور ماٴخذ مؤلف کے پیش نظر رہی ہیں۔

۲- درد، علامت اور علاج: ۱۹۴۵ء میں رسالہ 'الحکیم' نے درد پر ایک خصوصی شمارہ شائع کیا تھا، اس کی اہمیت کے پیش نظر خالد جاوید شمسی نے اس کی ترتیب اور تہذیب و تدوین کی ہے۔ یہ ۱۹۹۱ء میں ترقی اردو بیورو، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس پر اتر پردیش اردو اکادمی نے خالد جاوید شمسی کو ایک ہزار روپے کے نقد انعام سے نوازا تھا۔

۳- طبیب کی ڈائری: یہ کتاب یونانی مطب و معالجہ کے مقصد سے لکھی گئی ہے، یہ فرید بک ڈپو، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

۴- کلیاتِ ادویہ: یہ متعلقہ موضوع پر ایک درسی تالیف ہے۔ ۸۷-۱۹۸۶ء میں اتر پردیش اردو اکادمی

نے اس کتاب پر ۷۵۰۰/ روپے کا انعام اور توصیفی سند عطا کیا تھا۔

طبی تراجم:

حکیم خالد جاوید شمسی ۱۹۷۱ء سے ۲۰۰۱ء تک سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کی ملازمت میں رہے، ۳۰/ برس کے اس عرصہ میں پٹنہ، لکھنؤ اور دہلی میں واقع لٹریری ریسرچ یونٹ اور انسٹی ٹیوٹ میں انہوں نے خدمت انجام دی۔ کتاب الابدال از زکریا رازی، کتاب العمدہ فی الجراحہ از ابن القف، کتاب المنصوری از زکریا رازی، الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ از ابن بیطار کے ترجمہ اور ان کے متون کی تہذیب وتدوین میں ان کا حصہ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا کیسا اور کتنا اشتراک عمل رہا ہے، اس کی تفصیل ان کتابوں کے پیش لفظ سے ہوتی ہے، جو کونسل کے سربراہان کے ذریعہ لکھے گئے ہیں:

''یہ کام تبارک کریم تکمیلی (مرحوم)، حکیم غلام مہدی اور جناب خالد جاوید شمسی نے یونٹ کے پروجیکٹ آفیسر حکیم شکیل احمد شمسی مرحوم کے زیر نگرانی انجام دیا''۔

[کتاب الابدال۔ پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق]

''کتاب العمدہ کی اس پہلی جلد کا ترجمہ کونسل کے تحت قائم شدہ لٹریری ریسرچ یونٹ، تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں حکیم شکیل احمد شمسی مرحوم پروجیکٹ آفیسر کے زیر نگرانی حکیم تبارک کریم تکمیلی مرحوم، حکیم غلام مہدی اور جناب خالد جاوید شمسی نے کیا ہے''۔

[کتاب العمدہ فی الجراحہ، جلد اول۔ پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق]

''دوسری جلد کا اردو ترجمہ ابتداً حکیم ظفر اللہ مرحوم (اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر، یونانی) نے کیا تھا بعد ازاں حکیم سید غلام مہدی (اسسٹنٹ ڈائرکٹر، یونانی) اور حکیم خالد جاوید شمسی (اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر، یونانی) نے نظر ثانی کر کے اس کو موجودہ شکل دی ہے''۔

[کتاب العمدہ فی الجراحہ، جلد دوم۔ پیش لفظ از آر کے مکھی]

''ترجمہ کا اصل کام لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، نئی دہلی میں حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی (اسسٹنٹ ڈائرکٹر انچارج) کے زیر نگرانی حکیم محمد یوسف (ریسرچ آفیسر یونانی) اور حکیم خالد جاوید شمسی (ریسرچ آفیسر، یونانی) نے انجام دیا''۔

[الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ، جلد چہارم۔ پیش لفظ از پروفیسر انیس احمد انصاری]

''اس کتاب کا ترجمہ کونسل کے ایماء پر ابتدا میں حکیم اشرف کریم (سابق پرنسپل گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ) نے کیا تھا، جو خدا بخش لائبریری پٹنہ کے مخطوطہ پر مبنی ہے۔ دریں اثنا نسخۂ حلب کی فراہمی کے بعد

کونسل کے لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے کارکنان حکیم خالد جاوید شمسی اور حکیم وسیم احمد (اسسٹنٹ ریسرچ آفیسرز) نے اس ترجمہ کو نسخۂ حلب سے مزید تقابل کیا''۔

[کتاب المنصوری (اردو ترجمہ)، پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق)

حکیم خالد جاوید شمسی ایک عرصہ سے بستر علالت پر پڑے تھے، ۱۳؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز چہار شنبہ پانچ بجے شام اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ دوسرے روز صبح کو دہلی کے بٹلہ ہاؤس قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

مطالعاتی مآخذ

۱- ہومیو پیتھ کی ڈائری از خالد جاوید شمسی، شعمی آفسیٹ پریس، نئی دہلی، ۹-۲۰۰۸ء، ص ۷-۶

۲- کتاب الابدال از ابوبکر محمد بن زکریا رازی (اردو ترجمہ) [پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

۳- کتاب العمدہ فی الجراحہ، جلد اول از ابن القف مسیحی (اردو ترجمہ)، [پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء، ص ۵ تا ۶

۴- کتاب العمدہ فی الجراحہ، جلد دوم از ابن القف مسیحی (اردو ترجمہ)، [پیش لفظ از آر کے مکھی]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، غیر مورخ، ص ۶

۵- الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ از ابن بیطار، جلد چہارم (اردو ترجمہ)، [پیش لفظ از پروفیسر انیس احمد انصاری]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۶

۶- کتاب المنصوری (اردو ترجمہ)، [پیش لفظ از حکیم محمد عبدالرزاق]، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

•••

حکیم محمد خلیل احمد قادری جائسی

حکیم محمد خلیل احمد قادری جائسی ۷رفروری ۱۹۲۵ء کو اودھ کے مردم خیز قصبہ جائس میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسبی سلسلہ خواجہ عبداللہ پیر ہرات سے ملتا ہے۔ خلیل صاحب کا تعلق ایک علمی اور مذہبی خانوادہ سے تھا۔ برطانوی عہد حکومت میں ان کے خاندان کے کئی بزرگ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے، خود ان کے والد عبدالحفیظ صاحب انسپکٹر آف سروے کے عہدہ پر تھے، وہ جائس کے مشہور عالم طبیب حکیم سید شاہ علی حسن احمد کے تلامذہ میں تھے۔

خلیل صاحب کی دینی اور مذہبی تعلیم قصبہ جائس کے مدرسہ محمدیہ جامع مسجد اور مدرسہ محلّہ قضیانہ میں ہوئی، یہاں مولانا سید رفاقت حسین جیسے عالم دین سے انہیں استفادے کا موقع ملا۔ خلیل صاحب کی شخصیت میں مذہبی اثرات بے حد غالب تھے۔ وہ مسلکاً اہل سنت و جماعت اور مشرباً قادری، چشتی، نظامی، نقشبندی اور مجددی تھے۔

علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد ۱۹۴۴ء میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے، ۱۹۴۹ء میں یہاں سے سند فراغت حاصل کی اور تدریس کو مشغلہ بنایا، یہ سلسلہ ۱۹۴۹ء میں بھارت طبیہ کالج سہارنپور سے شروع ہوا، یہاں ان کا قیام محض چند ماہ رہا، پھر حکیم عبدالحسیب کی دعوت پر تکمیل الطب کالج لکھنؤ آگئے، اس سے ان کی وابستگی ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۶ء تک رہی، یہاں ان کا تعلق خصوصاً شعبۂ تشریح سے تھا، تدریس کے ساتھ اس کی تنظیمی ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد تھیں، تاہم ضمناً معالجات، علم الادویہ اور طب قانون کی تدریس بھی وقتاً فوقتاً ان کے ذمہ رہی۔ نومبر ۱۹۵۶ء میں ان کا تقرر اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوا۔ یہاں ابتداً انہیں تشریح، حفظانِ صحت اور نبض کی تدریسی ذمہ داریاں

تفویض تھیں، پھر شعبۂ معالجات میں وہ ریڈر ہوئے۔ ضابطہ کے مطابق ۱۹۸۵ء میں ان کی مدت ملازمت پوری ہو رہی تھی، لیکن یونیورسٹی نے اس میں دو برس کی مزید توسیع کر دی۔ یہ ان کی حسنِ خدمت کا ایک بڑا اعتراف ہے، یونیورسٹی میں یہ اعزاز گنے چنے لوگوں کو ہی مل پاتا ہے۔ وہ ۱۹۸۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۸/ مارچ ۲۰۰۳ء کو علی گڑھ میں وفات پائی (حکیم وسیم احمد اعظمی نے سنہ وفات ۲۰۰۲ء لکھا ہے، یہ صحیح نہیں ہے)۔

حکیم خلیل احمد ایک اچھے استاذ، صاحب نظر اور صاحب قلم طبیب تھے۔ مگر ان کی شخصیت میں مطب و معالجہ کا پہلو زیادہ ممتاز تھا۔ ان کی معالجانہ حذاقت، فنی بصیرت اور ان کے طرزِ مطب کے بارے میں پروفیسر حکیم سید مودود اشرف لکھتے ہیں:

> ''وہ فن سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ مسائل پر اپنی رائے بھی رکھتے تھے۔ مرکبات و مفردات پر یکساں قدرت تھی، ان کے نسخوں میں لکھنؤ اسکول کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ مرض کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر مختلف مرکبات کو بڑے ماہرانہ انداز میں ایک دوسرے میں آمیز کرتے، پھر مفردات سے اس کو قوت دیتے۔ نسخہ کے اس انداز تحریر سے دوا زیادہ موثر اور زود اثر بن جاتی۔ نسخہ کی تحریر میں یہ ان کی اپنی روش تھی، جو ان کو ہم عصروں سے ممتاز کرتی تھی۔ طبّی علاج پر ان کو حد درجہ عبور بھی تھا اور اعتماد بھی۔ اس باب میں وہ کبھی نہ کسی سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی ایلوپیتھی کی دقیق سائنسی تحقیقات سے مغلوب ہوئے، اپنے اس خیال پر تازیست قائم رہے کہ طبّی علاج میں وہ سب کچھ موجود ہے، جس کا وقت ہم سے تقاضا کر رہا ہے''۔

حکیم خلیل احمد کے طرز نگارش میں شستگی، روانی اور طرزِ استدلال میں منطقی انداز ایک بڑے ہی خاص وصف کی صورت میں محسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں ایک مقصد نظر آتا ہے، یہ بات اس لیے اہم ہے کہ آج کل کی طبّی تحریروں کو پڑھنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ یہ کیوں لکھی جا رہی ہیں۔

ترجمہ و تالیف کی صورت میں حکیم خلیل احمد کے قلمی آثار درج ذیل ہیں۔

۱- اطباء قدیم اور قلب: یہ دراصل ایک مقالہ ہے، جسے حکیم خلیل احمد نے ۱۹۵۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا تھا، اس میں قدماء کے حوالہ سے قلب کی تشریح اور منافع بیان کرتے ہوئے Modern Anatomy کی روشنی میں اطباء کے نقطۂ نظر کی توثیق کی گئی ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ اتنا پسند کیا گیا کہ اجمل خاں طبیہ کالج کے پرنسپل حکیم عبداللطیف فلسفی

کا اعلان کیا۔ علامہ حکیم محمد کبیر الدین نے اسے یونیورسٹی کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعلان کیا۔ علامہ حکیم محمد کبیر الدین نے اس مقالہ کی تحسین کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ کسی Thesis سے کم نہیں ہے، اس پر تو پی ایچ ڈی کی ڈگری ایوارڈ ہو سکتی ہے۔ یہ مقالہ ۱۹۶۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام جمال پرنٹنگ پریس دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۲- نبض ایک تنقیدی اور تحقیقی جائزہ: نبض کے موضوع پر یہ تالیف دراصل ان مضامین کا مجموعہ ہے جو طبیہ کالج میگزین میں سلسلہ وار شائع ہوئے، بعد میں ان کی تہذیب کرکے کتابی صورت دے دی گئی۔ اس میں مؤلف نے موجودہ عہد کے طلبہ کے ذہنی افق کو سامنے رکھ کر علمی موشگافیوں اور طرزِ استدلال کے بجائے سادہ اور عام فہم انداز میں نبض کے مسائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس تالیف کا اہم مقصد نبض کو ایک عملی مضمون بنانے کی سعی ہے۔ یہ مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳- تاجدار حرم کے طبی رموز: یہ طب نبوی پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس میں فرمودات نبویؐ کی روشنی میں جسمانی اور روحانی صحت کے اصول، حضورؐ کی مرغوب غذاؤں اور خورد و نوش کے اسلامی آداب کا تذکرہ ہے۔ یہ رسالہ حکیم خلیل احمد کی دینی اور مذہبی شخصیت کا ایک عکس جمیل ہے۔ یہ نیو انڈیا پرنٹرس، علی گڑھ سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

۴- یونانی شفائیات کے نئے افق:- اس میں مؤلف نے پیچش، دق رئوی اور دمہ کے تعلق سے اپنے کلینکی تجربات و مشاہدات بیان کیے ہیں۔

'مقدمہ' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ورم گردہ (Nephritis) کا بیان بھی تھا، مگر زیر نظر اشاعت میں یہ شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے یہ رسالہ بے حد اہم ہے۔ یہ بھی نیو انڈیا پرنٹرس، علی گڑھ سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

موخر الذکر دونوں رسالے مؤلف کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے ڈاکٹر جنید احمد قادری (ایسوسی ایٹ پروفیسر انجینئرنگ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) نے شائع کیے ہیں۔

۵- ترجمہ کتاب العمدہ فی الجراحہ: یہ کتاب العمدہ فی الجراحہ مؤلفہ ابن القف مسیحی کا اردو ترجمہ ہے، اسے حکیم خلیل احمد نے شفاء الملک حکیم عبد اللطیف فلسفی کے ایماء پر انجام دیا ہے۔ یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ڈاکٹر جنید احمد قادری اس کی اشاعت کے خواہش مند ہیں، انہوں نے اس ترجمہ کی ایک عکسی

نقل فراہم کر کے اشاعت کے سلسلہ میں مجھ سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ ان کے فراہم کردہ ترجمہ کا عکسی مسودہ صرف ان تین ابتدائی مقالوں کا ہے، جو حصہ تشریح سے متعلق ہیں۔ حالانکہ حکیم خلیل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوری کتاب کا ترجمہ کیا ہے، لہذا میرے کہنے پر ڈاکٹر جنید احمد قادری باقی حصوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مطالعاتی مآخذ

۱- انٹرویو از حکیم محمد خلیل احمد قادری، نوائے طب وصحت، جلد ۸، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۹۹ء، ص ۷-۲

۲- طبی دنیا کا مشہور نبض شناس: حکیم خلیل احمد جائسی از ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، نوائے طب وصحت، جلد ۱۲، شمارہ ۱، جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۵-۲ اور ۳۸

۳- یونانی شفائیات کے نئے افق [پیش لفظ بعنوان کچھ استاذ محترم کے بارے میں از پروفیسر حکیم سید مودود اشرف] مطبوعہ نیو انڈیا پرنٹرس، علی گڑھ، غیر مورخ ص ۱۲-۱۱

۴- تکمیل الطب کالج کے صاحب تصنیف اطباء از حکیم وسیم احمد اعظمی، جہان طب (تکمیل الطب کالج نمبر) جلد ۴، شمارہ ۱، ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۲۳۰-۲۲۸

•••

ڈاکٹر خورشید حسین

ڈاکٹر خورشید حسین (ایم بی سی ایچ بی۔ ایڈنبرا) طب جدید کے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ وہ دواخانہ عثمانیہ میں سول سرجن کے عہدہ پر فائز تھے، اس کے علاوہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے سررشتۂ تالیف وترجمہ کے رکن تھے۔ ترجمہ نگاری سے متعلق ''امراض چشم'' ان کی یادگار ہے۔

امراض چشم: یہ چارلس ایچ مے اور ڈاکٹر کلاڈورتھ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، اسے ڈاکٹر خورشید حسین نے انجام دیا ہے۔ اس ترجمہ میں حکیم مولوی ہبۃ اللہ نے ان کی معاونت کی ہے۔ ڈاکٹر محمد عثمان خاں (LMS) رکن سررشتۂ تالیف وترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ یہ ترجمہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن سے ۱۳۵۹ھ/۱۳۵۰ف/۱۹۴۰ء میں شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- تذکرۂ اطباءِ عہد عثمانی از حکیم شفا حیدرآبادی، مطبوعہ صحیفہ پریس، ۱۹۵۲ء، ۱۷۸-۱۷۷ اور ۲۰۴-۲۰۰

•••

مولوی خورشید علی

مولوی خورشید علی ضلع محبوب نگر (حیدر آباد۔ دکن) کے رہنے والے تھے۔ اپنے وطن ہی میں ابتدائی تعلیم پائی اور حفظ قرآن کیا، بعدازاں جامعہ نظامیہ حیدر آباد سے مولوی کا امتحان پاس کر کے مظاہر العلوم سہارن پور سے فضیلت کی سند حاصل کی۔

مولوی خورشید علی ۱۹۷۴ء میں سالار جنگ میوزیم سے بطور ریسرچ اسسٹنٹ وابستہ ہوئے اور ۱۹۹۸ء میں ریسرچ آفیسر کے عہدہ سے سبک دوش ہوئے۔ انہوں نے ملازمت کے دوران سالار جنگ میوزیم میں محفوظ 'شریعۃ الاسلام الی دار السلام' کے خطی نسخہ کی تہذیب وتدوین کی تھی، ایک عرصہ تک وہ اس کی اشاعت کے لیے کوشاں رہے، جب اس کی کوئی سبیل پیدا ہوتی نظر نہیں آئی تو جھنجھلا کر اسے فروخت کر دیا، خریدار نے اس کا خوب استعمال کیا، اس نے اسے اپنا تحقیقی مقالہ بنا کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، پھر اسے شائع کر کے علمی دنیا سے خوب داد و تحسین حاصل کی۔ اسے سعودی حکومت کی طرف سے اس کام لیے گراں قدر انعام بھی ملا تھا۔

مولوی خورشید علی کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی لکھی ہوئی درجنوں کتابیں عربی، فارسی اور اردو کے اساتذہ اور اسکالروں کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ اجرت پر پی ایچ ڈی کے مقالے لکھ دینا ان کے لیے معمولی اور معمول کی بات تھی۔

حکیم خورشید علی کا شمار حیدر آباد کی علمی اور مذہبی شخصیات میں تھا۔ وہ جامعہ نظامیہ حیدر آباد کی مجلس شوریٰ کے رکن اور جامع مسجد فتح اللہ میں خطیب اور امام تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے اور کئی اداروں سے بھی ان کا تعلق تھا۔

المعالجات البقراطیہ: کا شمار یونانی طب کے اہم مراجع میں ہے۔ یہ عربی عہد کے معروف طبیب ابوالحسن احمد بن محمد طبری کی تالیف ہے۔ لسانی مغایرت مزید براں عدم دستیابی کی وجہ سے یہ نا قابلِ استفادہ تھی، ایک عرصہ سے اس کی اشاعت اور ترجمہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ یہ کام سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی کے زیراہتمام انجام پایا۔ اس کے لیے مولوی خورشید علی اور مولوی عارف الدین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ انہوں نے نظامیہ طبی کالج میں محفوظ 'معالجات بقراطیہ' کے خطی نسخہ سے ترجمہ کا کام انجام دیا، جو سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۹۵ء میں اور دوسری و تیسری ۱۹۹۷ء میں طبع ہوئی ہیں۔

راقم کو مولوی خورشید علی کی سوانحی معلومات جناب احمد علی صاحب سے حاصل ہوئی ہیں، موصوف سالار جنگ میوزیم کے شعبۂ مخطوطات میں کیوریٹر ہیں، وہ ایک عرصہ تک مولوی خورشید علی کے رفیقِ کار رہے ہیں۔

•••

شفاء الملک حکیم دلبر حسن خاں

شفاء الملک حکیم دلبر حسن خاں ۱۵/اسوج ۱۹۵۱ بکرمی کو پٹیالہ کے مشہور قصبہ سنام میں پیدا ہوئے۔ بکرمی کیلینڈر ۵۷/سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور اسوج کا مہینہ وسط ستمبر سے وسط اکتوبر تک ہوتا ہے، اس اعتبار سے عیسوی سنہ کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۳۰/ستمبر ۱۸۹۴ء ہوتی ہے۔ دلبر حسن خاں کا تعلق ایک عظیم المرتبت بھٹی راجپوت خاندان سے تھا۔ اس خاندان میں کئی سو برس تک طبابت اور حذاقت کا سلسلہ اور اس کے افراد کو شاہی طبیب ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ ان کے خاندان کے کئی بزرگ مہاراجہ پٹیالہ کے طبیب خاص رہے ہیں، اس کے عوض میں ان کے خاندان کو حکومت پٹیالہ کی طرف سے آراضیاں اور معافیاں ملی ہوئی تھیں۔ ان کے خاندان کے ایک بزرگ کو نادرشاہ نے حکیم باشی کا خطاب عطا کیا تھا، خود حکیم دلبر حسن کو برٹش گورنمنٹ کی طرف سے شفاء الملک کا خطاب ملا ہوا تھا۔ اس خطاب سے مفتخر ہونے والے وہ پنجاب کے پہلے طبیب تھے۔ دلبر حسن خاں مہاراجہ والئ بڑودہ کے طبیب خاص تھے۔

شفاء الملک حکیم دلبر حسن خاں کا حافظہ نہایت عمدہ تھا، انہوں نے محض چودہ برس کی عمر میں 'رباعیات طب یوسفی' حفظ کر لیا تھا۔ دلبر حسن خاں نے طب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد حکیم خلیفہ محمد علی خاں سے پڑھیں، ۱۹۶۶ بکرمی میں والد کی وفات کے بعد تایا حکیم مہر علی خاں شاہی طبیب سے باقی تعلیم پوری کی اور انہیں سے مطب و معالجہ کے رموز سیکھے پھر طبیہ کلاسز لاہور کے امتحان میں شریک ہو کر طب کی سند حاصل کی۔ ان کی حذاقت کا دور دور تک چرچا تھا، امرا اور والیان ریاست کے علاوہ بہت سے یورپی افسران بھی ان کے زیر علاج رہے ہیں۔ یہ اعزاز بہت کم ہندوستانی طبیبوں کے حصہ میں آیا ہے۔

تقسیم سے پہلے پنجاب کا شمار ہندوستان کے اہم طبی مراکز میں تھا، طبی صحافت، تحریک اور تعلیم کے حوالہ سے یہاں جو کام انجام پائے ہیں ان سے یونانی طب کے تحفظ، احیا اور نشر و اشاعت میں بڑی مدد

ملی ہے۔ یہاں پر طبی صحافت، تحریک اور تعلیم کے فروغ میں حکیم دلبر حسن کی خدمات نہایت بیش قدر ہیں۔

شفاء الملک حکیم دلبر حسن کا سب سے اہم کارنامہ بھوپندر طبیہ کالج کا قیام ہے، اسے انہوں نے ۱۹۲۵ء میں قائم کیا تھا، ابتدا میں اس کا نام دارالعلوم طبیہ تھا، مگر ریاست کی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے اسے مہاراجہ پٹیالہ، بھوپندر کے نام موسوم کر دیا گیا۔ اس کالج کو صوبۂ پنجاب کی پہلی باقاعدہ طبی درس گاہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کے ذریعہ پنجاب اور اس کے اطراف میں طبی تعلیم کی اشاعت ہوئی۔

'الشفاء' کے نام سے اس کالج کا ایک ماہانہ ترجمان بھی تھا، دلبر حسن خاں اس کے سرپرست تھے۔ یہ رسالہ ابتدا میں پٹیالہ سے شائع ہو رہا تھا مگر بعد میں اس کا مرکزی دفتر دہلی منتقل ہو گیا تھا۔

معاصر طبی تحریکوں سے بھی دلبر حسن خاں کو بے حد دلچسپی تھی۔ وہ آل انڈیا طبی کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ ان کے خاندانی کتب خانہ میں مطبوعات و مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ مطالعہ اور کتب بینی کا ذوق انہیں وراثت میں ملا تھا۔

شفاء الملک حکیم دلبر حسن خاں تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، وہ درج ذیل کتابوں کے مؤلف اور مترجم ہیں:

۱۔ گنجینۂ مجربات: یہ ایک فارسی کتاب 'بحر الفوائد' کا اردو ترجمہ ہے، یہ پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا، طبی حلقہ میں اس نے بڑی پذیرائی حاصل کی تھی۔

۲۔ لب المجربات: یہ حکیم دلبر حسن خاں کی تالیف ہے۔

۳۔ طبی فارماکوپیا

مطالعاتی مآخذ

۱۔ رموز حکمت از حکیم محمد عبدالرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس گجرات، غیر مورخ، ص ۳۰-۲۸

۲۔ رموز الاطباء، جلد دوم از حکیم محمد فیروز الدین، دار الکتب رفیق الاطباء لاہور، طبع ثانی ۱۹۲۴ء، ص ۱۰۱۲-۱۰۱۰

۳۔ تذکرۃ الاطباء از حکیم ریاض احمد قریشی، مکتبہ مشیر الاطباء لاہور، طبع ثانی ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۱

۴۔ یونانی طب کا مغل اور برطانوی عہد از حکیم فخر عالم (زیر طبع)

۵۔ مشاہیر طب یا تذکرۃ الاطباء از حکیم سید سرفراز حسین انبالوی، مرکزی کتب خانہ، سمن آباد، لاہور (پاکستان)، غیر مورخ، ص ۱۰۵-۱۰۳

•••

حکیم دیوان کاہن چند کپور

حکیم دیوان کاہن چند کپور لاہور کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک عرصہ تک ریاست بلاس پور میں وزیراعظم کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ ریاستی انتظام و انصرام کی صلاحیت کے ساتھ وہ علمی و طبی ذوق کے بھی مالک تھے۔ وہ طبی حلقہ میں حکیم محمد اکبر ارزانی کی تالیف 'طبِ اکبر' کے مترجم کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ ترجمہ سردار جے ایس سنت سنگھ تاجرانِ کتب لاہور کی خواہش پر انجام دیا تھا، انہیں اس کی تکمیل میں چھ ماہ کا عرصہ لگا تھا۔ یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۲۴ء میں طبع ہوا تھا۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور سے ۱۹۸۸ء میں یہ دوسری بار شائع ہوا ہے، اس ترجمہ کی ایک اشاعت ہمدرد کتب خانہ لاہور سے ہوئی ہے، اس میں سنہ اشاعت مذکور نہیں ہے۔ پیشِ نظر ترجمہ کا حصۂ اول ۴۴۵ اور حصۂ دوم ۳۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، دونوں حصے یکجا شائع ہوئے ہیں۔

حالانکہ 'طبِ اکبر' کی درسی و نصابی اہمیت کے باعث اردو داں حلقہ کے لیے مطبع منشی نول کشور سے 'طب اکبر' کا ترجمہ شائع ہو چکا تھا، مگر یہ لفظی ترجمہ تھا، اس لیے مطالب کے اظہار اور معانی کی ترسیل کا مقصد صحیح طور پر پورا نہیں ہو رہا تھا۔ یہ امر محرک بنا کہ عام فہم اور بامحاورہ زبان میں اس کا ترجمہ کیا جائے۔ حکیم دیوان کاہن چند نے 'طب اکبر' کے ترجمہ میں ان تقاضوں کی رعایت کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ پر اعراب بھی لگا دیا ہے تاکہ قاری کو دشواری نہ ہو۔ مزید براں فارسی و عربی الفاظ اور ادویہ کے آگے بریکٹ میں ہندی نام بھی لکھ دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو لغات اور فرہنگوں کی ضرورت نہ پڑے۔

مطالعاتی ماخذ

۱- طب اکبر مؤلفہ حکیم محمد اکبر ارزانی [اردو ترجمہ از حکیم دیوان کاہن چند]، ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۱، ۳۳۵

•••

حکیم رحیم بخش سہارن پوری

حکیم رحیم بخش سہارن پوری صاحب علم وعمل طبیب تھے، دینی اور طبی تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے اپنے استاذ مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کی وصیت کے مطابق مطب و معالجہ کے ذریعہ شفائے ابدان کو مشغلہ بنایا اور فارغ اوقات میں خواہشمند طلبہ کو طب اور حدیث کا درس دیتے۔ صاحبِ رموز حکمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدرسہ عربیہ دار العلوم سہارن پور کے ناظم تھے۔ ۱۹۰۴ء میں وہ کسی کام سے دہلی گئے، وہاں ان کی ملاقات مولوی شاہ ظہیر الدین عرف سید احمد ولی اللہی سے ہوئی، جو مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے نبیرہ ہیں۔اثنائے گفتگو شاہ صاحب کے بزرگوں کی تصانیف کا ذکر آیا تو انہوں نے حکیم رحیم بخش سہارن پوری سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے برادر خرد حکیم شاہ محمد اہل اللہ (۱۱۱۶ھ-۱۱۸۲ھ) کی فارسی تالیف 'تکملۂ ہندی' کے اردو ترجمہ کے سلسلے میں خواہش ظاہر کی۔حکیم رحیم بخش، شاہ خانوادہ سے عقیدت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اس خواہش کی تکمیل کو ضروری سمجھا۔

تکملۂ ہندی بزبانِ اردو:

تکملۂ ہندی حکیم شاہ محمد اہل اللہ کی طبی تالیف ہے، اس میں ویدک کے اثرات بہت غالب ہیں، انہوں نے اسے موجز القانون کے فارسی ترجمہ سے فراغت کے بعد اس مقصد سے تالیف کیا تھا کہ دور افتادہ قریات، جہاں یونانی ادویات بسہولت دستیاب نہیں ہیں وہاں کے لوگوں کو ایسی دواؤں سے واقفیت بہم پہنچائی جائے جو ان کے قرب وجوار کا حصہ ہیں، نیز آزمودہ ہیں اور تجربے نے ان کی افادیت کی توثیق کر دی ہے۔حکیم شاہ اہل اللہ کی اس اہم تالیف کو حکیم رحیم بخش نے اردو جامہ عطا کیا۔یہ ترجمہ

'تکملۂ ہندی بزبان اردو' کے نام سے صفر المظفر ۱۳۲۴ھ مطابق اپریل ۱۹۰۶ء میں مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزیہ، دہلی سے طبع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ تکملۂ ہندی بزبان اردو، مترجمہ حکیم رحیم بخش سہارن پوری، مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزیہ دہلی، ۱۳۲۴ھ، ص ۳-۱

۲۔ رموز حکمت، مؤلفہ حکیم محمد عبدالرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس گجرات، غیر مورخ، ص ۱۰۱

●●●

حکیم رشید اشرف ندوی

اصل نام رشید احمد تھا، اعظم گڑھ ان کا ننیہال تھا، وہیں ۵ر ستمبر ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۸ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا، ۱۹۳۵ء میں یہاں سے طب کی تعلیم پوری کی۔ اس کے بعد تلاشِ معاش کا سفر شروع ہوا جو ایک غیر مختتم سلسلہ کی صورت میں تا حیات جاری رہا۔ وہ متنوع صلاحیتوں کے مالک تھے، اس لیے جب جہاں جو ملا اسے کرلیا، شاید زندگی نے انہیں پسند اور ناپسند کے اختیار کا موقع نہیں دیا تھا یا یہ طبیعت کی افتاد تھی کہ ایک جگہ استقلال کے ساتھ ٹھہر نہیں سکے۔ ۱۹۳۶ء میں 'الحکیم لاہور' سے، ۱۹۳۷ء میں 'ماہنامہ معین الشفا' اور ۱۹۳۹ء میں دفتر المسیح دہلی سے وابستہ رہے۔ ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیانی عرصہ میں اجمل طبیہ کالج بمبئی (ممبئی) میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ پھر ۱۹۳۹ء سے ۱۹۶۴ء تک وہ طبی دنیا سے لاتعلق رہے، اس زمانہ میں ان کی وابستگی لسانیات اور اردو ادبیات سے رہی۔ مولوی عبدالحق کے ساتھ 'ہندوستانی لغت' کی جمع و ترتیب میں ان کا اہم حصہ ہے۔ 'اردو کی جامعیت و ہمہ گیری اور مشرقی پاکستان میں اس کی ضرورت' کی تالیف بھی اسی عہد کی یادگار ہے۔ ۱۲۰ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب جدید اردو مرکز ڈھاکہ سے شائع ہوئی ہے۔ اسی زمانہ میں بسلسلۂ ملازمت امریکن قونصلیٹ اور ایشیا فاؤنڈیشن سے بھی ان کی وابستگی رہی۔ پھر حکیم نیّر واسطی اور حکیم محمد حسن قرشی کی دعوت پر کچھ دنوں مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں رہے۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۶ء تک طبیہ کالج لاہور میں رہے۔ یہاں سے سبکدوشی کے بعد سمن آباد لاہور میں 'شفا مرکز' کے نام سے مطب شروع کیا۔ حکیم محمد اشرف کی پوری زندگی سفر سے عبارت نظر آتی ہے، اس کی وجہ چاہے جو بھی ہو، مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے

حکیم محمد خالد صدیقی لکھتے ہیں:

''حکیم رشید اشرف ندوی تکمیلی ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے، وہ تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے عہد زریں کے پروردہ اور بابائے اردو مولوی عبدالحق کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ ماہر لسانیات بھی تھے اور ایک حاذق طبیب بھی، بلند پایہ مؤلف و مترجم بھی تھے اور کامیاب طبی صحافی بھی۔ وہ ایک کامیاب استاذ بھی تھے اور بلند نظر ادیب بھی۔ طب کے علاوہ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی لسانیات میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے مترجم کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی۔''

[پیش لفظ فردوس الحکمہ - اردو ترجمہ]

طبی دنیا میں حکیم رشید اشرف ندوی کی شہرت 'فردوس الحکمت فی الطب' مؤلفہ ابوالحسن علی بن سہل ربن طبری کے اردو ترجمہ سے ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۸۱ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی اور قومی طبی کونسل، اسلام آباد (پاکستان) سے شائع ہوا تھا۔ حکیم محمد اول شاہ سنبھلی نے اس ترجمہ کی لسانی تہذیب کی ہے، اسے شیخ محمد بشیر اینڈ سنز نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے۔

فردوس الحکمہ کے اردو ترجمہ کے تعارف میں حکیم محمد سعید لکھتے ہیں:

''طب میں اس کتاب کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر اردو میں اس کی اشاعت ایک اہم قومی اور علمی خدمت ہے۔ بارے اس خدمت کا اعزاز قومی طبی کونسل کو حاصل رہا ہے، جس نے محترمی حکیم رشید اشرف ندوی صاحب سے اس کا ترجمہ کرایا اور ہمدرد اکیڈمی کے اشتراک سے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ عربی نسخے کی نایابی کی بنا پر عربی متن اور ترجمے کی یکجا اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ اہل علم دونوں سے سیراب ہوسکیں''۔ [تعارف فردوس الحکمہ - اردو ترجمہ]

حکیم رشید اشرف ندوی کی ایک قابل قدر تالیف 'دور حاضر میں طب اسلامی کی افادیت و ضرورت۔ ایک تنقیدی جائزہ' ہے۔ یہ شفا مرکز لاہور سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- جہان طب (تکمیل الطب کالج نمبر) [تکمیل الطب کے صاحب تصنیف اطبا از حکیم وسیم احمد اعظمی] جلد ۴، شمارہ ۱، ۲، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۲۱۸

۲- فردوس الحکمہ فی الطب مؤلفہ ربن طبری، مترجمہ حکیم رشید اشرف ندوی، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹، ۲۰ اور ۲۳

•••

حکیم خواجہ رضوان احمد

بیسویں صدی میں برصغیر کے طبّی منظر نامہ پر جو چہرے بہت نمایاں محسوس ہوتے ہیں ان میں حکیم خواجہ رضوان احمد بن حافظ خواجہ عبد الحمید بھی ہیں، ان کا نسبی سلسلہ سید سالار مسعود غازی کے ہمشیرزادے حضرت شاہ کالے کے توسط سے خواجہ عبید اللہ احرار سے ملتا ہے۔ شاہ کالے کی شہادت کے بعد ان کے فرزند خواجہ محمد یعقوب سے نسبی سلسلہ دراز ہوا، انہوں نے حضرت سید احمد شہید کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ خواجہ رضوان احمد کی ولادت ۱۹۰۳ء اور ایک روایت کے مطابق نومبر ۱۹۰۶ء میں اتر پردیش کے ضلع بجنور کے قصبہ نہٹور میں ہوئی۔ حفظِ قرآن کے بعد انہوں نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ نہٹور سے عربی اور فارسی درسیات کی تحصیل کی، پھر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے، بعد ازاں مدرسہ عالیہ رامپور سے منطق و فلسفہ کا درس لیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج کی جماعت عربی میں داخل ہو کر ۱۹۲۴ء میں فاضل طب و جراحت کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا، اس نمایاں کامیابی پر انہیں تمغے اور انعام سے نوازا گیا تھا۔ طبّی کالج سے فراغت کے بعد انہوں نے زبدۃ الحکماء کی سند حاصل کی اور طبّی کالج دہلی میں ہاؤس فزیشین مقرر ہوئے۔ ۲۶/ جولائی ۱۹۲۶ء کو پٹنہ میں گورنمنٹ طبّی اسکول کا قیام عمل میں آیا، جب اساتذہ کی آسامیاں مشتہر ہوئیں تو اس کے امیدواروں میں خواجہ رضوان بھی تھے۔ موزوں افراد کے انتخاب کے لیے حکومت نے جو سلیکشن کمیٹی تشکیل دی تھی اس کے اراکین میں لکھنؤ سے حکیم عبد المجید اور حکیم عبد الحلیم اور دہلی سے حکیم محمد کبیر الدین شامل تھے، کمیٹی کے ممبران نے مضامینِ جدیدہ کے پروفیسر کے لیے خواجہ رضوان احمد کے نام کی سفارش کی۔ کم و بیش آٹھ برس انہوں نے یہاں تدریسی فرائض انجام دیے، پھر ۱۹۳۵ء میں طبّی کالج دہلی سے وابستہ ہو گیے،

یہیں سے ان کے علمی کاموں کا اصل زمانہ شروع ہوتا ہے اور وہ علمی افق پر جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

خواجہ رضوان احمد کا شمار علاّمہ حکیم محمد کبیر الدین کے ہونہار تلامذہ میں ہے، ان کی تربیتِ لوح وقلم میں علاّمہ کی شخصیت اوران کے ادارہ المسیح کا اہم حصہ ہے، اس کا اندازہ خواجہ صاحب کے قلمی آثار کے مطالعہ ومشاہدہ سے ہوتا ہے، جو بڑی حد تک علاّمہ کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔

دہلی کے زمانۂ قیام کے ابتدائی ایام میں خواجہ رضوان کی ادارہ المسیح سے وابستگی رہی، یہاں انہیں علاّمہ کے ساتھ کام کرنے اوران سے تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کے رموز سیکھنے کے مواقع ملے، بعد میں انہوں نے 'دار التالیفات' کے نام سے اپنا ادارہ قائم کرلیا تھا۔ بعض مورخین نے اسے علاّمہ اور خواجہ کے اختلاف پر محمول کیا ہے، جو درست نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ کسی معتبر تاریخی ذریعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہو پا رہی ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کی تباہ کاریوں کے دہلی پر جو اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں، اس میں قرول باغ کی شکل بڑی بھیانک نظر آتی ہے، اس وقت دہلی کے تمام طبّی ادارے یہیں واقع تھے، ان سب پر اس حادثہ کی ضرب پڑی۔ آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج، جامعہ طبیہ اور ادارہ المسیح کی طرح خواجہ رضوان کا 'دار التالیفات' بھی اس حادثہ کا شکار بنا، اس فساد میں اس ادارہ کے اثاثے تو تباہ ہوئے ہی خواجہ رضوان احمد کے کئی اہم مسودے بھی اس کی نذر ہو گئے، ان میں 'عیون الانباء فی طبقات الاطباء'، 'اخبار الحکماء'، 'القانون فی الطب' اور 'تاریخ ابن خلکان' کے تراجم اور 'کتاب الادویہ' کے مسودے شامل تھے۔ تباہ کاریوں کا یہ سلسلہ یہیں نہیں رکا بلکہ اس نے خواجہ رضوان کے اکلوتے بیٹے کی جان بھی لے لی، جواں سال بیٹے کی موت کا صدمہ نہایت حوصلہ شکن تھا، اس کے بعد وہ دلی میں رہنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے کہ یہاں رہ کر شاید وہ اپنے غموں کو بھلا نہیں پاتے، چنانچہ گورنمنٹ طبیہ کالج سلہٹ (اب یہ بنگلہ دیش میں ہے) کی دعوت پر انہوں نے دلی کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کرلیا۔ ۳/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو وہ بحیثیت پرنسپل اس کالج سے وابستہ ہوئے، تقریباً بیس برس اس عہدہ پر فائز رہ کر ۳۰/جولائی ۱۹۶۷ء کو سبکدوش ہوئے۔

گورنمنٹ طبیہ کالج سلہٹ کی ملازمت کے دوران یہاں کے تدریسی اور تنظیمی فرائض کے علاوہ ترجمہ وتالیف کے مشاغل بھی ان کی مصروفیات کا حصہ تھے، 'کتاب المعالج'، 'کتاب الجراحت'، 'امراض نسواں'، 'امراض اطفال'، 'کتاب الولادت'، 'طبّی لغت' وغیرہ اسی زمانہ کی یادگار ہیں، یہ سب انگریزی کتابوں کے ترجمے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سات جلدوں میں اسماء الادویہ مرتب کیا تھا،

نیز تاریخ بنگال اور خود نوشت بھی لکھی اور مولانا آزاد کی India wins freedom کا "تقسیم ہند" کے نام سے ترجمہ کیا تھا اور غالباً قرآن کی تفسیر پر بھی کچھ کام کیا تھا، مگر اس عہد کے اکثر علمی کام منظر عام پر آنے سے محروم رہے۔

درس وتدریس، ترجمہ وتالیف اور گورنمنٹ طبیہ کالج سلہٹ کی تنظیمی مصروفیات کے ساتھ حکومت پاکستان کے طبی اداروں سے بھی ان کی وابستگی رہی، ۱۹۵۱ء میں جب یہاں حکومت نے آیورویدک، یونانی اور ہومیو پیتھی انکوائری کمیٹی قائم کی تو خواجہ رضوان اس کے رکن مقرر ہوئے تھے، ۱۹۵۸ء میں پاکستان طبی بورڈ کے رکن بنائے گئے، حکومت نے انہیں فارما کوپیا کمیٹی کا کنوینر مقرر کیا، ۱۹۶۳ء میں قائم انڈی جینس میڈیسن انکوائری کمیٹی کے بھی وہ ممبر تھے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۸ء تک وہ بورڈ آف یونانی اینڈ آیورویدک سسٹم آف میڈیسن کے ممبر رہے ہیں۔

خواجہ رضوان احمد نے گورنمنٹ طبیہ کالج سلہٹ سے سبکدوشی کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کی اور 'دار التالیفات' کا دوبارہ اجرا کیا تاکہ تشنۂ تکمیل علمی منصوبوں کو پورا کر سکیں، مگر اس سلسلہ میں خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو پائی۔ کراچی کے زمانۂ قیام میں جامعہ شرقیہ ہمدرد کو بھی ان کی تدریسی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔

بیسویں صدی کے ربع ثانی وثالث میں اردو زبان میں ترجمہ وتالیف کی جو صالح روایت ملتی ہے، اس میں خواجہ رضوان کا بیش قدر حصہ ہے۔ ان کے اکثر قلمی آثار کا تعلق ترجمہ نگاری سے ہے۔ دراصل اس عہد کی ایک بڑی ضرورت تھی کہ درسی اور نصابی مواد کو زیادہ سے زیادہ اردو زبان میں منتقل کیا جائے تاکہ یہ زبان جو اب طبی درسگاہوں میں ذریعۂ تعلیم کے طور پر رواج پا رہی ہے اور اسے وسیلۂ اظہار بنایا جا رہا ہے، اس کے لیے ضروری سامان فراہم ہو سکے، اسی لیے خواجہ رضوان کی توجہ ترجمہ نگاری کی طرف زیادہ رہی۔ اس وقت ان کی تحریروں کا جو مختصر حصہ ہمارے سامنے ہے، وہ درج ذیل ہے۔

۱- ترجمہ وشرح کلیاتِ قانون

۲- ترجمۂ حمیاتِ قانون مع حاشیہ حکیم شریف خاں۔ یہ پہلی بار ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا

۳- ترجمۂ موجز القانون

۴- ترجمۂ کلیاتِ نفیسی

۵- ترجمۂ علاج الامراض (بڑی بیاض)

حکیم ہادی حسین مرادآبادی، حکیم فضل الرحمٰن اور حکیم محمد کبیر الدین نے بھی 'علاج الامراض۔ فارسی' کا اردو ترجمہ کیا ہے، حکیم خواجہ رضوان احمد کے اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کے اہتمام کے لیے حکیم محمد ظفر خاں، حکیم جمیل الدین اور حکیم فرید احمد عباسی کے قلمی نسخوں سے بھی مدد لی ہے۔ خواجہ رضوان نے اس ترجمہ کا آغاز ۱۹۳۶ء میں کیا تھا مگر بوجوہ یہ التواء کا شکار ہو گیا پھر ۱۹۳۸ء میں انہوں نے اسے دوبارہ شروع کیا۔ یہ دسمبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس ترجمہ کو خواجہ رضوان احمد نے حکیم عبدالحفیظ، حکیم عبدالواحد اور حکیم عبدالجلیل کے تعاون سے انجام دیا ہے۔

۶- ترجمہ شرح اسباب مع حاشیہ حکیم شریف خاں: باز اشاعت از سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

۷- دہلی کا صحیح مطب: مکتبہ دارالتالیفات، نئی دہلی، ۱۹۴۲ء

۸- دہلی کے صحیح مرکبات: مکتبہ دارالتالیفات، نئی دہلی، ۱۹۴۲ء

۹- علاج الجراحی

۱۰- طب قانونی (فقہ طبی)

۱۱- کتاب السموم

۱۲- منافع الاعضاء: مکتبہ دارالتالیفات، نئی دہلی، طبعِ دوم ۱۹۴۰ء

۱۳- تربیت اطفال، ناشران شیخ علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۵ء

۱۴- رسالہ آتشک مصور: مکتبہ دارالتالیفات دہلی، ۱۹۴۶ء

خواجہ رضوان کے علمی کاموں کی یہ نامکمل فہرست ہے، اس سے ان کے علمی کاموں کی محض آدھی ادھوری تصویر ہی سامنے آتی ہے، اگر ان کے سارے کام شائع ہو پاتے تو ان کا علمی مرتبہ زیادہ بہتر انداز میں سامنے آتا۔ تاہم یہ جس قدر بھی ہے، ان کو ایک بڑا مترجم اور مصنف و مؤلف ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان کی علمی صلاحیتوں کے حکیم اجمل خاں بھی معترف تھے اور ان کے بڑے قدر داں تھے۔ اسی طرح خواجہ رضوان بھی حکیم اجمل خاں سے مہر و محبت کا تعلق رکھتے تھے مزید براں ان کے تعلیمی و تحریکی مشن سے بے حد متاثر تھے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ اجملی تحریک کے علمبرداروں میں رہے اور تاحیات اس کے فروغ کے لیے کوشاں رہے اور علامہ حکیم محمد کبیر الدین کی طرح انہوں نے بھی مسیح الملک کے نصابی اصلاح کے مشن میں سرگرم حصہ لیا۔ حکیم خواجہ رضوان نے سرطان معدہ کے عارضہ میں بروز جمعہ ۸/دسمبر ۱۹۷۲ء کو وفات پائی، مگر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے طبی حلقے میں وہ آج بھی زندہ ہیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱- رموز حکمت از حکیم محمد عبدالرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس گجرات، غیر مورخ، ص۵۹-۵۸

۲- المسیح دہلی (دفتر المسیح دہلی) ستمبر ۱۹۲۶ء، ص۵۶

۳- قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، ۲۰۱۳ء، ص۲۳۰-۲۲۹

۴- سفرنامہ بنگلہ دیش از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، ۲۰۰۶، ص۱۱۶-۱۱۴

۵- بہار میں یونانی طب کا ارتقاء از حکیم سید منظر احسن، پٹنہ لیتھو پریس، ۱۹۸۵ء، ص۶۷-۶۶

۶- تاریخ طب از حکیم سید محمد حسان نگرامی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی (اشاعت پنجم) ۲۰۰۹ء، ص۴۹۶-۴۹۵

۷- تاریخ طب از آغا اشرف، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور (غیر مورخ)، ص۱۴۷-۱۴۶

۸- مشاہیر طب یا تذکرۃ الاطباء، مرتبہ حکیم محمد صلاح الدین نعمانی، مکتبہ انیس صحت، قصر الحکمت، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص۷۶-۷۳

۹- بڑی بیاض (ترجمہ علاج الامراض)، مطبوعہ دار التالیفات، قرول باغ، دہلی، ۱۹۳۹ء، ص۸-۱

●●●

حکیم محمد رضی الاسلام ندوی

حکیم محمد رضی الاسلام ندوی کے تعارف کے لیے کسی سابقہ یا لاحقہ کی ضرورت نہیں ہے، علمی دنیا کے لیے ان کا نام ہی ان کی شخصیت کا تعارف ہے۔ ان کے رشحاتِ قلم نے طالب علمی کے زمانے ہی میں اعتبار و استناد کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اگرچہ یہ ذہنی اور فکری نشو ونما کا عہد خیال کیا جاتا ہے، مگر اس تصور کے برعکس کم عمری ہی میں انہوں نے بالیدگی اور پختگی کا مظاہرہ کر کے علمی بلوغت کا ثبوت پیش کر دیا تھا، اکثر ایسی چیزوں کو زمانہ کی نظر لگ جاتی ہے، کچھ ایسا ہی معاملہ رضی الاسلام صاحب کے ساتھ ہوا۔ میں نے طبّی دنیا میں ہر شخص کو ان کی صلاحیتوں کا معترف دیکھا، لیکن صرف زبانی طور پر، جب عملی اعتراف کا موقع آیا تو ساری زبانیں خاموش نظر آئیں۔ اہلِ فن کے اس رویے سے ان کا ذہنی صدمے سے دوچار ہونا فطری ہے، لیکن اس طرزِ عمل سے فن کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ ایک بہت اچھی صلاحیت سے محروم ہو گیا۔ حالانکہ رضی صاحب نے فن کو بہت کچھ دیا ہے اور اب تک دے رہے ہیں، مگر ان کے پاس دینے کے لیے اس سے کہیں زیادہ تھا اور وہ اس سے بہت زیادہ دینے کے اہل تھے بشرطیکہ انہیں اس کا ایک موقع دیا جاتا، لیکن بدقسمتی کی وجہ سے ایسا نہیں ہو پایا۔

'صاحبِ قلم' کا لفظ، رضی الاسلام ندوی کی شخصیت کی تعبیر کے لیے نہایت موزوں اور حسب حال معلوم ہوتا ہے، اس خیال کی تائید ان کی بکثرت کتابوں سے ہوتی ہے جو ان کی عمر کی سنوی تعداد سے بھی زیادہ ہیں، تحقیقی مقالوں اور مضامین کی تعداد ان پر مستزاد ہے۔ ۱۹۶۴ء ان کا سنہ پیدائش ہے، اس لحاظ سے ان کی عمر پچاس برس ہوتی ہے جب کہ اب تک طب اور اسلامیات پر ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۵۴ سے زیادہ ہے، ان میں سے ۱۸/ طب سے متعلق ہیں اور ۳۶/ کا تعلق اسلامیات سے ہے۔

طبی ماخذ پر رضی الاسلام ندوی کی گہری نظر ہے، ان کی بیشتر تحریروں سے اس کا اظہار ہوتا ہے، اس تعلق سے ان کے کچھ اہم مقالوں کو خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے 'مقالاتِ طب' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کردیا ہے۔ مضامین کی صورت میں متفرق تحریروں کے علاوہ اس ضمن میں ان کی کئی کتابیں مثلاً 'کلیاتِ طب کے مصادر و مراجع (۱۹۹۵ء)'، 'حفظانِ صحت- کتابیات (۱۹۹۸ء)' اور 'کتابیاتِ قانون (۲۰۰۰ء)' بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ 'عظمتِ رازی (۱۹۹۵ء)' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں رازی کی سوانحی تفصیلات، اس کے فنی کارناموں نیز علمی آثار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس سے رازی، جو یونانی طب کا ایک اہم مرجع اور حوالہ ہے، اس سے قاری کو آگہی ہوتی ہے۔ اسی تسلسل کا حصہ 'کتاب المرشد' کا اردو ترجمہ بھی ہے، جو ۲۰۰۰ء میں ترقی اردو بیورو، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ فنی پہلو سے کتاب المرشد کی اہمیت کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے رازی کی شخصیت کی ایک نئی جہت سامنے آتی ہے، اس لیے کہ یہ کتاب کلیات سے متعلق ہے جب کہ رازی کا اختصاص سریریات اور معالجات سمجھے جاتے ہیں۔

کتاب المرشد کے علاوہ طبی تراجم کے حوالہ سے مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے رسالہ 'مقدمہ لغات الطبیہ' اور ان کے دیگر سات عربی رسائل کے ترجمے رضی صاحب کے گراں قدر علمی کاموں میں شمار ہوتے ہیں۔ اجمل خاں کی طبی تالیفات میں 'مقدمہ لغات الطبیہ' نہایت بیش قدر ہے، اس میں لغت نویسی کے اصول ومبادی کا تذکرہ ہے۔ رضی الاسلام ندوی کے قلم سے اس کا ترجمہ 'طبی لغت نویسی کے مبادیات' کے نام سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ہے۔ مزید براں ایک مجموعہ 'رسائل مسیح الملک' کے نام سے ۱۹۹۱ میں شائع ہوا۔ اس میں ۱- التحفۃ الحامدیہ فی الصناعۃ التکلیسیہ، ۲- اوراق مزہرہ مثمرہ، ۳- الساعاتیہ، ۴- البیان الحسن بشرح المعجون المسمّیٰ باکسیر البدن، ۵- خمس رسائل، ۶- الوجیزہ، ۷- القول المرغوب فی الماء المشروب کے تراجم شامل ہیں۔ موخر الذکر رسالہ کے جواب میں شفاء الملک حکیم عبد اللطیف فلسفی نے 'التحقیق المطلوب فی الماء المشروب' تحریر کیا تھا۔ رضی الاسلام ندوی نے اس کے ترجمہ کو بھی بطور ضمیمہ اس مجموعہ میں شامل کردیا ہے۔ ان تراجم کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اردو زبان میں منتقلی سے ان کے تحفظ کا سامان اور ان سے وسیع استفادے کی سبیل پیدا ہوئی، نیز علمی دنیا کے سامنے مسیح الملک کی تصنیفی حیثیت اور طبی مسائل کے سلسلہ میں ان کا اجتہادی انداز فکر سامنے آیا۔ 'رسائل مسیح الملک' ۲۰۱۵ء میں 'حکیم اجمل خاں کے طبی رسائل' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں 'مقدمہ لغات الطبیہ'

کا ترجمہ بھی شامل ہے، جو پہلے 'طبی لغت نویسی کے مبادیات' کے نام سے علاحدہ شائع ہوا تھا۔

مسیح الملک کے ان رسالوں کے ترجمہ کا آغاز رضی الاسلام ندوی نے حکیم رفیق الدین (سابق ریڈر شعبۂ علم الادویہ اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ) کی ترغیب وتحریک پر 'التحفۃ الحامدیہ فی الصناعۃ التکلیسیہ' سے کیا تھا۔ بقیہ رسالوں کے ترجمے اسی تسلسل کا حصہ ہیں۔ ان رسالوں کے تراجم کے علاوہ مترجم نے مسیح الملک کی علمی خدمات کے تعارف کے لیے ایک مستقل کتاب بعنوان 'حکیم اجمل خاں کی علمی خدمات' تالیف کی ہے، یہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ مسیح الملک کے تعلق سے رضی الاسلام ندوی کی ان مساعی کا شمار 'اجملیات' کی اہم کڑیوں میں ہے۔

حکیم رضی الاسلام ندوی کا وطنی رشتہ اتر پردیش کے ضلع بہرائچ سے ہے، یہاں موضع رام پور، پوسٹ بلبل نواز میں ۱۹۶۴ء میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہیں کتب درسیہ پڑھنے کے بعد جامعۃ الرشاد (ضلع اعظم گڑھ) سے اسلامیات اور عربی زبان وادب کی ابتدائی تعلیم حاصل کی مگر ان کی تکمیل ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کی، یہاں سے انہوں نے ۱۹۸۱ء میں عالمیت اور ۱۹۸۳ء میں فضیلت کی اسناد حاصل کیں، بعد ازاں ۱۹۸۹ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کیا اور اسی کالج کے شعبۂ کلیات سے ۱۹۹۳ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ابتدائی سطور میں ان حالات کی جانب ایک خفیف اشارہ کیا جاچکا ہے، جن کی وجہ سے رضی الاسلام ندوی اس قدر اہم طبی کاموں کے باوصف دنیائے طب کا حصہ نہ بن سکے، لہٰذا وہ ۱۹۹۴ء میں ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ سے بطور رکن وابستہ ہوگئے، یہ سلسلہ ۲۰۱۱ء تک رہا۔ وہ اس وقت دہلی میں جماعت اسلامی ہند کی تصنیفی اکیڈمی کے سکریٹری ہیں اور ۲۰۰۳ء سے جماعت کے سہ ماہی ترجمان تحقیقاتِ اسلامی کے نائب مدیر ہیں۔ اب تک وہ اسلامیات کے مختلف موضوعات پر ۳۶ رکتابوں کی تالیف اور ترجمہ وتدوین کا کام کر چکے ہیں، ان کی فہرست حسب ذیل ہے، اس طویل فہرست سے اسلامیات کے میدان میں ان کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔

تصانیف: (۱) قرآن، اہل کتاب اور مسلمان (۲) حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ (۳) برصغیر میں مطالعۂ قرآن (۴) کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں (۵) قرآن کریم کا تصور انسانیت (۶) قرآنی آیات کی سائنسی تشریح۔ خطرات اور ان کا تدارک (۷) تخلیق انسانی کے مراحل اور قرآن کا سائنسی اعجاز (۸) موجودہ دور میں رجوع الیٰ القرآن کی دعوت۔ انحرافات اور تدارک (۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۱۰) اقامت دین اور نفاذ شریعت (۱۱) اسلام میں حقوق انسانی کا تصور (۱۲) گھریلو تشدد اور اسلام (۱۳) رحم مادر میں بچیوں کا قتل۔ اسباب اور انسدادی تدابیر (۱۴) مسلمان عورت کا دائرۂ کار (۱۵) اسلامی پردہ کیا اور کیوں؟ (۱۶) زندگی کے عام فقہی مسائل (۱۷) حقیقت رجم۔ ایک تنقیدی جائزہ (۱۸) انبیائے کرام کی دعوت۔

تراجم: (۱) اسلامی زندگی کتاب وسنت کی روشنی میں از ڈاکٹر محمد علی الہاشمی (۲) قرآن کریم کا اعجاز بیان از ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی (۳) عہد نبوی کا مدنی معاشرہ از ڈاکٹر محمد لقمان الاعظمی (۴) علم تفسیر۔ چند بنیادی مسائل از شیخ حسن البنا شہید (۵) اسلام اور مغرب کی کش مکش از سید قطب شہید (۶) حجیت سنت از شیخ عبدالغنی عبدالخالق (۷) دعوت و تبلیغ کے رہنما اصول از ڈاکٹر فتحی یکن (۸) بینک کا سود از ڈاکٹر یوسف القرضاوی (۹) سیرت رسول۔ دروس و نصائح از ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (۱۰) جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل۔ اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے سیمیناروں کی قرار دادیں (۱۱) اسلام، مسلمان اور سائنس (۱۲) چالیس احادیث قدسی (۱۳) اسلامی ثقافت۔ الزامات اور حقائق۔

ترتیب و تدوین: (۱) احکام و مسائل از مولانا سید احمد عروج قادری (۲) تصوف اور اہل تصوف از مولانا سید احمد عروج قادری (۳) نقوش راہ از مولانا جلیل احسن ندوی (۴) تحریک اسلامی کا نظامِ تربیت (۵) تاریخ علوم و شخصیات اسلامی۔

حکیم محمد رضی الاسلام ندوی طب اور اسلامیات کے ان کاموں کے لیے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ ان کی شخصیت ایک چراغ کے مانند ہے، جو ضیا پاشیوں کے لیے کسی خاص زمان و مکان کی محتاج نہیں ہے۔ وہ جہاں بھی رہیں گے روشنی لٹاتے رہیں گے۔ لیکن وہ طبّی دنیا کا حصہ نہیں بن سکے، یہ امر ضرور باعثِ تأسف ہے۔

•••

حکیم محمد ساجد بستوی

حکیم محمد ساجد بن ضیف اللہ (بن لعل محمد بن حاجی بھولا) یکم جنوری ۱۹۵۱ء کو موضع ڈمرو بر، گلرہا، مہنداول میں پیدا ہوئے، پہلے یہ قریہ ضلع بستی (اتر پردیش) کا حصہ تھا۔ صوبہ کی نئی ضلعی تقسیم کے بعد اس کا تعلق سنت کبیر نگر سے ہے۔ ساجد بستوی کے مورث اعلیٰ اب سے پانچ پشت پہلے برہمنیت سے تائب ہو کر داخل اسلام ہوئے تھے، تب سے ان کے خاندان میں اعمالِ شرعیہ کا التزام اور روایاتِ دینیہ کا از حد احترام ہے۔ ان کے والد مرحوم مولانا حسین احمد مدنی کے گرویدہ و مرید تھے۔

ساجد بستوی کی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا، چند ماہ مدرسہ عربیہ ہدایت المسلمین، کرہی میں زیر تعلیم رہے۔ پھر مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، باغ نگر میں داخلہ لے کر فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، مولانا زین العابدین (متوفی ۱۹۵۶ء، تلمیذ شیخ الہند مولانا محمود الحسن) کی یادگار ہے۔ وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور ضلع اعظم گڑھ (سیدھا سلطانپور، سرائمیر) کے باشندہ تھے۔ قدر دانوں اور جانثاروں کے اصرار پر یہاں سکونت اختیار کر لی تھی۔

ساجد بستوی نے درسِ نظامی کا آغاز نور العلوم، بہرائچ سے کیا۔ ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ اس سے فراغت کے بعد جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء میں فاضلِ طب کا چار سالہ نصاب مکمل کیا۔

ساجد بستوی کثیر المطالعہ ہیں اور قلم و قرطاس سے ان کا رشتہ زمانۂ طالب علمی سے استوار ہے۔ وہ تحریر کا بڑا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ مزاج میں جرأت و بے باکی ہے اور شخصیت میں مذہبیت کا عنصر نمایاں ہے۔ جامعہ طبیہ سے فراغت کے بعد مدرسہ رحمانیہ جامع مسجد، رڑکی میں معلمی سے عملی زندگی کا

آغاز کیا۔ ۱۹۷۷ء میں اس سے مستعفی ہو کر مطب شروع کیا، مگر یہ سلسلہ اس لیے منقطع ہو گیا کہ مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی کے ایماء پر مولانا باقر حسین نے انہیں اپنے مدرسہ، دار العلوم الاسلامیہ بستی میں بلا لیا، ان کی دعوت پر ۱۹۸۰ء میں عربی و فارسی کے استاذ کی حیثیت سے وہ اس مدرسہ سے منسلک ہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں والد کی وفات کے بعد ان کے لیے گھر سے دور رہ پانا ممکن نہیں تھا، اس لیے ۱۹۸۵ء میں دار العلوم الاسلامیہ سے استعفیٰ دے کر گھر آ گئے، اس وقت سے طبابت ہی مشغلہ ہے۔ ساتھ میں 'مدرسہ معہد القرآن' کے انتظامی امور بھی دیکھ رہے ہیں، اسے انہوں نے قرب و جوار کے مسلمانوں کی مذہبی و دینی تعلیم کے لیے قائم کیا ہے۔

ساجد بستوی کا تصنیفی و تالیفی میلان اسلامیات کی طرف زیادہ رہا ہے۔ 'امام ابو حنیفہ کا نادان دوست۔ عامر عثمانی'، 'کشف الحاجہ فی شرح ابن ماجہ'، 'پاکی کے احکام'، 'کشکول نوادر اول'، 'کشکول نوادر دوم' اور 'ذکریٰ' اس سلسلے کے چند نام ہیں۔ موخر الذکر دونوں کتابیں ہنوز طباعت کے مرحلہ میں ہیں۔

۱۔ امتیاز الامراض: یہ اسحاق بن حنین کی تالیف 'فروق الامراض' (مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء) کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ۱۹۷۷ء میں محبوب پریس دیوبند سے شائع ہوا ہے۔ ساجد بستوی نے یہ ترجمہ جامعہ طبیہ دار العلوم، دیوبند کے طلبہ کی نصابی ضرورت کے لیے مجلس منتظمہ کی درخواست پر حکیم تبارک کریم تکمیلی (سابق ریسرچ آفیسر، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی) کی نگرانی میں انجام دیا ہے۔ تبارک کریم تکمیلی نے اس پر نظر ثانی کے علاوہ مقالۂ اول کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

۲۔ حسن و شباب: ساجد بستوی نے رڑکی کے زمانۂ قیام میں علامہ سیوطی کی 'کتاب الرحمۃ فی الطب والحکمۃ' اور شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا کی 'رجوع الشیخ الیٰ الصباہ فی الامراض علی الباہ' کے مخصوص جنسی ابواب کا ترجمہ کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا تھا۔ 'امتیاز الامراض' کے آخری صفحہ پر مکتبہ رحمت، دیوبند سے اس کی اشاعت کا اشتہار بھی شائع ہو چکا تھا، پھر نہ جانے کیوں مترجم کی افتادِ طبع اس کی اشاعت سے بیزار ہو گئی اور پریس سے مسودہ واپس لے کر اسے نذرِ آتش کر دیا۔ حالانکہ جنسیات پر یہ بہت دلچسپ کتاب تھی۔ مولانا انظر شاہ کشمیری (استاذ دار العلوم دیوبند) نے اسے دیکھنے کے بعد کلماتِ تحسین کہے تھے۔

حکیم محمد ساجد بستوی نے حکیم تبارک کریم تکمیلی کی تحریک پر رڑکی کے زمانۂ قیام میں کلکتہ سے شائع ہونے والے رسالہ 'حسن و صحت' کے لیے 'القانون فی الطب' اور 'کتاب العمدہ فی الجراحۃ' کے مخصوص حصوں کا ترجمہ شروع کیا تھا، مگر یہ سلسلہ محض کچھ ہی دن قائم رہا۔

حکیم محمد ساجد بستوی کی صلاحیتوں سے یونانی طب کو بہت کم حصہ مل سکا۔ اگر وہ طبی تصنیف وتالیف کو مرکز توجہ بناتے تو طبی حلقہ میں انہیں بڑی پذیرائی حاصل ہوتی۔

مطالعاتی مآخذ

۱- خودنوشت سوانحی نوٹ از حکیم محمد ساجد بستوی، (غیر مطبوعہ)

۲- امتیاز الامراض (اردو ترجمہ فروق الامراض) از حکیم محمد ساجد بستوی، مجبوب پریس، دیوبند، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰-۶

۳- تذکرۂ الحاج مولانا حکیم محمد عمر دیوبندی از حکیم نفیس الرحمان تھانوی، ہمدم پریس، مالیگاؤں، ۲۰۰۸ء، ص ۹۳

●●●

حکیم خواجہ محمد سلامت اللہ

حکیم خواجہ محمد سلامت اللہ (بن خواجہ کرامت اللہ احراری) مشرب نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سونی پت کے رہنے والے تھے۔ انہیں طب کے علمی اور عملی دونوں شعبوں میں دستگاہ حاصل تھی۔ تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری سے متعلق ان کے قلمی آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ دستور العمل معروف بہ مطب سلامت: اسے حکیم سلامت اللہ نے شیخ نذیر حسین (تاجر کتب دریبہ کلاں، دہلی) کی فرمائش پر تالیف کیا تھا۔ یہ مطبع حمیدیہ، دہلی سے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ ضیاء الحکمت: یہ 'تکشیف الحکمت' کا اردو ترجمہ ہے۔ ۱۹۰۱ء میں صدیقی پریس، دہلی سے شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ دستور العمل معروف بہ مطب سلامت از حکیم خواجہ محمد سلامت اللہ، مطبع حمیدیہ، دہلی، ۱۹۰۵ء، ص ۱

۲۔ جہانِ طب، جلد ۵، شمارہ ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۳۲-۸

•••

شبیر احمد خاں غوری

شبیر احمد خاں غوری کی شخصیت علم وفضل سے عبارت ہے۔ وہ ۱۵؍ مارچ ۱۹۱۱ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام غیاث الدین خاں غوری تھا۔ شبیر احمد خاں غوری نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد عربی، فارسی، اردو اور ریاضی میں ایم اے کیا اور ایل ایل بی کر کے قانون کی سند حاصل کی۔ ان کی تحریروں میں پایا جانے والا ابحث واستدلال کا اسلوب شاید اسی کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۴۴ء میں تعلیم مکمل کر کے وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں استاذ مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۶ء تک انسپکٹر آف اسکول اینڈ رجسٹرار عربک پرشین اکزامینیشن کے عہدہ پر فائز رہے، پھر ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۲ء تک دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں بطور لکچرر تدریسی خدمت انجام دی۔

عربی زبان وادب، اسلامیات، علم ہیئت، فلسفہ اور ریاضی جیسے متعدد علوم ان کے میدانِ اختصاص میں شمار تھے۔ ۱۹۹۱ء میں عربی وفارسی میں گراں قدر خدمات کے لیے وہ صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے توصیفی سند سے نوازے گئے اور ۱۹۹۲ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی کی طرف سے اعزاز سے سرفراز کیے گیے۔ اقبالیات (غوری اقبالیات)، اسلامی ہند میں علومِ عقلیہ، اسلامی ہند میں کلام وفلسفہ وغیرہ ان کی تالیفات ہیں۔ ان کی زیادہ تر نگارشات مضامین کی صورت میں ہیں اور ان میں سے اکثر ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۵ء کے درمیان رسائل وجرائد میں شائع ہوئی ہیں۔ ان منتشر مضامین کو 'غوری تحقیقات: اسلام میں علومِ عقلیہ' کے عنوان سے آٹھ جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی ہر جلد ایک علاحدہ عنوان رکھتی ہے۔ اس سلسلے کی پانچویں جلد میرے پیش نظر ہے۔ یہ 'اسلام میں علم وحکمت کا آغاز' کے نام سے ۱۹۹۸ء میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے شائع ہوئی ہے۔

شبیر احمد خاں غوری دہلی یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعد ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قائم سی سی آر آئی ایم ایچ کی لٹریری ریسرچ یونٹ میں سینئر ریسرچ آفیسر کے عہدہ پر مامور رہے۔ اس عرصہ میں طبی ترجمہ نگاری سے متعلق ان کے درج ذیل آثار ملتے ہیں۔

کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر: ابو مروان عبد الملک بن زہر (۱۰۹۲ء-۱۱۶۲ء) کی یہ تالیف معالجات کے اہم علمی سرمائے میں شمار ہوتی ہے۔ یہ ایک عرصہ تک اہلِ یورپ کے مطالعہ میں شامل رہی ہے۔ اس کے فنی مرتبہ کے بارے میں فرانسیسی مورخ لوکلیر کا بیان ہے کہ یہ کتاب 'الحاوی' اور 'القانون' کی ہم پلہ ہے۔ اردو خواں اطباء اور محققین کی ضرورت کے پیش نظر اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ کی لٹریری ریسرچ یونٹ میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ اولاً یہ ترجمہ آکسفورڈ کے مخزونہ خطی نسخہ کی عکسی کاپی سے کیا گیا تھا، پھر اس کا موازنہ ڈاکٹر میشیلی کے مدونہ متن سے کیا گیا، جو ۱۹۸۳ء میں دمشق سے شائع ہوا ہے۔ کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر کا اردو ترجمہ شبیر احمد خاں غوری، حکیم عطاء الرحمان ندوی، حکیم محمد ظفر اللہ اور حکیم سید عمید الاسلام قاسمی نے پروفیسر حکیم محمد طیب (پروجیکٹ آفیسر) کی نگرانی میں انجام دیا ہے۔ یہ ترجمہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا ہے۔

آئینۂ سرگزشت (سوانح شیخ الرئیس بوعلی سینا): یہ ابن سینا کے حالات زندگی سے واقفیت کا سب سے اہم مأخذ ہے۔ مشہور ایرانی محقق آقائ سعید نفیسی نے استنبول کے مخزونہ خطی نسخہ کو ایڈٹ کر کے اسے فارسی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ شبیر احمد خاں غوری اور حکیم سید محمد مصلح الدین نے اسے اجمل خاں طبیہ کالج کی لٹریری ریسرچ یونٹ میں حکیم عبد الحسیب (پروجیکٹ آفیسر) کی نگرانی میں اردو جامہ پہنایا ہے۔ یہ ترجمہ مرکزی کونسل برائے تحقیقات طبِ یونانی، نئی دہلی سے پہلی بار ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ اسلام میں علم وحکمت کا آغاز از شبیر احمد خاں غوری [حرف آغاز از حبیب الرحمان چغتائی] خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۸ء

۲۔ کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر (اردو ترجمہ) [پیش لفظ از حکیم محمد عبد الرزاق] سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

۳۔ آئینۂ سرگزشت (اردو ترجمہ) [پیش لفظ از حکیم محمد عبد الرزاق] سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

•••

حکیم محمد شمس الدین بھاول پوری

حکیم مولوی محمد شمس الدین بن مولوی احسان الدین بن مولوی امام الدین ریاست بھاول پور (پاکستان) کے رہنے والے تھے اور یہاں جج دوم کے عہدہ پر فائز تھے۔ وہ یونانی طب کے علمی وعملی شعبوں میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے متقدمین اور متاخرین کی طبی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ 'مخزنِ سلیمانی' ان کی ایک اہم علمی یادگار ہے۔

مخزنِ سلیمانی: یہ حکیم مولوی حافظ عبدالعزیز ساکن پرہار، ضلع مظفر گڑھ، ملتان کی عربی تالیف 'اکسیر' کے دفترِ ثالث کا اردو ترجمہ ہے۔ حکیم عبدالعزیز اپنے عہد کے بڑے نامی گرامی تھے، وہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال کے مرتبہ پر فائز تھے۔ طب میں 'اکسیر' کے علاوہ 'رسالۂ عنبر'، 'رسالۂ زمرد' اور 'رسالۂ تریاق' بھی ان کی تالیفات ہیں۔ نیز عقائد میں 'مرام الکلام'، زائچہ کے بیان میں 'سر السماء' حدیث میں 'کوثر النبی' اور تفسیر موسومہ بہ 'وحی مقدس' وغیرہ بھی ان کی کتابیں ہیں۔

حکیم عبدالعزیز کی تالیف 'اکسیر' کے بارے میں مترجم کا خیال ہے کہ یہ اپنے انداز بیان اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، ان خصوصیات کے باعث متقدمین اور متاخرین کی طبی تالیفات میں فوقیت کی حامل ہے۔ اسی احساس کے پیش نظر انہوں نے اس کے دفتر ثالث کو عربی سے اردو میں منتقل کیا تاکہ اس سے وہ لوگ بھی مستفید ہوسکیں جو عربی زبان سے نابلد ہیں۔

حکیم محمد شمس الدین نے ۷؍جمادی الثانی ۱۲۹۴ ہجری مطابق ۱۹؍جون ۱۸۷۷ء کو یہ ترجمہ مکمل کیا تھا۔ انہوں نے اس علمی کاوش کو اپنے پیرومرشد محمد سلیمان کے اسم گرامی سے معنون کرتے ہوئے اس کا نام 'مخزن سلیمانی' رکھا تاکہ حضرت والا کے فیوض برکات سے یہ قبول خاص وعام حاصل کرسکے۔

یہ ترجمہ بڑی تقطیع کے ۷۲۴ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی اشاعت جناب رام چند اور رئیسِ ملتان حکیم محمد احسن کے صاجزادگان حکیم شاہ بخش اور حکیم دلدار بخش کے تعاون سے ہوئی تھی۔ طبی حلقہ میں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس کی چوتھی اشاعت مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے دسمبر ۱۹۰۶ء مطابق شوال المکرم ۱۳۲۴ ہجری میں ہوئی ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ مخزن سلیمانی (اردو ترجمہ اکسیر عربی، دفتر ثالث) از حکیم محمد شمس الدین بھاول پوری، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء، ص ۴-۱، ۷۲۴-۷۲۳

•••

حکیم شمیم ارشاد اعظمی

حکیم شمیم ارشاد (پ: ۲۵؍اگست ۱۹۷۷ء) کا وطنی تعلق موضع منڈیار، ضلع اعظم گڑھ سے ہے۔ ان کے والد حکیم ارشاد احمد اعظمی کا شمار مشہور طبّی شخصیات میں ہے۔ وہ ابن سینا طبیہ کالج، بینا پارہ کے بانی پرنسپل تھے۔ اس کالج کی تعمیر و ترقی میں ان کا اہم حصہ ہے۔ حکیم شمیم ارشاد نے ۱۹۹۶ء میں مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) سے فراغت کے بعد اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس (۲۰۰۳ء) کیا اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، بنگلور سے ۲۰۰۹ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ بعدازاں جامعہ طبیہ، دیوبند سے منسلک رہے، تقریباً ایک برس وہ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، بنگلور سے بحیثیت استاذ وابستہ رہے ہیں۔ اس وقت اسٹیٹ یونانی میڈیکل کالج، الہٰ باد کے شعبۂ علم الادویہ میں بحیثیت ریڈر خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اب تک ان کی سات کتابیں اور سو سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اشاریہ الحکمت، مجرباتِ اعظم، حکیم شمیم احمد سعیدی: حیات و خدمات، کشتۂ سم الفار، بیان المرکبات ان کی مطبوعہ کتابیں ہیں۔ اطبائے اعظم گڑھ اور حکیم محمد مختار اصلاحی: حیات و خدمات ان کے زیر تکمیل تالیفی منصوبے ہیں۔

حکیم شمیم ارشاد ترجمہ نگاری کا ذوق بھی رکھتے ہیں۔ اس سلسلے کے ان کے کام درج ذیل ہیں:

رسالہ الادویۃ المفردۃ: یہ نجیب الدین سمرقندی کے 'خمسہ رسائل' کے تیسرے حصہ 'رسالہ ادویہ المفردۃ المستعملہ عند الصیدلۃ' کا ترجمہ ہے۔ مترجم نے اس کے متن کی تحقیق و تدوین بھی کی ہے۔ اس سلسلے میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، مکتبہ عارف حکمت مدینہ، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ اور معھد الثقافۃ الاسلامیہ، ٹوکیو کے نسخے ان کے پیش نظر رہے ہیں۔ یہ ترجمہ اصلاحی ہیلتھ کیئر فاؤنڈیشن،

نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

رسالہ ادویۃ المسہلۃ: یہ بھی نجیب الدین سمرقندی کے 'خمسہ رسائل' کا حصہ ہے۔ حکیم شمیم ارشاد نے اس کا بھی ترجمہ کیا ہے، یہ ابھی اشاعت کے مرحلہ میں ہے۔

ابدال ادویہ: منہاج الدکان والدستور الاعیان ابونصر عطار اسرائیلی کی مشہور تالیف ہے۔ یہ بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے آخری باب میں دواؤں کے بدل بیان کیے گئے ہیں۔ مترجم نے 'ابدال ادویہ' کے نام سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ اصلاحی ہیلتھ کیر فاؤنڈیشن، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

کتاب فی ابدال الادویۃ المفردۃ والاشجار والصموغ والطین: بدیغورس رفیثا غورث (۶۰۰ ق م) کی تالیف 'کتاب فی ابدال الادویۃ المفردۃ والاشجار والصموغ والطین' کا شمار اپنے موضوع کے قدیم ترین مآخذ میں ہے۔ اس کے دو نسخے ایا صوفیا لائبریری کی زینت ہیں۔ حکیم شمیم ارشاد نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ ہنوز اشاعت کے مرحلہ میں ہے۔

حکیم شمیم ارشاد اعظمی مطالعہ کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ تالیف و ترجمے سے انہیں خاص دلچسپی ہے۔ اس سلسلے میں انہیں کمیت سے زیادہ کیفیت پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ وہ حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔

●●●

حکیم محمد ضیاء الدین گوپامئوی

حکیم محمد ضیاء الدین گوپامئوی کے جس قدر سوانحی حالات دستیاب ہو سکے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک علمی خانوادہ کے فرد تھے اور ان کے خاندان میں کئی نسلوں تک طبّی سلسلہ تھا۔ حکیم محمد ضیاء الدین فاضل دیوبند تھے۔ ان کے والد حکیم ابوالکمال محمد بہاء الدین صدیقی نے اپنے جد امجد حکیم غلام حسن صدیقی کے کتب خانہ میں موجود رازی کے رسالہ 'برء الساعۃ' کے مخطوطہ کا مطبع نامی، لکھنؤ کے مطبوعہ نسخہ سے موازنہ کر کے اس کی تہذیب و تدوین کی تھی۔ حکیم محمد ضیاء الدین نے اپنے والد کے اس مدونہ متن کو اردو جامہ عطا کیا، جو ۱۳۷۰ھ مطابق ۵۱-۱۹۵۰ء میں قومی پریس، سہارن پور سے شائع ہوا ہے۔ اس کے آخر میں رسالہ میں مذکور غیر معروف دواؤں کے بارے میں بہاء الدین صدیقی کا لکھا ہوا ایک توضیحی نوٹ بھی ہے۔ یہ رسالہ شفاء الملک حکیم عبدالحسیب دریابادی کے نام معنون ہے۔

حکیم محمد افہام اللہ نے بھی رازی کے اس رسالہ کی تہذیب و تدوین اور ترجمہ کیا ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ حکیم محمد افہام اللہ کے ذیل میں ہے۔

•••

پروفیسر حکیم محمد طیب

پروفیسر حکیم محمد طیب کا شمار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مایہ ناز فرزندوں میں ہے۔ وہ ۱۹۴۹ء میں تحصیل طب کے لیے علی گڑھ آئے، ۱۹۵۴ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یو ٹی ایس کر کے یہیں 'تشخیص عملی' کے لکچرر مقرر ہوئے، پھر ریڈر (۱۹۶۶ء) اور پروفیسر (۱۹۷۹ء) ہوئے۔ یہاں وہ مختلف انتظامی عہدوں پر فائز رہے، صدر شعبۂ علم الادویہ اور پرنسپل کی حیثیت سے خدمت انجام دی، ۱۹۸۷ء میں یونانی فیکلٹی کے قیام کے بعد وہ اس کے پہلے ڈین مقرر ہوئے۔ تقریباً ۳۹ / برس کی طویل تدریسی خدمت کے بعد جنوری ۱۹۹۳ء میں وہ سبکدوش ہوئے۔ ۵ / جون ۲۰۱۳ء کی شب میں انہوں نے وفات پائی، ان کے سانحۂ ارتحال کو طبی دنیا میں ایک عہد کے خاتمہ سے تعبیر کیا گیا۔ میں نے ان کی شخصیت اور حیات و خدمات پر مشاہیر کی تحریروں پر مشتمل 'رازیٔ ہند' کے نام سے ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا، ۲۰۱۳ء میں الحکمہ فاؤنڈیشن، نئی دہلی میں معروف سیاست داں جناب کپل سبل کے ہاتھوں اس کا اجراعمل میں آیا تھا، پھر پروفیسر حکیم نعیم احمد خاں (ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، اے ایم یو علی گڑھ) کی خواہش پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ ضمیر الدین شاہ (سابق لفٹنٹ جنرل) اور نواب ابن سعید خاں چھتاری کے ہاتھوں اجمل خاں طبیہ کالج میں اس کے اجرا کی ایک اور رسم انجام پائی۔ رسم افتتاح کی ان دونوں خبروں کو قومی سطح کے اردو، ہندی اور انگریزی روزناموں نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا تھا۔ میں نے اس کتاب میں 'اظہار دروں' کے عنوان سے لکھا تھا:

> "طیب صاحب ۷ / جنوری ۱۹۳۲ء کو بارہ بنکی (اتر پردیش) کے مشہور قصبہ رودولی میں پیدا ہوئے۔ وہ ذاتی عظمتوں کے علاوہ اعلیٰ خاندانی پس منظر کے بھی حامل تھے، ان کے اسلاف میں شیخ

عبدالحق توشہ رودولوی چشتیہ صابریہ سلسلہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں، وہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی سے خرقۂ خلافت سے سرفراز تھے، رودولی میں ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے، شیخ عبدالحق کے جدِ بزرگوار شیخ داؤد سلطان علاء الدین خلجی کے دورِ حکومت میں افغانستان کے صوبۂ بلخ سے ہندوستان آئے تھے، وہ حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے اوران سے خلافت پائی تھی، شیخ داؤد کا سلسلۂ نسب امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب پر منتہی ہے، ان کو صوبۂ اودھ کی طرف سے جاگیر عطا ہوئی تھی، اسی لیے وہ رودولی میں سکونت پذیر ہوئے۔ پروفیسر حکیم محمد طیب اسی بزرگ خانوادہ کے فرد تھے۔ فاروقیت اور افغانیت کی نسبتوں نے ان کے اندر ایک قسم کا کروفر اور جاہ وجلال پیدا کر دیا تھا، جوان کی شخصیت کی ہر ادا سے عیاں تھا، انہیں ان نسبتوں کے بیانیہ اظہار کی چنداں ضرورت نہیں تھی، بلکہ ان سے ملنے والا چند ساعتوں ہی میں اس کا ادراک کر لیتا تھا۔ اعلیٰ خاندانی نسبت اور بزرگ خانوادے سے تعلق انہیں بطور میراث ملے تھے، اس سے قطعِ نظر وہ ذاتی طور پر گوناگوں کمالات سے متصف تھے، جسے انہوں نے مبدأ فیض سے کسب کیا تھا۔ ذہانت وفطانت، اعلیٰ تدریسی صلاحیت، علاج ومعالجہ میں حذاقت، ترجمہ وتالیف کی معرفت، رموزِ تحقیق کی بصیرت، عمدہ انتظامی لیاقت، زبان وبیان کی نفاست اور جوہر خطابت جیسے مجموعۂ صفات نے ان کی شخصیت کو ہشت پہلو بنا دیا تھا۔ عظیم خاندانی پسِ منظر اور حسنِ ذات کی ان متنوع صفات نے ان کے مزاج میں ایک قسم کا احساسِ عظمت پیدا کر دیا تھا، اسے خودشناسی بھی کہا جا سکتا ہے، جو دراصل اسرارِ خودی کی معرفت اور عرفانِ ذات کی ایک شکل ہے۔ اکثر خودی کی بلندیوں کا سرا انانیت کی حدوں کو چھو جاتا ہے، اس کے مظاہر حکیم طیب صاحب کے مزاج میں بھی محسوس ہوتے تھے، جسے عموماً مزاجی کرختگی، تندی اور سخت گیری کہہ دیا جاتا ہے، اس کی چاہے جو تعبیر کی جائے مگر اسے صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔''

جب میں پروفیسر حکیم محمد طیب کا سوانحی تذکرہ 'رازیٔ ہند' مرتب کر رہا تھا تو حکیم وسیم احمد اعظمی نے مفید مشوروں کے علاوہ طیب صاحب کی شخصیت کی مختلف جہتوں پر تین وقیع مضامین بھی تحریر کیے، جس میں انہوں نے ان کے علمی وفنی پہلوؤں کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔ تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کے سلسلہ میں طیب صاحب کی خدمات کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کے ہندوستان میں طبِ یونانی کے حوالہ سے حکیم محمد طیب (۲۰۱۳ء—۱۹۳۲ء) کا نام بہت ممتاز ہے۔ یونانی طب کی ترویج واشاعت میں ان کی خدمات اہم ہیں، ایک معلم کی حیثیت سے ان کا مقام بہت بلند ہے، ایک منتظم کی حیثیت سے ان کی مساعی مثالی ہیں، ایک معالج کی حیثیت سے ان کی حذاقت مسلم ہے، ایک مصنف کی حیثیت سے ان کے علمی آثار کو اعتبار حاصل ہے،

ایک مترجم کی حیثیت سے ان کے یہاں صحت بیان اور جدت ہے اور ایک طبی مورخ کی حیثیت سے ان کی تحریروں میں قطعیت۔ علم وعمل اور ذہن وزندگی کے اتنے متنوع مجال میں انہوں نے تفرد کی جو راہ نکالی ہے وہ صرف انہیں کا خاصہ ہے اور انہوں نے جس میدان میں قدم رکھا ہے منفرد اور یکتا نظر آئے ہیں"

حکیم وسیم احمد اعظمی طیب صاحب کے تاریخی شعور کی بابت لکھتے ہیں:

"حکیم محمد طیب کے مزاج میں تقلیدِ محض نہیں تھی، ان کا پیکر نقد ونظر تلاش وتفحص کے خمیر سے گوندھا گیا تھا، اسی لیے ان کی تالیفات اور تراجم میں ضمنی طور پر جب طبی تاریخ کے مباحث آتے ہیں تو ان کی فنی بصیرت کا پتہ چلتا ہے"۔

حکیم وسیم احمد اعظمی طیب صاحب کی طبابت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"ان کے مطب میں روایتوں کا التزام بھی تھا اور جدید اختراعات کا احترام بھی، تاہم طبی کلیات اور مبادیات کی بنیاد پر کہیں سمجھوتہ نہیں تھا، طب کی تھیوریز اور فلاسفیز اُن پر واضح تھیں، دراصل ان کی معالجاتی زندگی کی تشکیل میں طبی ادب عالیہ کا مطالعہ، بالخصوص اطباءِ قدیم کے کلینکی مشاہدات پر گہری نظر اور حکیم عبداللطیف کی صحبت نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا"۔

حکیم طیب صاحب کے تمام کسبی کمالات میں معالجانہ حذاقت کا وصف بہت نمایاں تھا اور مطب ومعالجہ ہی میں ان کا بیشتر وقت صرف ہوا۔ ان کا مطب دراصل ایک قسم کا کلینیکل ریسرچ سنٹر تھا، جس کے تجرباتی نتائج ان متعدد مرکبات کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں جو اس وقت دواخانہ طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مصنوعات کا حصہ ہیں۔ ان مرکبات میں 'دماغین' کا نام سرفہرست ہے۔ نیشنل فارمولری آف یونانی میڈیسن کی چھٹی جلد جو ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی ہے، یہ دراصل ان نسخوں پر مشتمل ہے جو دواخانہ طبیہ کالج کے پیٹنٹ تھے، ان میں ایک بڑی تعداد ان نسخوں کی ہے جو حکیم طیب صاحب کے تالیف کردہ ہیں۔ مطب ومعالجہ سے ان کے غیر معمولی انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تصنیف وتالیف کے لیے زیادہ وقت فارغ نہیں کر پائے۔ حکیم وسیم احمد اعظمی کے بقول:

"انہوں نے اپنی انتہائی مصروف اور کثیر الجہات زندگی میں سے تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے لیے بھی وقت نکالا تھا، لیکن ذرا کم، تاہم انہوں نے جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے اس میں خوب خوب 'کیفیت'، ہے، جس سے 'کمیت' کی شکوہ سنجی کی بڑی حد تک بھرپائی ہو جاتی ہے"۔

حکیم طیب صاحب کی قلمی یادگاروں میں 'چین میں قدیم طب'، 'علم العین اور اطباء قدیم' (۱۹۵۷ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس)، 'قانونِ صحت' (۱۹۶۱ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس) 'اطباء قدیم کے کلینیکی مشاہدات'

(۱۹۷۱ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس) یہ کتاب سریریاتی مطالعہ کے حوالہ سے بے حد وقیع ہے، اس سے حکیم طیب صاحب کا مجتہدانہ اندازِ فکر سامنے آتا ہے اور ان کی عمیق طبّی بصیرت کا احساس ہوتا ہے۔

طیب صاحب کے تنقیدی، تحقیقی اور تاریخی شعور کا ایک مظہر ان کا مقالہ 'اے کریٹیکل ایویلوئیشن آف دی ورکس آف یوسف بن محمد یوسفی' ہے اس میں انہوں نے بابر اور ہمایوں کے درباری طبیب یوسف بن محمد یوسفی کی علمی خدمات اور سوانحی حالات کا محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اس مقالہ پر انہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی تھی، انہوں نے یہ مقالہ پروفیسر نذیر احمد (شعبۂ فارسی) کی نگرانی میں ۱۹۷۰ء میں لکھا تھا۔ یہ انگریزی زبان میں تھا، میں نے حکیم سید غلام مہدی رازؔ کے اشتراک سے اس کے ترجمہ اور تحقیق کا اہتمام کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ جلد ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجائے گا۔

حکیم طیب صاحب کے علمی آثار میں ایک گرانقدر کام ابوزید حنین بن اسحاق عبادی کی 'کتاب العشر مقالات فی العین' کا اردو ترجمہ ہے۔ حنین کا شمار اہم طبّی مترجمین اور عربی عہد کے طبع زاد مصنفین میں ہے۔ اس نے نہ صرف طب کے یونانی سرمایہ کو عربی میں منتقل کر کے اس سے استفادے کی سبیل پیدا کی، بلکہ وہ عربی زبان میں طبّی کتابوں کی تصنیف و تالیف کی بنا ڈالنے والوں میں ہے۔ 'کتاب العشر مقالات فی العین' اس کی اہم تالیفی یادگار ہے، جس کا شمار علم العین کی ابتدائی ترین کتابوں میں ہے، یہ متعلقہ موضوع پر عربی عہد کے ہر بڑے مصنف کا ماخذ رہی ہے، مگر امتدادِ وقت کی گرد نے اسے معدوم کر دیا تھا، بس طبّی کتابوں میں حوالوں کی صورت میں اس کے نشان باقی رہ گئے تھے، اس گردِ راہ کی مدد سے ڈاکٹر میکس مائر ہوف نے اس کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ قسطنطین افریقی نے اسے اپنے نام کر لیا ہے۔ میکس نے نہ صرف اس کے سرقہ کا پردہ فاش کیا، بلکہ حنین کی اس کتاب کی دوسری کڑیوں کا سراغ لگا کر انہیں جمع کیا اور انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، ۱۹۲۸ء میں یہ گورنمنٹ پریس قاہرہ سے طبع ہوا ہے۔ علامہ حکیم محمد کبیر الدین کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حکیم عبداللطیف فلسفی سے اس کا تذکرہ کیا تاکہ اس کے حصول کی شکل پیدا کر کے اردو میں اس کا ترجمہ کیا جائے۔ فلسفی صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین، جو اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، کے توسط اسے حاصل کر کے حکیم طیب صاحب کو اس کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری سونپی۔ چنانچہ انہوں نے علامہ حکیم محمد کبیر الدین، حکیم عبداللطیف فلسفی اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی رہنمائی میں نہایت خوش اسلوبی سے اسے انجام دیا۔ طیب صاحب نے اسے ڈاکٹر میکس کے انگریزی ترجمہ سے کیا تھا، علمی تقاضا کے پیشِ نظر اصل عربی متن سے استفادہ کی بھی ضرورت تھی، حکیم طیب صاحب

کی درخواست پر شعبۂ عربی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے پروفیسر فضل اللہ نے ان کی معاونت کی اور نظر ثانی و تصحیح کا فریضہ انجام دیا۔ کتاب العشر مقالات فی العین کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۵۷ء میں مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ سے شائع ہوا ہے۔ یہ طیب صاحب کی پہلی قلمی کاوش ہے، اسی سے ان کی تربیتِ لوح و قلم ہوئی تھی، جو آگے چل کر ان کے تصنیفی و تالیفی جذبوں کی تحریک کی باعث بنی۔ اس کے مطالعہ سے جہاں اردو قارئین کو عربی عہد کی ایک بے حد قدیم اور اہم موضوع کی کتاب سے واقفیت کا موقع فراہم ہوتا ہے، وہیں علی گڑھ کے اس دور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ کس طرح سینئر اساتذہ اپنے خردوں کے علمی جذبوں کو مہمیز کرتے اور انہیں تعاون پیش کرتے تھے۔ مزید براں قسطنطین افریقی کی حرکت سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی سرقہ کوئی ہمارے عہد ہی کی لعنت نہیں ہے، بلکہ یہ سلسلہ زمانۂ قدیم سے ہے۔ اس طرح طیب صاحب کے اس ترجمہ کے مطالعہ کے کئی دلچسپ پہلو ہیں۔

اس ترجمہ کو شائع ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے طبعِ نو کی ضرورت تھی، جسے محسوس کرتے ہوئے سی سی آر یو ایم، نئی دہلی نے اسے اپنے بازاشاعتی منصوبہ میں شامل کر لیا ہے، اس سلسلہ میں راقم کی مساعی بھی شامل ہیں۔ امید ہے کہ یہ جلد ہی منظرِ عام پر آ جائے گا۔

●●●

حکیم محمد ظفر اللہ

حکیم محمد ظفر اللہ کا آبائی وطن حیدر آباد (آندھرا پردیش) ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم کانچی کوڑا ہائی اسکول سے ہوئی تھی، انہوں نے لازمی مضامینِ جدیدہ کے ساتھ عربی لٹریچر اختیاری مضمون کے طور پر پڑھا تھا۔ پھر نظامیہ طبیہ کالج، حیدر آباد سے بی یو ایم ایس اور شعبۂ علم الادویہ اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ شعبۂ علم الادویہ کے پہلے بیچ کے فارغین میں ہیں، انہوں نے یہاں ۱۹۷۲ء میں داخلہ لیا تھا۔ ڈاکٹر سعد الحسن آفاق، ڈاکٹر محمد طارق اور حکیم عبدالقوی کی نگرانی میں Pharmacology and Pharmac ognosy of some Anti-inflammatory Drugs تحقیقی مقالہ لکھ کر ۱۹۷۵ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد یونانی طب کے تحقیقاتی ادارہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن میں اسسٹنٹ ریسرچ آفیسر مقرر ہوئے۔ ابتداً ان کی پوسٹنگ جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں واقع لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں تھی، کچھ دنوں بعد ٹرانسفر ہوکر علی گڑھ چلے گئے، وہاں انہیں ابھی چند ماہ ہوئے تھے کہ ۱۹۸۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ کونسل میں ان کی کل مدت ملازمت بمشکل چند برسوں پر محیط ہے، اس عرصہ کا ان کا قابل ذکر کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے 'کتاب العمدہ فی الجراحۃ' کی دوسری جلد کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ 'کتاب العمدہ' کا شمار علم الجراحہ کے اوّلین مآخذ میں ہے، یہ امین الدولہ ابوالفرج ابن القف مسیحی کی تالیف ہے۔ ۱۹۸۶ء میں جب کتاب العمدہ کی پہلی جلد کا ترجمہ شائع ہوا تو اس وقت حکیم محمد ظفر اللہ اس کی دوسری جلد کا ترجمہ کر چکے تھے اور یہ نظر ثانی کے مرحلہ میں تھا، جو حکیم سید غلام مہدی، حکیم خالد جاوید شمسی اور حکیم وسیم احمد اعظمی کر رہے تھے۔

''یونانی طب میں گھریلو ادویہ اور عام معالجہ کی کتاب'' یہ وزارتِ صحت کے ایما پر تالیف کی گئی تھی، اس کی تالیف میں کونسل کے دوسرے محققین کے ساتھ حکیم محمد ظفر اللہ بھی شامل تھے۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔اس کتاب کی عوامی حلقہ میں کافی پزیرائی ہوئی، متعدد علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کیا گیا۔

حکیم محمد ظفر اللہ کے والد محمد عبداللہ میونسپل کارپوریشن حیدرآباد میں کلرک تھے۔محمد ظفر اللہ کے بڑے بھائی محمد حمید اللہ، میکینیکل انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۲۰۱۲ء میں پروفیسر کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے ہیں۔اس وقت نور منزل، علی گڑھ میں ان کی رہائش ہے۔حکیم محمد ظفر اللہ کی سوانحی تفصیلات انہیں سے حاصل ہوئی ہیں۔

•••

حکیم سید ظل الرحمان

حکیم سید ظل الرحمان کی وطنی نسبت تجارہ (الور) اور بھوپال (مدھیہ پردیش) سے رہی ہے، اب ان کی سکونت علی گڑھ میں ہے۔ دفتری ریکارڈ کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش یکم جولائی ۱۹۴۰ء ہے۔

حکیم سید ظل الرحمان نے حرف شناسی کے بعد ۲؍دسمبر ۱۹۴۶ء کو ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں درجۂ اول میں داخلہ لیا، یہاں چند ماہ زیرِ تعلیم رہنے کے بعد بھوپال چلے گئے اور مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لے لیا۔ ۲؍اگست ۱۹۵۰ء کو وہ دوبارہ ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، مگر اس بار بھی سندی درجہ تک نہیں پہنچ پائے اور سلسلۂ تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر علی گڑھ آ گئے۔ جولائی ۱۹۵۵ء میں انہوں نے اجمل خاں طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۰ء میں بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی۔ یہاں کے زمانۂ طالب علمی میں شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی سے قرب و تعلق اس لحاظ سے ان کی بڑی حصول یابی ہے کہ یہ ان کی عملی زندگی کی راہیں استوار کرنے میں بہت کام آیا۔

حکیم سید ظل الرحمان نے تعلیم سے فراغت کے بعد مطب و معالجہ سے عملی زندگی کا آغاز کیا، مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ اس اثنا میں حکیم عبداللطیف فلسفی اجمل خاں طبیہ کالج سے سبک دوش ہو کر جامعہ طبیہ دہلی سے منسلک ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہاں آنے کے فوراً بعد حکیم سید ظل الرحمان کی تقرری کے لیے کوشش شروع کر دی تھی۔ جامعہ سے وابستگی کے بعد حکیم محمد اسلم صدیقی کے نام پہلے مکتوب میں وہ لکھتے ہیں:

''حکیم سید ظل الرحمان کو عنقریب بلانے کی کوشش کروں گا''۔

پھر دوسرے خط میں جو ۹؍اگست ۱۹۶۳ء کا مرقومہ ہے، لکھتے ہیں:

''حکیم ظل الرحمان کو لکھ دیا ہے کہ وہ مجھ سے آ کر مل لیں تا کہ ان کے تقرر کے متعلق معاملات طے ہو

جائیں''۔

حکیم عبداللطیف فلسفی کی کوششوں سے حکیم سید ظل الرحمان جامعہ طبیہ، دہلی میں لکچرر مقرر ہوئے۔ ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۳ء سے ۱۲ر جون ۱۹۷۰ء تک اس کالج سے ان کی وابستگی رہی۔ ۱۳ر جون ۱۹۷۰ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قائم سی سی آر آئی ایم ایچ کی لٹریری ریسرچ یونٹ میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ یکم جنوری ۱۹۷۳ء کو اجمل خاں طبیہ کالج کے شعبۂ علم الادویہ میں وہ ریڈر منتخب ہوئے۔ علی گڑھ میں حکیم سید ظل الرحمان کی ان دونوں تقرریوں میں شفاء الملک کے بھانجے حکیم عبدالحسیب کا بہت اہم کردار رہا ہے۔

حکیم سید ظل الرحمان قلمی آثار کی طویل فہرست رکھتے ہیں۔ ان کی پہلی تالیف دور جدید اور طب ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب تک ان کے نام سے چالیس سے زیادہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ تاریخ علم تشریح، علم الامراض،، تذکرۂ خاندان عزیزی، کتاب المرکبات، حیاتِ کرم حسین، قانون ابن سینا اور اس کے شارحین ومترجمین،، دلی اور طبِ یونانی، ایران نامہ، طبّی تقدمے، آئینۂ تاریخ طب، حکیم اجمل خاں، سفر نامۂ بنگلہ دیش، تذکرۂ اطباءِ عصر، راس مسعود ان کی تالیفات ہیں۔ تجدیدِ طب، بیاضِ وحیدی، مطبِ مرتعش، ریسرچ اِن علم الادویہ، اسٹڈیز اِن علم الادویہ، مقالات شفاء الملک ان کی ترتیبات ہیں۔ طبِ فیروز شاہی، رسالۂ نبیذ، رسالۂ ادویہ قلبیہ، اسماء الادویہ، رسالۂ آطریلال کی انہوں نے تہذیب کی ہے۔

حکیم سید ظل الرحمان کے قلمی نقوش میں ترجمہ نگاری سے متعلق یادگاریں بھی شامل ہیں۔ رسالۂ جودیہ، صفوی عہد میں علم تشریح، رسالہ النبض الصغیر، رسالۂ نقرس، عین الحیات، رسالۂ نبیذ، رسالہ فی فرق الطب، رسالہ فی العناصر، کتاب فی المزاج وغیرہ ان سے منسوب ترجمہ کے کچھ اہم کام ہیں۔ ان میں سے اکثر تراجم مختلف اصحاب کے تعاون سے انجام دیے گئے ہیں۔ رسالہ فی العناصر اور کتاب فی المزاج جالینوس کے رسائل ہیں۔ ان کی تہذیب وتدوین اور ترجمے کا سارا کام راقم الحروف نے انجام دیا ہے۔ یہ دونوں حکیم سید ظل الرحمان کے مقدمے کے ساتھ ۲۰۰۸ء میں ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ سے شائع ہوئے ہیں۔

•••

حکیم ظہیر احمد شاہ ظہیریؔ

حکیم ظہیر احمد شاہ ظہیریؔ مخاطب بہ ظہیر العلماء بن حکیم مولوی فتح محمد صدیقی مشرباً قادری، چشتی اور نقشبندی تھے۔ ان کے اسلاف شیراز کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد سہسوان میں سکونت اختیار کی تھی، پھر بدایوں میں فروکش ہوئے۔ اسی لیے حکیم ظہیر احمد شاہ اپنے نام کے ساتھ سہسوانی اور بدایونی دونوں وطنی نسبتوں کا لاحقہ استعمال کرتے ہیں۔

حکیم ظہیر احمد شاہ عربی اور فارسی کے ماہر تھے۔ تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ان کی چھوٹی، بڑی تالیفات اور تراجم کی تعداد ۲۵۰ سے متجاوز ہے۔ وہ ایک عرصہ تک لاہور کے مشہور تاجر کتب حاجی چراغ الدین و حاجی سراج الدین کے کتب خانہ سے وابستہ رہے۔ یہاں انہوں نے کئی عربی و فارسی کتابوں کے ترجمے کیے۔

ظہیر البشر (اردو ترجمہ زمرد اخضر و یاقوت احمر): زمرد اخضر و یاقوت احمر (مطبوعہ ۱۹۲۰ء، لاہور) ابوعبدالرحمان عبدالعزیز بن ابی حفص احمد بن حامد قرشی کی تالیف ہے۔ اسے اس نے شوال المکرم ۱۲۲۸ھ مطابق اکتوبر ۱۸۱۳ء میں مکمل کیا تھا۔ تحفۃ المومنین، طب اکبر، قرابادین قادری، تذکرۂ انطاکی، مغنی، مجربات اکبری، برء الساعہ، شفاءِ عاجل اور غنیٰ منیٰ وغیرہ اس کے بنیادی مآخذ ہیں۔ اس میں امراض کی ماہیت اور اسباب و علامات کے مختصر تذکرہ کے بعد اصول علاج اور مجربات کے ذریعہ علاج بتایا گیا ہے۔ حکیم ظہیر احمد شاہ نے حاجی چراغ الدین اور حاجی سراج الدین کی فرمائش پر 'ظہیر البشر' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، جو گلزار ہند اسٹیم پریس، لاہور سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

رسالہ معالجات خنازیر: حکیم ظہیر احمد نے ۱۹۰۸ء میں حکیم امام الدین متوطن ریاست پٹیالہ کے رسالہ خنازیر کو حکیم غلام نبی لاہوری کی خواہش پر 'رسالہ معالجات خنازیر' کے نام سے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ۱۹۰۸ء میں مطبع جمعدار، لاہور سے شائع ہوا ہے۔ حکیم امام الدین کی ایک دوسری تالیف

'کنز المسہلین' کا بھی حکیم ظہیر احمد شاہ نے ترجمہ کیا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- ظہیر البشر (اردو ترجمہ زمرد اخضر و یاقوت احمر) از حکیم ظہیر احمد شاہ ظہیرؔی، گلزار ہند اسٹیم پریس، لاہور، غیر مورخ، ۴-۱، ۲۰۸

۲- تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیر واسطی، موسسہ مطالعات پزشکی طب اسلامی و تکمل ایران، بہمن ماہ ۱۳۸۲، ص ۱۲۹

۳- رسالہ معالجات خنازیر، مترجمہ حکیم ظہیر احمد شاہ ظہیری، مطبع جمعدار، لاہور، ۱۹۰۸ء، ص ۱

●●●

حکیم سید عابد حسین لکھنوی

حکیم سید عابد حسین ملقب بہ عالم فاضل ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے، ان کا اصل وطن لکھنؤ تھا، لیکن گیا (بہار) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کے خاندان میں کئی پشتوں سے طبابت کا سلسلہ رہا ہے۔ ان کے والد حکیم سید ہادی علی (ولادت ۲۸/ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۲/مارچ ۱۸۶۹ء) حاذق طبیبوں میں تھے۔ وہ بڑے حکیم صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ عابد حسین کے دادا حکیم سید مہدی علی، حکیم عبدالعزیز لکھنوی کے تلامذہ میں تھے۔ عابد حسین کے بزرگوں کو مغل عہد حکومت میں صوبیداری اور سپہ سالاری کا منصب ملا ہوا تھا۔

عابد حسین نے ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ راجہ امیر حسن خاں، لکھنؤ سے عربی و فارسی پڑھی۔ اسی زمانہ میں انہوں نے طب کا مطالعہ بھی شروع کردیا تھا، یہاں سے فراغت کے بعد گیا (بہار) پہنچ کر اپنے والد سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر یہیں مطب شروع کردیا۔

مطب و معالجہ میں حذاقت کے ساتھ عابد حسین علم و فضل کے میدان میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ منشی نول کشور سے ان کے اچھے، دوستانہ مراسم تھے۔ منشی جی کی فرمائش پر انہوں نے نفیسی اور سدیدی کے تراجم کیے ہیں۔ یہ ترجمے ان کے علمی مفاخر میں ہیں، یہ سب مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے بہ ترتیب ذیل شائع ہوئے ہیں۔

۱- اردو ترجمہ نفیسی (۱۹۰۶ء)

۲- اردو ترجمہ کلیات سدیدی۔ فن اول (۱۹۱۱ء)

۳- اردو ترجمہ معالجات سدیدی۔ فن دوم (۱۹۱۴ء)

۴- اردو ترجمہ معالجات سدیدی۔ فن سوم و چہارم (۱۹۱۴ء)

نفیسی اور سدیدی کے یہ خالص ترجمے نہیں ہیں، بلکہ ان میں توضیحات وتشریحات بھی شامل ہیں۔ ان تراجم کے علاوہ فن طب میں ان کی تصنیفات کا ذکر بھی ملتا ہے، مگر راقم کی نظر سے ایسی کوئی کتاب نہیں گزری ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- رموز الاطباء، جلد دوم، مرتبہ حکیم محمد فیروز الدین، دار الکتب رفیق الاطباء، لاہور، طبع ثانی ۱۹۲۴ء، ص ۸۲۸

۲- رموز حکمت، مؤلفہ حکیم محمد عبد الرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس، گجرات، غیر مورخ، ص ۳۷۳

۳- تاریخ اطبائے بہار از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۷ اور ۱۳۲-۱۳۱

۴- جہانِ طب، جلد ۵، شمارہ ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۳۲-۸

۵- سوانح منشی نول کشور، مؤلفہ سید امیر حسن نورانی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۳

●●●

حکیم محمد عارف اصلاحی

حکیم محمد عارف اصلاحی ۲۲ر جولائی ۱۹۶۴ء کو موضع کرولی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ گاؤں ہی میں مدرسہ سراج العلوم سے مکتب کی تعلیم حاصل کی، پھر مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم رہے۔ یہاں سے ۱۹۸۳ء میں سندِ فضیلت حاصل کر کے ۱۹۸۵ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے اور ۱۹۹۱ء میں اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی۔ پیدائش سے لے کر تعلیم و تربیت تک کے مرحلے میں اعظم گڑھ، لکھنؤ اور علی گڑھ کی صورت میں عارف اصلاحی کی زندگی میں یہ مقامات محض پڑاؤ نہیں ہیں، بلکہ ان کے اثرات بھی ان کی ذات میں موجود ہیں۔ اعظمیت، اصلاحیت اور علی گیریت یہ تینوں، ترکیبی عناصر کے طور پر ان کے مزاج کا حصہ ہیں۔ مزید براں ذوق کی نفاست سے لکھنویت بھی ان میں محسوس ہوتی ہے، جہاں اس وقت ان کا قیام ہے اور جہاں انہوں نے طالب علمی کا ایک عرصہ گزارا ہے۔ خصوصاً علی گڑھ کے زمانۂ طالب علمی کو انہوں نے بھرپور انداز میں جیا ہے، کتابوں کا سبق پڑھنے کے ساتھ، یہاں کی مخصوص زندگی کو بھی خوب پڑھا ہے۔ علی گڑھ کی زندگی جن مخصوص سرگرمیوں سے عبارت ہے، ان سب میں عارف اصلاحی سرگرم نظر آئے اور پوری زندہ دلی کے ساتھ۔ کالج کی تعلیمی اور ہال کی اقامتی زندگی، دونوں میں وہ پیش پیش رہے۔ کالج اور ہال میگزینوں میں مجلسِ ادارت کے رکن، پھر شریک مدیر اور مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے انہوں نے اپنی قلمی صلاحیت کا اظہار کیا، بلکہ صحیح معنوں میں اسی سے ان کے اندر تحریر کا اعتماد پیدا ہوا۔

بی یو ایم ایس کی تکمیل کے بعد تلاش معاش کا سلسلہ شروع ہوا۔ تدریس سے مزاجی مناسبت کی وجہ سے ۲۰ر ستمبر ۱۹۹۲ء کو انہوں نے جامعہ طبیہ دیوبند کی ملازمت اختیار کی، یہ سلسلہ ۳۰ر مئی ۱۹۹۵ء تک

رہا، ایک مختصر وقفہ کے بعد ۲۰/مارچ ۱۹۹۸ء سے یکم جون ۲۰۰۵ء تک وہ اس کالج سے پھر وابستہ رہے۔ درمیانی عرصہ میں بھارت طبیہ کالج سہارنپور اور علامہ اقبال یونانی میڈیکل کالج مظفرنگر سے وابستگی رہی۔ ۵/اکتوبر ۲۰۰۶ء سے وہ ارم یونانی میڈیکل کالج، لکھنؤ میں ہیں اور اس وقت شعبۂ معالجات میں پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ پرائیویٹ طبی درسگاہوں میں ملنے والے مشاہرے شرعی نان ونفقہ سے زیادہ نہیں ہوتے، اس لیے یہاں 'ھل من مزید' کی کوشش ایک بدیہی امر ہے۔ عارف اصلاحی کو ایسے وسائل کی تلاش تھی، جس سے کچھ یافت بھی ہو اور ذوق وذہن کو اس سے مناسبت بھی۔ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے الحاوی فی الطب کے ترجمہ کی صورت میں انہیں ایک اچھا ذریعہ مل گیا۔ اب تک وہ الحاوی فی الطب مصنفہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی درج ذیل جلدوں کے ترجمے کر چکے ہیں:

۱- الحاوی فی الطب، جلد۸، (اردو ترجمہ) مطبوعہ ۲۰۰۴ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۲- الحاوی فی الطب، جلد۱۱، (اردو ترجمہ) مطبوعہ ۲۰۰۴ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۳- الحاوی فی الطب، جلد۱۴، (اردو ترجمہ) مطبوعہ ۲۰۰۵ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۴- الحاوی فی الطب، جلد۱۵، (اردو ترجمہ) مطبوعہ ۲۰۰۸ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۵- الحاوی فی الطب، جلد۲۲، (اردو ترجمہ) مطبوعہ ۲۰۰۸ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۶- الحاوی فی الطب، جلد۲۳، (حصۂ اول)، (اردو ترجمہ) غیر مطبوعہ

الحاوی کے مذکورہ تراجم کے علاوہ اس کی ساتویں اور نویں جلد کے اردو ترجمہ پر محمد عارف اصلاحی نے نظرثانی کی ہے، جو کونسل سے شائع ہو چکے ہیں۔ تراجم سے متعلق درج بالا تفصیلات مترجم موصوف کی فراہم کردہ اطلاع پر مبنی ہیں۔ ترجمہ نگاری کے ساتھ وہ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے ہیں۔ 'دمہ' ان کی ایک قابلِ ذکر تالیف ہے جو حکیم توفیق احمد (استاذ ارم یونانی میڈیکل کالج) کے اشتراک سے ۲۰۱۴ء میں منظرعام پر آئی ہے۔ وقتاً فوقتاً طبی مجلات میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔

•••

مولوی عارف الدین

مولوی محمد عارف الدین یونانی طب سے رسمی تعلق نہ رکھنے کے باوجود طبی حلقہ میں متعارف ہیں۔ان کے تعارف کا ذریعہ ابوالحسن احمد بن محمد طبری کی تالیف 'المعالجات البقراطیہ' کا اردو ترجمہ ہے۔مولوی محمد عارف الدین کا وطنی تعلق حیدر آباد سے تھا،وہ عربی زبان وادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے،اسی لیے سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن،نئی دہلی نے 'المعالجات البقراطیہ' کے اردو ترجمہ کے لیے ان کی خدمت حاصل کی تھی،انہوں نے یہ مفوضہ کام مولوی خورشید علی (ان کا تذکرہ بھی شاملِ کتاب ہے) کے اشتراک سے انجام دیا ہے۔یہ ترجمہ سی سی آر یو ایم،نئی دہلی سے تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔اس کی پہلی جلد ۱۹۹۵ء میں اور دوسری و تیسری ۱۹۹۷ء میں طبع ہوئی ہے۔

•••

حکیم عبدالباری فلاحی

حکیم عبدالباری فلاحی (ابن محمد قاسم) ۱۹۵۸ء میں موضع جمال جوت، ڈمریا گنج، ضلع سدھارتھ نگر (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، بعدازاں معروف دینی درسگاہ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج (اعظم گڑھ) سے عالمیت اور فضیلت کر کے ۱۹۷۹ء میں اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۸۵ء میں یہاں سے فراغت کے فوراً بعد انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ (موجودہ جامعہ ہمدرد) کے شعبۂ تاریخ طب وسائنس میں ان کا تقرر ہوگیا۔ یہ ملازمتی زندگی ایک طرح سے طالب علمی کا دوسرا دور تھی، اس نے ان کے مطالعہ کو وسعت اور تصنیفی وتالیفی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کا کام کیا، جب ۲۰۰۵ء میں یہ شعبہ تحلیل ہوگیا تو حکیم عبدالباری فیکلٹی آف میڈیسن کے شعبۂ کلیات میں آگئے، ہنوز یہاں سینئر لکچرر کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان کی خوبی ہے کہ زبان و بیان کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہر وقت مصروف عمل رہتے ہیں، تاریخ طب اور مطالعۂ مخطوطات ان کی دلچسپیوں کے خاص مجال ہیں۔ اہم اور نادر مخطوطوں کی تلاش اور ان کا ترجمہ کر کے علمی دنیا کے سامنے پیش کرنا حکیم عبدالباری کا قابل قدر کارنامہ ہے۔ اس وقت ان کا شمار طبی حلقہ کے معروف ناموں میں ہے۔ اب تک ان کے درج ذیل علمی آثار منظر عام پر آچکے ہیں۔

1- Salient Features of History of Unani Medicine

یہ تاریخِ طب اور مطالعۂ مخطوطات پر مبنی ۱۳ مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو ۲۰۰۶ء میں القاضی پبلشرز، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ یہ انگریزی زبان میں ہے۔ اس میں شامل مضامین اس زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں جب حکیم عبدالباری شعبۂ تاریخِ طب وسائنس سے وابستہ تھے۔ مجموعہ میں شامل

مضامین وقیع اور معلوماتی ہیں۔ یونانی اور آیوروید کے روابط، عرب میں ہندی طب اور طب عربی پر اس کے اثرات، طب عربی میں علم العین، اسلامی شفا خانے اور یورپی شفا خانوں پر ان کے اثرات، قطب شاہی دور میں یونانی طب، صفوی عہد کے ایران میں یونانی طب، ہندوستان میں ابن سینا اور اس کے طبّی کاموں کا جائزہ۔ شخصیات میں حکیم محمد اکبر ارزانی، حکیم شریف خاں، حکیم اجمل خاں، مخطوطات میں التلویح الیٰ اسرار التنقیح اور دستور الہند۔ ان مقالوں کے مطالعہ سے حکیم عبدالباری کے تاریخی شعور اور ذوقِ مخطوطات کا اندازہ ہوتا ہے۔

شعبۂ کلیات سے وابستگی کے بعد حکیم عبدالباری نے یکسو ہو کر اپنی توجہ مطالعۂ مخطوطات پر مبذول کی، خصوصاً ان کی تلاش و تراجم کو میدان عمل بنایا۔ ان سرگرمیوں کا اظہار ذیل کے تراجم سے ہوتا ہے:

۱- التلویح الیٰ اسرار التنقیح: یہ چودھویں صدی عیسوی کے معروف طبّی مصنف فخر الدین محمد بن ابی نصر خجندی کی تالیف ہے، اسے اس نے شرف الدولہ منصور بن اسعد ہمدانی کے ایماء پر لکھا تھا۔ یہ دراصل القانون فی الطب کے حصۂ کلیات کا ملخص ہے۔ یہ 'تلویح القانون' اور 'تلویح الطب' کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس کے عربی سے اردو ترجمہ کے پروجیکٹ میں حکیم عبدالباری بطور پرنسپل انوسٹی گیٹر شامل رہے ہیں۔ یہ ترجمہ نیو پرنٹ سنٹر، دریا گنج، نئی دہلی سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔ طباعت اور پیش کش نہایت عمدہ ہے۔

۲- تحفۃ الصفویہ (دستور العمل): یہ حکیم محمد ارشد دہلوی ملقب بہ حکیم شفائی خاں بن مسیح الملک حکیم عبدالشافی خاں کشمیری اصفہانی کی تالیف ہے۔ شفائی خاں کا شمار ممتاز مؤلفین اور حاذق اطباء میں ہے۔ دہلی میں ایک عرصہ قیام کے بعد وہ فیض آباد پھر لکھنؤ میں رہے اور یہیں ۸۰ برس کی عمر میں ۱۲۱۳ھ/۱۸۱۴ء میں وفات پائی۔ حذاقت کی وجہ سے شجاع الدولہ، آصف الدولہ، نواب سعادت علی خاں کے درباروں میں وہ قدر و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

شفائی خاں کی زیر نظر کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے، اس میں اختصار کے ساتھ امراض کی تعریف، اسباب و علامات اور علاج کا بیان ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھارت آفسیٹ بلیماران، دہلی سے ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا ہے۔

۳- مطب حکیم علوی خاں: یہ حکیم سید محمد ہاشم بن محمد ہادی بن سید مظفر الدین معروف بہ حکیم علوی خاں (۱۷۴۹ء-۱۶۶۹ء): کے معمولات کا مجموعہ ہے، اسے ان کے تلامذہ نے جمع کیا ہے۔ یہاں یہ

امر وضاحت طلب ہے کہ مطبع منشی نول کشور نے علوی خاں کی کتاب رسالہ 'قوانین علاج کو 'مطب علوی خاں' کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ نیز مختلف مطابع نے بہاء الدولہ سراج الدین حسن بن میر قوام الدین قاسم (وفات ۱۵۱۹ء) کی تالیف 'خلاصۃ التجارب' کو مطب حکیم علوی خاں کے نام سے شائع کیا ہے۔

مطب حکیم علوی خاں، ہنوز مخطوطہ کی شکل میں ہے، اس کے خطی نسخے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اور حکیم سعید سنٹرل لائبریری جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ مولانا آزاد لائبریری کا نسخہ ۱۲۸۳ ہجری کا منقول ہے، اس کے ناقل سید وزیر علی باقری قادری ہیں، انہوں نے اس میں حکیم شریف خاں کے معمولات بھی شامل کر دیے ہیں۔

مطب حکیم علوی خاں کا اردو ترجمہ پکسل گرافکس، نئی دہلی سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا ہے، اس ترجے کے منصوبہ میں حکیم عبدالباری پرنسپل انوسٹی گیٹر ہیں۔ ترجمہ کے وقت کون سا نسخہ پیش نظر رہا ہے؟ اس کی وضاحت نہیں ملتی، ظن غالب ہے کہ زیر نظر ترجمہ جامعہ ہمدرد کے نسخے سے کیا گیا ہے۔

۴- خلاصۂ قوانین علاج: اسے حکیم علوی خاں نے طالبان طب اور پیشۂ طبابت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے تالیف کیا تھا۔ اس میں روز مرہ پیش آنے والی مختلف مرضی صورتوں اور ان کے علاج و معالجہ کے طریقے بیان کیے ہیں۔ یہ سترہ ابواب پر مشتمل ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے۔ یہ ترجمہ محکمۂ آیوش کے پروجیکٹ کے تحت انجام پایا ہے۔ حکیم عبدالباری اس میں پرنسپل انوسٹی گیٹر ہیں۔ یہ ترجمہ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

۵- رسالۂ افیون: یہ دسویں صدی ہجری کے نامور طبیب حکیم عماد الدین محمود بن قطب الدین مسعود شیرازی کی تالیف ہے۔ ان کا شمار معروف اساتذۂ طب میں ہے۔ ہندوستان میں خاندانِ شریفی اور خاندان عزیزی کو ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

زیر نظر رسالہ میں افیون کی دیگر تفصیلات کے ساتھ اس کے Adiction اور Deadiction جیسے مباحث عصری تناظر میں خصوصاً اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ ۲۰۰۹ء میں بھارت آفسیٹ، دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۶- قرابادین مارستانی: یہ محمد بن علی بن عمر مطبب سمرقندی کی تالیف ہے، اسے اس نے شفاخانوں کی ادویاتی ضرورتوں کے لیے تالیف کیا تھا۔ اس کا واحد نسخہ حکیم محمد سعید سنٹرل لائبریری جامعہ ہمدرد،

نئی دہلی میں محفوظ ہے۔ حکیم عبدالباری نے اردو طبی ترجمے کا جو پروجیکٹ شروع کیا ہے، یہ اس سلسلہ کی دوسری پیشکش ہے۔ قرابادین مارستانی کا زیر نظر اردو ترجمہ القاضی پرنٹرس، نئی دہلی سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

۷- رسالہ فی اطعمۃ المرضیٰ:

۸- کتاب الفتح فی التداوی من جمیع صنوف الامراض والشکاوی: یہ ابوسعید بن ابراہیم المغربی کی تالیف ہے۔ اس میں جدول کی صورت میں ۵۴۹ مفرد دواؤں کا تذکرہ ہے۔ اس کے خطی نسخے خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور، حکیم محمد سعید سنٹرل لائبریری جامعہ ہمدرد اور سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں محفوظ ہیں۔ حکیم عبدالباری کی نگرانی میں انجام پانے والا یہ ترجمہ NCPC پرنٹرس، نئی دہلی سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔ طباعت اور انداز پیشکش نہایت عمدہ ہے۔

کتاب الفتح فی التداویٰ کا عربی متن ۲۰۱۱ء میں المجمع العلمی عراق سے تقویم الادویہ اور المنہج فی التداوی من صنوف الامراض والشکاویٰ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمود الحاج قاسم محمد نے اس متن کی تحقیق کی ہے۔

حکیم عبدالباری نے مخطوطوں کی تلاش اور ترجمے کا جو کام شروع کیا ہے، وہ یقیناً تحسین و پذیرائی کا مستحق ہے۔ امید ہے کہ یہ مفید سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا۔ سطور بالا میں جن ترجموں کا ذکر ہے، وہ سب پروجیکٹ کے تحت انجام پائے ہیں، حکیم عبدالباری ان کے چیف انوسٹی گیٹر ہیں۔

●●●

حکیم محمد عبدالحلیم لکھنوی

حکیم محمد عبدالحلیم کی شخصیت خاندانِ عزیزی کے گل سرسبد کی ہے۔ ان کی ولادت جنوری ۱۹۰۶ء میں ہوئی تھی۔ غیر معمولی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے وہ محض چھ برس کی عمر میں 'میزان الصرف' پڑھنے لگے تھے۔ ابھی عہدِ طفولیت کی چھ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ ان کے والد حکیم عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا، سایۂ پدری اٹھ جانے کے بعد بڑے بھائی حکیم عبدالرشید نے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔

حکیم عبدالحلیم نے عربی کی تعلیم مولانا عبدالرشید مکی سے حاصلی کی، انگریزی مسٹر جے ڈبلیو بیٹرس سے پڑھی اور مولوی عبدالغفور سے درس نظامی کی تکمیل کی، اپنے چچا حکیم عبدالحفیظ سے طب کا درس لیا اور عملی مشق حاصل کر کے ستمبر ۱۹۲۲ء میں مطب شروع کیا، اسی دوران انہیں لفٹنٹ کرنل ٹی ہنٹر (سابق سول سرجن، لکھنؤ) کی عنایت سے بلرام پور ہاسپٹل میں جراحت سیکھنے کا موقع مل گیا، انہوں نے صرف دو برس میں عملی سرجی میں اتنی استعداد بہم پہنچالی تھی کہ انتزاع مقلہ، ہرنیا، اخراج سنگِ گردہ و مثانہ، کاربنکل اور نزول الماء وغیرہ کا خوش اسلوبی سے آپریشن کرنے لگے تھے۔ سرجری میں مہارت کی طرح وہ یونانی مطب و معالجہ میں بھی حذاقت رکھتے تھے۔ ان مشاغل کے ساتھ وہ تکمیل الطب کالج کے تدریسی اور انتظامی معاملات میں بھی شریک تھے۔ وہ ۱۹۲۶ء میں اس کالج کے وائس پرنسپل اور شفاخانہ کے انچارج مقرر ہوئے، مگر اپنے بڑے بھائی شفاء الملک حکیم عبدالحمید سے خانگی نزاع کی وجہ سے کالج سے قطع تعلق کر لیا، اس سے علاحدگی کے بعد ۱۲؍دسمبر ۱۹۲۹ء کو وہ منبع الطب کالج لکھنؤ سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء میں وہ اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ان کی کوشش سے منبع الطب کے ساتھ مدرسہ طبیہ وہاجیہ کا انضمام عمل میں آیا۔ وہ اس متحدہ کالج کے پرنسپل پھر سکریٹری مقرر رہوئے۔

حکیم عبدالحلیم 'رسالہ خادم الاطباء' کے نائب مدیر اور 'ماہنامہ الطبیب، لکھنؤ' کے سرپرست تھے۔

'مفرداتِ عزیزی' حکیم عبدالحلیم کی مایۂ ناز تالیف ہے، اسے طبّی حلقہ میں پسندیدگی اور اعتماد کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حل المعضلات المشکلہ فی علم الادویہ، دستورالاطباء، مالا یحضرۃ الطبیب، مجرباتِ عزیزی اور طب کی تعلیمی زبان وغیرہ بھی ان کے قلمی آثار کا حصہ ہیں۔

ترجمہ نگاری کے حوالہ سے حکیم عبدالحلیم کی ایک کاوش 'رہبر سرجری' ہے۔ دراصل یہ کامل الصناعۃ الطبیۃ، مؤلفہ علی بن عباس مجوسی کے دوسرے حصہ کے نویں مقالہ کا توضیحی وتشریحی ترجمہ ہے۔ ۱۲۶/صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ برقی پریس، لکھنؤ سے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا ہے۔

حکیم عبدالحلیم ادبی ذوق کے بھی حامل تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے، حلیم تخلص کرتے تھے، استاذ شاعر حضرت عزیز لکھنوی سے رشتۂ تلمذ رکھتے تھے۔

حکیم عبدالحلیم نے ۴۹/برس کی عمر میں ۱۸/اگست ۱۹۵۴ء کو وفات پائی۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ تذکرۂ اطباء اودھ از حکیم سید کمال حسین ہمدانی، ادارہ ادبیاتِ دلی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۶۔۱۹۴

۲۔ جہانِ طب [تکمیل الطب کے صاحبِ تصنیف اطباء از حکیم وسیم احمد اعظمی] جلد ۴، شمارہ ۱، ۲ (تکمیل الطب کالج نمبر) جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۹-۱۹۳

۳۔ مشاہیرِ طب یا تذکرۃ الاطباء از حکیم سید سرفراز حسین، مرکزی کتب خانہ سمن آباد، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۸۹-۱۸۰

•••

حکیم عبدالرزاق جگرانوی

حکیم عبدالرزاق ۵رنومبر ۱۹۰۵ء کو قصبہ جگراؤں ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد انہوں نے ہندوستان کی شہریت ترک کر کے پاکستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہاں صوبۂ پنجاب کے ضلع فرید آباد کی تحصیل جڑانوالہ میں ۲۳رفروری ۱۹۸۷ء کو انہوں نے وفات پائی۔ حکیم عبدالرزاق چشتی اور نظامی سلسلوں سے ارادت کا رشتہ رکھتے تھے۔ طبّی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ان کی ایک یادگار 'فصول بقراط تلخیص' کا اردو ترجمہ ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ وفیاتِ مشاہیر پاکستان از پروفیسر محمد اسلم، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۴۲

•••

حکیم ابوعبدالعزیز محمد بٹالوی

حکیم ابوعبدالعزیز محمد بن امیر الدین شہر بٹالہ (ضلع گرداس پور، صوبۂ پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ وہ علمی حلقہ میں مبادیات طب پر مبنی ابن سینا کے منظوم رسالہ 'ارجوزہ' کے مترجم اور شارح کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

الجوہر النفیس فی شرح ارجوزۃ الشیخ الرئیس:

یہ ارجوزہ کا اردو ترجمہ ہے، اسے حکیم ابوعبدالعزیز محمد بٹالوی نے مطبع منشی نول کشور کی فرمائش پر بروز دوشنبہ ۴/محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انجام دیا تھا۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ ہر شعر کے ساتھ اس کا ترجمہ درج ہے اور شرح طلب امور کی تشریح بھی۔ یہ ۴۷۸/صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا تاریخی نام 'اکسیر اعظم' ہے۔ یہ مطبع منشی نول کشور سے پہلی بار ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کی دوسری اشاعت ۱۹۰۹ء میں ہوئی ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ الجوہر النفیس فی شرح ارجوزۃ الشیخ الرئیس، مترجمہ حکیم ابوعبدالعزیز محمد بٹالوی، مطبع منشی نول کشور، ۱۹۰۹ء، ص ۲، ۴۷۸

•••

حکیم مولوی محمد عبدالعزیز کاملؔ

حکیم مولوی محمد عبدالعزیز کاملؔ اپنے عہد کے مشاہیر میں تھے۔ ان کے والد حاجی مولوی محمد عبدالکریم واعظؔ مشہور بزرگ تھے، ان کے مریدین کی تعداد ہزاروں میں تھی، وہ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ تینوں سلسلوں میں بیعت فرماتے تھے۔ علمی لحاظ سے حکیم عبدالعزیز کی شخصیت بڑی متنوع تھی۔ وہ یونانی طب کے ساتھ ویدک کا بھی شعور رکھتے تھے۔ طبِ جدید سے واقفیت کے لیے انہوں نے باقاعدہ ایل ایم ایس کی سند حاصل کی تھی۔ تمام مروجہ طبوں سے بھرپور واقفیت کے باوجود وہ یونانی طب کے زبردست حامی اور مبلغ تھے۔ مختلف طبی علوم کی معرفت کے علاوہ وہ شعروادب کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ ان کے ابتدائی کلام کا مجموعہ 'دیوانِ عزیز' کے نام سے طبع ہوا ہے۔ مسمریزم، ہپناٹزم اور علمِ صناعت سے بھی ان کا خاصا لگاؤ تھا۔

حکیم عبدالعزیز نے اپنے والد سے تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھنے کے بعد حکیم مولوی محمد ابراہیم جالندھری سے کچھ طب کی کتابیں پڑھیں، پھر حکیم الٰہ بخش باوری اور حکیم مولوی نور محمد (افسر الاطباء) کے مطب میں بیٹھ کر معالجہ کے اسرار و رموز سیکھے۔ حکیم عبدالعزیز نے طبی و ادبی صحافت سے دلچسپی کے باعث ۱۹۰۴ء میں ایک رسالہ 'کامل' جاری کیا، اس میں ادب، طب، مسمریزم اور کیمیا وغیرہ سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ کچھ ہی عرصہ جاری رہا۔ ۱۹۰۷ء میں حکیم محمد فیروز الدین نے 'رسالہ حکمت' جاری کیا تو حکیم عبدالعزیز نے اس کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حکیم عبدالعزیز کی متنوع شخصیت کی طرح ان کا تصنیفی میدان بھی کافی وسیع ہے۔ اسلامیات، عملیات، ادبیات، کیمیا اور طب وغیرہ سے متعلق ان کے قلمی آثار کا تذکرہ ملتا ہے۔ وجع المفاصل، العین، مطبِ کامل، طبی اصطلاحات، قرابادینِ خانگی یا فیملی فارما کوپیا وغیرہ ان کی طبی تالیفات ہیں۔ 'اسرارِ حکمت'

ان کی بے حد قابلِ ذکر تالیف ہے۔ اس میں ہندوستان کے مشہور طبیبوں اور ویدوں کے مجربات کا تذکرہ ہے۔ اسی کا تسلسل 'اسرار الاطباء' ہے، جو ان کی علاحدہ تالیف کے طور پر شائع ہوئی ہے۔ یہ تفصیلات صرف اس وقت تک کی ہیں، جب ان کی عمر محض ۳۲ یا ۳۳ برس تھی۔

طبّی ترجمہ نگاری سے متعلق حکیم عبدالعزیز کی ایک کاوش 'طبِ یوسفی' کا اردو ترجمہ ہے، اس کا تذکرہ حکیم نیر واسطی نے تاریخ روابط ایران و پاکستان' میں کیا ہے، اب یہ غالباً ناپید ہے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود یہ مجھے مل نہیں سکا۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ رموز الاطباء، جلد دوم از حکیم محمد فیروز الدین، کواپریٹیو اسٹیم پریس، لاہور، ۱۹۲۴ء، ص ۴۹۸-۴۹۶

۲۔ تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیر واسطی، موسسہ مطالعات پزشکی طب اسلامی و مکمل ایران، بهمن ماه ۱۳۸۲، ص ۱۲۷

●●●

حکیم محمد عبدالغنی رمضان پوری

حکیم محمد عبدالغنی رمضان پور ضلع مونگیر صوبہ بہار کے رہنے والے تھے، وہ حکیم عبدالعزیز لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں تھے، انہوں نے 'کانونچہ' کے تمہیدی کلمات میں حکیم عبدالعزیز سے تلمذ کی نسبت کو فخریہ بیان کیا ہے۔ حکیم محمد عبدالغنی نے ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۳ء میں وفات پائی۔ ان کے قلمی آثار درج ذیل ہیں۔

ا۔ کانونچہ: یہ قانونچہ کا توضیحی ترجمہ ہے، اس میں ترجمہ کے ساتھ مترجم کی توضیحات وتشریحات بھی ہیں۔ اسے حکیم عبدالغنی نے خواجہ قطب الدین احمد کے ایماء پر انجام دیا ہے۔ یہ پہلی بار ۱۳۱۸ھ/۱۸۹۳ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے طبع ہوا ہے، پھر دوبارہ اسی مطبع سے ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا ہے۔ 'کانونچہ' کے ساتھ درج ذیل رسالے بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ میرے پیش نظر 'کانونچہ' کی چوتھی اشاعت ہے، جو اگست ۱۹۱۹ء سے تعلق رکھتی ہے۔

ا۔ احکام صحیحہ: یہ بقراط کی مشہور تالیف 'رسالہ قبریہ' کا اردو ترجمہ ہے۔

۲۔ رسالہ بحران: یہ بحران کے مسئلہ پر حکیم محمد عبدالغنی کی طبع زاد تالیف ہے۔

مطالعاتی مآخذ

ا۔ جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر) [تکمیل الطب کالج کے صاحبِ تصنیف اطباء از حکیم وسیم احمد اعظمی] جلد۴، شمارہ ۱، ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۵۵-۱۵۳

۲۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، اشاعتِ دوم، ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۴-۲۳۳

•••

حکیم قاضی محمد عبداللطیف

حکیم مولوی قاضی محمد عبداللطیف ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۲۳ ہجری مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۰۵ء کو تعلقہ نرمل ضلع عادل آباد کے ایک معزز قاضی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے جد امجد تعلقہ بوتھ ضلع عادل آباد میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے اور والد قاضی عبدالرحیم ضلع عادل آباد میں تعلقہ بوتھ اور نرمل کے عہدۂ قضاء پر مامور تھے۔

حکیم محمد عبداللطیف نے مدرسہ طبیہ یونانی سرکار عالی سے ۱۳۳۹ فصلی میں طبابت کا امتحان پاس کیا۔ حکیم قاضی محمود صمدانی، حکیم محمود علی اور نواب حکیم فخر الدین خاں سے مطب کے رموز سیکھے، بعد ازاں سررشتۂ طبابت یونانی سرکار عالی کے زمرۂ ملازمت میں داخل ہوئے اور منصرم کے طور پر سرکار عالی کے مختلف دواخانوں میں خدمت انجام دی۔

حکیم محمد عبداللطیف مطب و معالجہ کے ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ 'مرآۃ المثنوی' کی تالیف میں قاضی تلمذ حسین کے ساتھ وہ بطور معاون شریک تھے۔ طب کے تعلق سے ان کے مندرجہ ذیل آثار کا تذکرہ ملتا ہے۔

۱- افاداتِ لطیف: یہ تالیف تشخیص فارقہ سے متعلق ہے، اس میں متشابہ امراض کا فرق بتایا گیا ہے۔

۲- ترجمہ مفرح القلوب: یہ مفرح القلوب کا جزوی ترجمہ ہے۔ اس میں صرف امور طبیعیہ، نبض اور قارورہ سے متعلق حصہ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- تذکرۂ اطباء عہد عثمانی از حکیم شفا حیدر آبادی، مطبوعہ صحیفہ پریس، ۱۹۵۲ء، ص ۱۳۲-۱۳۱

•••

شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی

۱۹۲۷ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تحت طبیہ کالج کا قیام عمل میں آیا اور ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ اس کے پہلے پرنسپل منتخب ہوئے۔ وہ جرمنی کے تعلیم یافتہ تھے، ان کے پیش نظر یورپ کی درسگاہوں کے نمونے تھے، اس لیے جب علی گڑھ کے نوزائیدہ طبیہ کالج کی زمام انصرام انہیں ملی تو اس کی تشکیل و تعمیر کا انہوں نے اسی طرز کا نقشہ بنایا جیسا یورپ میں دیکھا تھا۔ طبیہ کالج کی قدیم عمارت ڈاکٹر بٹ کی بلند سوچ کا ایک نمونہ ہے۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا سنگ بنیاد ریاست حیدر آباد کے شہزادہ نے رکھا تھا۔ ڈاکٹر بٹ کی سربراہی نے اس کالج کو نہ صرف متحکم بنیاد عطا کی، بلکہ اسے ہندوستان میں طبی تعلیم کی سب سے اہم درس گاہ بنا دیا، اس کی یہ حیثیت آج تک قائم ہے۔ ٹھیک اسی زمانہ میں دلی میں طبیہ کالج قرول باغ اور لکھنؤ میں تکمیل الطب کالج خاندانی نزاع کی وجہ سے زوال کا شکار ہو رہے تھے۔ ادھر علی گڑھ میں ڈاکٹر بٹ کی پرنسپل شپ میں طبی تعلیم کی ایک نئی مرکزیت وجود میں آرہی تھی۔ ڈاکٹر بٹ ۱۹۴۹ء تک اس کالج کے پرنسپل رہے۔ طبیہ کالج کی تعمیر و ترقی کا یہی اصل زمانہ ہے۔ ان کی دانشورانہ سربراہی نے اس کالج کو ایسی متحکم بنیاد عطا کردی کہ آج تک یہ اسی پر کھڑا ہے۔

ڈاکٹر بٹ کی پرنسپل شپ میں جو تدریسی عملہ منتخب ہوا اس میں حکیم عبداللطیف فلسفی بھی تھے۔ ان کا تعلق لکھنؤ کے مشہور طبی سلسلہ خاندان عزیزی سے تھا۔ تکمیل الطب کالج ان کے خاندان کا تھا، انہوں نے یہیں سے تعلیم بھی پائی تھی، ۱۹۲۱ء میں اسی کالج سے ڈپلومہ کر کے جز وقتی طور پر اس میں پڑھا بھی رہے تھے، لیکن انہیں محسوس ہوا کہ علی گڑھ کے طبیہ کالج کا مستقبل زیادہ تابناک ہے، یہ ایک بڑی یونیورسٹی کے زیر انصرام ہے، اس لیے اب اسی کو طبی مرکزیت حاصل ہونی ہے، لہٰذا انہوں نے طبیہ کالج علی گڑھ کے

لیے درخواست دی اور منتخب بھی ہوئے۔ علی گڑھ کی سلیکشن کمیٹیوں میں شیخ الجامعہ، سربراہانِ شعبہ اور مضمون کے ماہرین پر مشتمل متعدد اراکین ہوتے ہیں، لیکن شعبہ کا سربراہ ہی کلیدی کردار میں ہوتا ہے۔ اس لیے گمان ہوتا ہے کہ حکیم عبداللطیف فلسفی کے انتخاب میں ڈاکٹر بٹ کی تائید بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہوگی۔

۱۳/ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو وہ طبیہ کالج سے وابستہ ہوئے، دورانِ ملازمت پروفیسر معالجات، ڈین فیکلٹی آف میڈیسن اور ڈائرکٹر آف یونانی میڈیسن جیسے عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ ۱۹۴۹ء سے ۳/ ستمبر ۱۹۶۱ء کو ملازمت سے سبکدوشی تک اس کے پرنسپل رہے۔ کالج میں سینئر پوزیشن حاصل کرنے کے بعد وہ یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل، اکزیکیٹیو کونسل اور کورٹ کے ممبر بھی رہے۔ اس زمانہ میں طبیہ کالج قرول باغ اور تکمیل الطب کالج لکھنؤ کی گرتی ساکھ کی وجہ سے اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ باقی طبّی دنیا کے لیے مرکزِ توجہ تھا، اس کی اس حیثیت سے بھی حکیم عبداللطیف کو فائدہ پہنچا۔ اس کے سینئر استاذ اور پرنسپل کی حیثیت سے اس زمانہ کے متعدد طبّی اداروں کے وہ رکن منتخب ہوئے۔

حکیم عبداللطیف فلسفی نہایت ذہین اور معاملہ فہم تھے، اس لیے انہیں کالج اور یونیورسٹی میں جگہ بنانے میں دیر نہیں لگی۔ وہ مجلسی آدمی تھے، جہاں ہوتے ایک مجلس آباد کر لیتے، انہیں جھرمٹ میں رہنا پسند تھا، مطب میں ہوتے تو مریضوں میں، کالج میں اساتذہ کے ساتھ، فارغ اوقات میں یونیورسٹی کے دوست احباب کے درمیان، ان سب کے علاوہ ان کے تلامذہ کی ایک ٹولی ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی، حالانکہ علی گڑھ کے اساتذہ حفظِ مراتب کی پاسداری میں طلبہ سے کم آمیزی کا معاملہ رکھتے ہیں، لیکن عبداللطیف فلسفی کا معمول اس کے برعکس تھا۔ مطب و معالجہ سے جڑے ہونے کی وجہ سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ یونیورسٹی برادری کی وہ ضرورت بن گئے اور یہاں بھی ان کا ایک حلقہ بن گیا۔

حکیم عبداللطیف فلسفی نے ۱۹۶۱ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے سبکدوشی کے بعد لکھنؤ میں 'دارالمجربات' کے نام سے ایک دواساز ادارہ قائم کیا۔ چونکہ وہ دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ تھے، جس کا مسلک علاج بالمفرد کی تبلیغ رہا ہے، اس لیے ان کا یہ رویہ خاندانِ عزیزی کے فنی اصولوں سے متصادم سمجھا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں اگست ۱۹۶۳ء سے دسمبر ۱۹۶۴ء تک جامعہ طبیہ دہلی میں پرنسپل رہے۔ مگر علالت کی وجہ سے یہ سلسلہ آگے قائم نہیں رہ سکا۔

اس زمانہ میں طبّی اداروں کی سربراہی ایک اہم مسئلہ تھا، علی گڑھ اور دلّی کے طبیہ کالجوں کے پرنسپل

ڈاکٹر تھے، ان طبی درس گاہوں میں طبیبوں کی ثانوی حیثیت سے اطباء میں خلجان تھا، ملکی پیمانہ پر اس کی مخالفت کی گئی۔ حکیم عبداللطیف اس تحریک کے سرخیلوں میں تھے، انہوں نے آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس سے یہ ریزولیوشن پاس کروایا کہ کسی طبی ادارہ کا سربراہ طبیب ہی کو ہونا چاہیے۔ لیکن جب حکیم عبداللطیف تکمیل الطب کالج کی مجلس منتظمہ کے صدر ہوئے تو انہوں نے اپنے سمدھی خان بہادر اقبال علی (ایڈوکیٹ) کو اس کا سکریٹری بنوادیا، ان کے اس رویے سے طبی دنیا میں زبردست بے چینی محسوس کی گئی۔ اس وقت حکیم شکیل احمد شمسی تکمیل الطب کالج کے پرنسپل تھے وہ اس واقعہ سے اتنے دلبرداشتہ ہوئے کہ احتجاجاً پرنسپل شپ سے مستعفی ہوکر کالج سے الگ ہوگئے۔ استعفیٰ سے پہلے ۲۲/اکتوبر ۱۹۶۴ء کو حکیم مظہر سبحان عثمانی سے اپنے کرب کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''میری صحت کسی عصبی تناؤ کی متحمل نہیں ہے اس لیے ترک ملازمت قطعی اور بالکل قریبی ہے .... اصل موقف یہ ہے کہ طبقۂ اطباء جو ایک غیر حکیم کو کسی طبی ادارہ کا سربراہ دیکھنے کا متحمل نہیں ہے اور علی گڑھ اس سلسلہ میں عملی نمونہ موجود ہے، وہ ایک دوسرے ادارہ پر بالکل غیر فنی اجارہ داری کیوں برداشت کرے''

حکیم عبداللطیف فلسفی بنیادی طور پر طبیب تھے، ان کی دلچسپیوں کا اصل مجال علاج و معالجہ تھا۔ ان کے مطب کے نمونوں کو ان کے شاگرد حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے 'مطبِ لطیف' کے نام سے مرتب کیا ہے، یہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ہے۔ حکیم محمد افہام اللہ اور پروفیسر حکیم محمد طیب کی صورت میں ان کے معالجانہ کمالات کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا، دراصل حکیم عبداللطیف فلسفی کی معالجاتی وراثت انہیں دونوں کے حصہ میں آئی تھی۔ انہوں نے نہایت شاندار اور پروقار انداز میں اس روایت کی پاسداری کی تھی۔

حکیم عبداللطیف وسیع المطالعہ اور تحقیقی ذوق کے حامل تھے، ترجمہ و تالیف کا ملکہ بھی ان میں خوب تھا، اس قسم کے متعدد کاموں سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ ان کے بیشتر قلمی آثار مختصر رسالوں کی صورت میں ہیں اور اوائل عمری کے ہیں۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۸ء تک کی ۲۲ رسالہ مدت کسی مستقل تصنیف سے خالی ہے، اس عہد سے متعلق بس مضامین کی صورت میں کچھ چیزیں ملتی ہیں۔

تالیفات و تصنیفات:

۱۔ التحقیق المطلوب فی الماء المشروب (عربی) [۱۹۲۳ء] اسے مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے رسالہ 'القول المرغوب فی الماء المشروب' کے جواب میں لکھا تھا۔

۲۔ تحقیق المقال فی تعریف الاعتدال (عربی) [۱۹۲۵ء]

۳۔ تاریخ طب (اردو) [۱۹۲۵ء]

۴۔ ہماری سائنٹفک طب یونانی (اردو) [۱۹۲۶ء]

۵۔ ہماری طب میں ہندوؤں کا ساجھا (اردو، ہندی) [۱۹۴۸ء]

۶۔ طب اور سائنس (اردو) [۱۹۵۴ء]

۷۔ مختصر تاریخ تشریح ومنافع وجراحت (اردو) [۱۹۵۵ء]

۸۔ کتاب النبض (اردو) [غیر مورخ]

۹۔ تجدید طب (اردو) [۱۹۷۲ء] یہ طبی فلسفہ اور نظریات سے متعلق مضامین کا مجموعہ ہے۔

۱۰۔ مضامین شفاء الملک (اردو) [۲۰۰۲ء] یہ منتخب مقالات کا مجموعہ ہے۔

۱۱۔ کتاب الادویۃ القلبیہ (اردو ترجمہ) [۱۹۵۶ء]۔ یہ ترجمہ حکیم عبداللطیف فلسفی کے جملہ علمی کاموں میں برتری کا حامل ہے، محض اس لیے نہیں کہ اس کے ذریعہ ابن سینا کی ایک اہم تالیف سامنے آئی، بلکہ صحیح معنوں میں اس سے 'کتاب الادویۃ القلبیہ' کی واقعی قدر وقیمت سے موجودہ دنیائے طب واقف ہو سکی۔ ترجمہ کے ساتھ فلسفی کا مبسوط مقدمہ اس کا نہایت اہم حصہ ہے۔ اس میں انہوں نے ابن سینا کی اس کتاب کی توقیت کرنے کے علاوہ اس کے دوسرے علمی کاموں پر بھی تجزیاتی نظر ڈالی ہے۔ فلسفی کا خیال ہے کہ ابن سینا کے باقی سارے کاموں میں جمع وتالیف، تجزیہ وتطبیق، توضیح وتشریح یا کسی نظریہ کی تائید وتردید سے زیادہ کوئی چیز نظر نہیں آتی، جبکہ ادویہ قلبیہ اس کا تحقیقی اور طبع زاد کارنامہ ہے اور اس کا ابتدائی حصہ سب سے زیادہ اہم ہے، دراصل یہاں اس نے علم نفسیات کا طب سے ڈانڈ املایا ہے۔

حکیم عبداللطیف فلسفی نے یہ ترجمہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی تحریک پر کالج کے اساتذہ حکیم ظہیر الدین خاں، حکیم نور الدین اور حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی کے تعاون سے کیا ہے۔ انہوں نے یہ ترجمہ درج ذیل نسخوں کے موازنہ سے کیا ہے:

۱۔ قلمی نسخہ از جامعہ ملیہ اسلامیہ

۲۔ برٹش میوزیم میں محفوظ دو خطی نسخوں کی عکسی کاپی

۳۔ قلمی نسخہ مملوکہ شفاء الملک مظاہر احمد پٹنہ (حکیم عبداللطیف فلسفی نے سہواً مظاہر حسن اور مظاہر حسین لکھا ہے)

شائع ہوا ہے۔

کتاب الادویۃ القلبیہ کا یہ ترجمہ ۱۹۵۶ء میں ایران سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔

حکیم عبد اللطیف فلسفی ۲۹/اپریل ۱۹۰۰ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے، یہیں ۱۴/نومبر ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔ ان کے گونا گوں علمی وفنی کارنامے پذیرائی کے مستحق ہیں۔ ان کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۴۰ء میں انہیں شفاء الملک کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔ مشاہیر طب میں ۱۹۴۵ء لکھا ہے، غالباً یہ سہو کتابت کا نتیجہ ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ شفاء الملک حکیم عبد اللطیف فلسفی۔ نقوش وتاثرات از حکیم محمد اسلم صدیقی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء

۲۔ مشاہیرِ طب یا تذکرۃ الاطباء از حکیم محمد صلاح الدین نعمانی، مکتبہ انیس صحت، قصر الاطباء، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۰۶-۱۰۳

۳۔ کتاب الادویۃ القلبیہ از ابن سینا، مترجمہ شفاء الملک حکیم عبد اللطیف فلسفی، ایران سوسائٹی، کلکتہ، ۱۹۵۶ء، ص ۳۱-۱

۴۔ حکیم شکیل احمد شمسی۔ شخصیت اور خدمات مرتبہ حکیم محمد عبد الرزاق، شائع کردہ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۴۵-۴۴

۵۔ تذکرۂ اطباءِ عصر از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، ۲۰۱۰ء، ص ۳۴-۱۱

۶۔ تذکرۂ خاندان عزیزی از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، طبع دوم ۲۰۰۹ء، ص ۸۱-۳۶۵

●●●

حکیم عبدالمجید اصلاحی

جیراج پور کا شمار ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش) کے مردم خیز مواضعات میں ہے، یہ گاؤں اعظم گڑھ شہر سے تقریباً چودہ کلومیٹر کی مسافت پر جانبِ شمال واقع ہے، ابتداً یہاں غیر مسلموں کی آبادی تھی جس کی اکثریت راج بھروں اور کرمیوں پر مشتمل تھی، یہ گاؤں راج بھروں کے جدّ اعلیٰ 'جے راج' سے موسوم ہونے کے باعث جیراج پور کہلایا، اسی سے متصل علامہ شبلی نعمانی کا آبائی قریہ 'بندول' ہے، جس کے مشرق میں موضع 'خانقاہ' واقع ہے، جہاں بلند پایہ بزرگ حضرت مخدوم شاہ محمد یحیٰ کا مرقدِ اقدس ہے۔ علامہ شبلی کے مورث اعلیٰ شیوراج سنگھ انہی کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ موضع خانقاہ میں ایک بزرگ رہتے تھے، وہ شاہ صاحب کے نام سے مشہور تھے، ان کی زندگی رشد وہدایت اور تبلیغِ اسلام کے لیے وقف تھی، اس کی وجہ سے جیراج پور کے راج بھر ان کی جان کے دشمن ہو گئے اور انہیں ایذائیں پہنچانے لگے، ان کی شرانگیزیوں سے تنگ آکر حضرت شاہ نے جون پور کے حاکم اعلیٰ سے فریاد کی۔ اس نے راج بھروں کی سرکوبی کے لیے شیخ مولوی محمد سعید کی قیادت میں ایک دستہ روانہ کیا، اس لڑائی میں شیخ مولوی محمد سعید شہید ہو گئے، لیکن ان کا دستہ راج بھروں کو گاؤں سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہوا اور یہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ یہ واقعہ مغل فرمانروا شہنشاہ ہمایوں کے عہدِ حکومت کا ہے۔

اعظم گڑھ کی علمی تاریخ میں جیراج پور کا اہم حصہ ہے، یہاں بڑی تعداد میں ایسے علماء، فضلاء، اربابِ شعر وادب اور عصری علوم کے ماہرین پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے ملک گیر سطح پر شہرت پائی ہے۔ اس گاؤں کی علمی تاریخ اتنی مبسوط ہے کہ اس کا تذکرہ کئی جلدوں پر محیط ہو سکتا ہے۔ دیگر علوم وفنون کی طرح طب وحکمت سے بھی یہاں کے لوگوں کا گہرا تعلق رہا ہے، اس طرح کے کئی ایسے نام ملتے

ہیں جنھوں نے طب کے علمی اور عملی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ یہاں کے مولانا عبداللہ (۱۸۸۶ء-۱۸۴۳ء) نے دلی کے مشہور طبیب حکیم محمود خاں سے تحصیلِ طب کی تھی، مولانا عبداللہ کا شمار علامہ شبلی کے ابتدائی اساتذہ میں ہے۔ طب وحکمت کے تعلق سے مولوی حکیم عبدالمجید، مولوی حکیم عبدالحفیظ، مولوی حکیم عبدالسلام، حکیم محمد سمیع، حکیم محمد شفیع وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ حکیم محمد بنی اور حکیم محمد عبدالحیؒ (مولانا حکیم عبداللہ کے پوتے) اپنے دور کے بڑے حاذق طبیب تھے، ان دونوں کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مریض کی صورت دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کر لیتے ہیں۔ حکیم عبدالمجید اصلاحی کی شخصیت بھی جیراج پور کے اسی زریں سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔ یہاں کی علمی تاریخ جن ناموں سے مستعار ہے اس میں اصلاحی صاحب کا نام بے حد قابلِ ذکر ہے، وہ اس مردم خیز قریہ میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والدین کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے، جب محض چھ ماہ کے تھے والدہ رحلت کر گئیں اور چھ برس کے ہوئے تو ان کے والد مولانا حکیم عبدالحمید کا بھی انتقال ہو گیا، اس طرح زندگی کی مصیبتوں سے لڑنے کے لیے وہ تنہا رہ گئے۔ والدین کے رخصت ہوتے ہی عزیزوں نے نہ صرف نگاہیں پھیر لیں بلکہ ان کا رویہ معاندانہ ہو گیا۔ اصلاحی صاحب نے گاؤں کے سرکاری پرائمری اسکول میں درجہ چہارم تک پڑھنے کے بعد کان پور کے مدرسہ الٰہیات میں داخلہ لیا، یہاں تقریباً چار برس وہ زیرِ تعلیم رہے۔ اس مدت میں انہوں نے عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں خاطر خواہ لیاقت بہم پہنچا لی تھی مگر تحصیلِ مزید کا جذبہ انہیں مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) لے کر آیا، ۱۹۴۹ء میں وہ درجہ عربی پنجم میں داخل ہوئے۔ یہاں انہیں جن اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا ان میں مولانا اختر احسن اصلاحی (صدر مدرس) مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا ابوالحسن عبداللہ رحمانی، مولانا علی احمد اور مولانا ابوالجلال ندوی کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ ان اساتذہ کی تربیت اور ذاتی لگن سے حکیم عبدالمجید اصلاحی نے عربی زبان وادب کا نہایت صالح ذوق پیدا کر لیا تھا، اس کا اعتراف ان کے اساتذہ کو بھی تھا، ۱۹۵۳ء میں وہ یہاں سے فارغ ہوئے تو مولانا اختر احسن اصلاحی نے انہیں شعبۂ تدریس سے وابستہ ہونے کی دعوت دی، اسے قبول کرتے ہوئے وہ الاصلاح سے تقریباً ایک برس وابستہ رہے، پھر ۱۹۵۶ء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی دعوت پر جماعتِ اسلامی کے تصنیفی ادارہ دارالعروبہ (لاہور، پاکستان) چلے گئے، اس وقت مولانا امین احسن اصلاحی اس ادارہ کے صدر تھے، مگر یہاں ان کا قیام زیادہ نہیں رہا اور دو ماہ بعد وہ ہندوستان واپس آ گئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ دارالعروبہ کے حالات اچھے نہیں تھے۔ یہاں آ کر کچھ دنوں جامعۃ الرشاد (اعظم گڑھ)

سے وابستہ رہے۔ اس طرح 'الاصلاح' سے فراغت کے بعد مختلف اداروں سے ان کی مختصر مدتی وابستگی رہی، بالآخر ۱۹۵۹ء میں طبی تعلیم کی تحصیل کے لیے تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا، اس کا محرک غالباً یہ تھا کہ ان کے والد حکیم عبدالحمید بھی پیشۂ طبابت سے وابستہ تھے، تکمیل الطب میں تعلیم کے دوران وہ ایک عربی مدرسہ میں تدریس اور کچھ ٹیوشن کے ذریعہ اتنی یافت کرلیا کرتے تھے کہ حوائج ضروریہ کی کفالت ہوجاتی تھی۔

جس زمانہ میں وہ تکمیل الطب میں زیر تعلیم تھے، وہاں کا انتظامی اور تعلیمی ماحول بے حد خراب تھا۔ حکیم شکیل احمد شمسی کالج کے پرنسپل تھے، بس انہیں سے کچھ استفادہ کرسکے، ورنہ اس وقت یہاں کے حالات تعلیم وتعلم کے لیے بالکل سازگار نہیں تھے، اس لیے جتنا بھی سیکھ سکے اس کا انحصار ذاتی مطالعہ پر تھا اور مطب کی عملی مشق حکیم خواجہ شمس الدین نخاس سے حاصل کی۔ تکمیل الطب سے فراغت کے بعد ایک مختصر عرصہ کے لیے پیتھالوجی کے لکچرر کے طور پر یہاں خدمت انجام دی، پھر وطن جاکر قصبہ مئو میں مطب شروع کیا۔ پیشۂ طبابت سے ذہنی مناسبت نہ ہونے کے باعث انہیں اس سلسلہ کو موقوف کرنا پڑا۔ بالآخر طبعی میلان عربی زبان وادب اور اسلامیات کی طرف لے کر آیا، فطری مناسبت کی وجہ سے یہاں ان کا جی ایسا لگا کہ ہمیشہ کے لیے اسی کے ہو رہے۔ اِس وقت وہ اپنے آبائی قریہ جیراج پور میں مدرسہ بنات المسلمین کے انصرام واہتمام کے ساتھ دینی وملی نوعیت کے کئی کاموں سے جڑے ہوئے ہیں۔

حکیم عبدالمجید اصلاحی تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کا نہایت صالح ذوق رکھتے ہیں، ان کے بیشتر قلمی آثار مذہبیات اور درسیات سے متعلق ہیں، ان کے علمی کاموں میں القرأۃ العربیہ (جزء اول ودوم) بالخصوص قابلِ ذکر ہے۔ یہ منثور عربی ادب کی درسی کتاب کے طور پر مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح کے نصاب کا حصہ ہے، ان کے دیگر علمی نقوش میں 'رہبرِ کامل'، 'ہمارے خلفائے راشدین'، 'آسان رسالہ دین وشریعت'، 'نصیحتیں وصیتیں'، 'دینی تحریکوں کا بناؤ بگاڑ'، 'اسلامی سماج کی تعمیر'، 'النحو المبین' (زیرترتیب)، 'توشۂ آخرت' (پانچ جلدوں میں)، 'اولیاء حق وباطل' کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

یونانی طب سے حکیم عبدالمجید کا رشتہ جز وقتی رہا ہے، اس لیے کہ طبی تعلیم سے فراغت کے بعد کبھی یکسوئی کے ساتھ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، اگر وہ مستقل مزاجی کے ساتھ طب کو میدان عمل بناتے تو اس فن کو بہت فائدہ ہوسکتا تھا۔ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن (سی سی آر یو ایم) نئی دہلی کے

قیام کے ابتدائی ایام میں طب کے عربی وفارسی متون کی تہذیب وتدوین اور ترجے اس کونسل کے عملی مجال کا خاص حصہ تھے۔ ان کاموں سے ذہنی مناسبت کی وجہ سے اصلاحی صاحب کے اندر کونسل سے وابستگی کی خواہش ہوئی۔ اس کے لیے انہوں نے درخواست بھی بھیجی تھی، مگر حکیم عبدالرزاق جو اس وقت کونسل کے ڈائرکٹر تھے، وہ اصلاحی صاحب کی لیاقت کے معترف ہونے کے باوجود ضابطے کی مجبوری کے باعث انہیں ملازمت نہیں دے پائے، غالباً اس لیے کہ اصلاحی صاحب کی عمر مقررہ حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ان کو کونسل سے اتنا کام دے دیا کریں گے جو انہیں ملازمت کی ضرورت سے ہی بے نیاز کر دے۔ چنانچہ انہیں معالجات بقراطیہ (ربن طبری) کے اردو ترجمہ پر نظر ثانی کا کام تفویض کیا، جسے اصلاحی صاحب نے بحسن وخوبی انجام دیا، اس ترجمہ کا حصہ اول ۱۹۹۵ء میں اور حصہ دوم وسوم ۱۹۹۷ء میں سی آر یو ایم، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ بعد ازاں انہیں عیون الانباء فی طبقات الاطباء (ابن ابی اصیبعہ) کے ترجمہ کا کام دیا۔ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل تاریخ طب کی اس کتاب کو اصلاحی صاحب نے محض چار مہینوں میں پورا کر دیا، اس سے ان کی زبان وبیان پر غیر معمولی قدرت اور ترجمہ نگاری کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۹۰ء میں اور دوسری جلد ۱۹۹۲ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے بعد انہیں ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی الحاوی فی الطب کی ۲۳ر جلدوں کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری دی گئی، ابتدائی ۷ر جلدوں کے ترجمہ کے بعد صحتی مسائل کی وجہ سے باقی جلدوں کے ترجمہ سے انہوں نے معذرت کر لی۔ گرچہ سی آر یو ایم کے علمی منصوبوں سے اصلاحی صاحب کی وابستگی جز وقتی اور نہایت قلیل عرصہ کے لیے رہی، مگر اس مدت میں انہوں نے جو کام کیے وہ نہایت اہم ہیں اور یہ بطور ایک طبی مترجم، اصلاحی صاحب کو علمی دنیا میں شناخت عطا کرتے ہیں۔

●●●

حکیم عبدالمجید قاسمی

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن (سی سی آر یو ایم)، نئی دہلی وزارت آیوش کے زیر انصرام طبّی تحقیق کا ایک خود مختار ادارہ ہے۔ ریسرچ کے حوالہ سے اس کی سرگرمیوں کے مختلف مجال ہیں۔ اس کا ایک اہم شعبہ لٹریری ریسرچ ہے۔ طبّی مآخذ کی بازاشاعت، مخطوطات کی تہذیب وتدوین، طب کی عربی وفارسی کتابوں کے تراجم اس کی سرگرمیوں کے کچھ اہم پہلو ہیں۔ اس شعبہ کی وجہ سے طب کی بہت سی نادر اور کم یاب کتابوں کی حصول یابی اور قابل فہم صورت میں دستیابی ممکن ہوسکی ہے، جس سے تعلیم وتدریس اور تحقیق کے کاموں میں بڑی مدد ملی ہے۔ اس کام میں کونسل کے آفیسروں کے ساتھ ایک بڑی تعداد ایسے اسکالروں کی ہے جن سے کونسل نے تعاون حاصل کیا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک اہم نام حکیم عبدالمجید قاسمی کا ہے، وہ اس وقت Traditional Knowledge Digital Library (TKDL) میں جونیر یونانی اکسپرٹ ہیں۔ گرچہ عہدہ اور منصب کے لحاظ سے وہ کسی بڑے مرتبہ پر فائز نہیں ہیں، مگر ان کے علمی کارنامے نہایت قابلِ قدر اور مہتم بالشان ہیں۔ اگر عہدوں اور مناصب کے بجائے کاموں کے تناظر میں حیثیتوں کی توقیت کی جائے تو یقیناً وہ ایک بلند علمی قد کے حامل ہیں۔

وہ ضلع اناؤ کے ایک دور افتادہ قریہ موضع ٹکرا سے تعلق رکھتے ہیں، جو شہر سے تقریباً پچاس کلومیٹر جانب شمال قصبہ کرست کے مضافات میں واقع ہے۔ اس علاقہ میں نہ صرف بنیادی سہولیات کی کمی ہے بلکہ تمدن کے آثار بھی کم ہی نظر آتے ہیں، ایسے ماحول سے کسی شخص کا نکل کر علمی دنیا میں جگہ بنانا واقعی قابلِ تحسین ہے۔

حکیم عبدالمجید کا تعلیمی سفر قصبہ کرست کے مدرسہ اسلامیہ سے شروع ہوا، ۱۹۸۲ء میں درس نظامی کی

تعلیم کے لیے انہوں نے مدرسہ مظہر العلوم کانپور میں داخلہ لیا، یہاں تقریباً پانچ برس وہ زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۸۷ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور آئے یہاں ایک برس پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند آگئے اور یہیں سے ۱۹۹۱ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ ۱۹۹۸ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے بی یو ایم ایس کرنے کے بعد ذریعۂ معاش کی تلاش کے لیے تگ و دو شروع کی، کچھ دنوں مطب کیا پھر بہتر مواقع کی تلاش میں دہلی آگئے اور ۲۰۰۶ء سے TKDL سے وابستہ ہیں۔ یہ وزارت آیوش اور محکمۂ سائنسی وٹکنالوجی کا ایک مشترکہ پروجیکٹ ہے جو ہندوستان کی طبی وراثت کے تحفظ کے لیے دیسی طبوں کے سرمائے کو ڈیجیٹائز کررہا ہے۔

ٹی کے ڈی ایل سے وابستگی کے بعد حکیم عبدالمجید کو کسی قدر یکسوئی ضرور ملی لیکن دہلی جیسے شہر میں ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے ایسے وسائل ناکافی ہوتے ہیں، لہٰذا اکثر ان حالات میں معاش کے اضافی ذرائع تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ حکیم عبدالمجید بھی اس سلسلہ میں کوشاں تھے، کسی طرح انہیں سی سی آر یو ایم سے محیطِ اعظم کے اردو ترجمہ کا کام مل گیا۔ ان کی اس کوشش کو نتیجہ خیز بنانے میں کسی قدر میری مساعی بھی شامل ہیں، مجھے خوشی ہے کہ میں ایک اچھے مقصد کا حصہ بن سکا۔

حکیم عبدالمجید فارسی اور عربی زبان کی عمدہ استعداد رکھتے ہیں، ساتھ ہی ان میں محنت اور لگن کا جذبہ بھی ہے، اس لیے انہوں نے مفوضہ کام کو بڑی کم مدت میں پورا کرلیا۔ محیطِ اعظم کی ابتدائی تین جلدوں کے تراجم سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے بالترتیب ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۳ء، ۲۰۱۴ء میں شائع ہوچکے ہیں۔

ترجمہ نگاری کے حوالہ سے عبدالمجید کی یہ کوشش ستائش اور تحسین کے لائق ہے کہ یونانی طب کی ایک بے حد اہم کتاب جو لسانی مغایرت کی وجہ سے طاقِ نسیاں میں پڑی تھی، موجودہ طبی دنیا کے لیے لائقِ استفادہ بن سکی۔ محیط اعظم اپنے موضوع کی نہایت جامع تالیف ہے اور اس لحاظ سے اسم بامسمیٰ ہے کہ حکیم محمد اعظم خاں نے اپنے عہد تک کی اہم ادویاتی معلومات کا اس میں احاطہ کرلیا ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کا ایک قابلِ ذکر امتیاز یہ بھی ہے کہ تصنیف وتالیف کے فارسی عہد کی یہ آخری یادگاروں میں ہے۔

کوئی بھی کام شایان شان انداز ہی میں ہونا چاہیے، اگر سی سی آر یو ایم جیسے کسی موقر ادارہ سے یہ انجام پائے تو امیدیں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ چونکہ کونسل نے ترجمہ وتدوین اور اشاعت کا ایک معیار قائم کررکھا ہے۔ اس تناظر میں محیطِ اعظم کے زیر بحث ترجمہ سے کسی قدر مایوسی ہوتی ہے۔ مثلاً دواؤں کے حیوانی، نباتی اور کیمیاوی اسماء کی شمولیت، محولہ کتب کی فہرست سازی، متنازعہ امور کی فٹ نوٹ کی صورت میں توضیح و

تشریح، نیز لسانی تہذیب وتدوین کے ذریعہ اس ترجمہ کو مزید بہتر بنایا جا سکتا تھا۔

اکثر ایسے علمی کام جو پیشہ ورانہ مقصد کے تحت ہوتے ہیں، ان میں عجلت کا شائبہ لازمی ہے۔ اس کی وجہ سے زبان وبیان کے سقم کا راہ پا جانا فطری ہے، ان کے ازالہ کے لیے اشاعت سے پہلے زبان و بیان کی تہذیب کا بہر صورت التزام ہونا چاہیے۔ زبان کی شستگی اور درستگی اگر مترجم کے علاوہ فن کا شعور رکھنے والے ایسے ماہرین کریں جو زبان وادب کا ذوق بھی رکھتے ہوں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ عباسی عہد میں بیت الحکمت میں تراجم کی تہذیب وتزئین کا یہی دستور تھا۔

•••

حکیم محمد عبدالواحد

اردو زبان میں طبی درسیات کی تصنیف وتالیف اور اہم طبی کتابوں کے ترجمے کے تعلق سے 'ادارہ المسیح' کی خدمات بے حد اہم ہیں۔ حکیم محمد کبیر الدین اس کے بانی اور روح رواں تھے۔ ان کے معاون عملے میں جو افراد شامل تھے ان میں ایک اہم نام حکیم محمد عبدالواحد کا ہے۔ وہ بحیثیت ناظم اس ادارہ کے انتظامی امور دیکھنے کے علاوہ یہاں سے شائع ہونے والے رسالہ 'المسیح' کے نائب مدیر بھی تھے، مزید براں حکیم محمد کبیر الدین کے علمی منصوبوں میں معاونت بھی ان کے فرائض منصبی کا حصہ تھی۔ اس سلسلہ میں حکیم محمد عبدالواحد کے علاوہ کچھ دوسرے نام بھی ملتے ہیں۔ ان لوگوں کو تالیفی مواد کی جمع وترتیب کا کام تفویض تھا، پھر حکیم محمد کبیر الدین اس پر نظر ثانی کرتے تھے۔ اس طرز عمل سے ادارہ المسیح کے طریقۂ کار پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد کبیر الدین کی نگرانی میں معاون عملہ Initial Draft تیار کرتا بعد ازاں وہ اس کی تہذیب کر کے حتمی شکل دیتے۔ ادارہ المسیح سے شائع کئی کتابوں میں یہ طریقۂ کار نظر آتا ہے۔

حکیم محمد کبیر الدین کے ایماء پر ان کی نگرانی میں حکیم محمد عبدالواحد نے تالیف وترجمہ کے جو کام کیے ہیں، ان تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- رسالۂ مدار بوٹی، مطبع محبوب المطابع دہلی / دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۳ء

۲- رسالۂ سل ودق، مطبع محبوب المطابع دہلی / دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۴ء

۳- رسالۂ سوزاک، مطبع محبوب المطابع دہلی / دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۴ء

۴- رسالۂ بواسیر، مطبع محبوب المطابع دہلی / دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۴ء

۵- رسالۂ آتشک، مطبع محبوب المطابع دہلی / دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۴ء

۶- رسالۂ ذیابیطس، مطبع محبوب المطابع دہلی/ دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۴ء

۷- رسالۂ طاعون، مطبع محبوب المطابع دہلی/ دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۷ء

۸- رسالۂ ہیضہ، جید برقی پریس دہلی/ دفتر المسیح دہلی ۱۹۳۱ء

۹- رسالۂ دیدان امعاء (۱۹۲۴ء)

۱۰- رسالۂ جدری، جید برقی پریس دہلی/ دفتر المسیح دہلی ۱۹۲۴ء

۱۱- آسان نسخے یا مجرب چٹکلے: حکیم محمد عبدالواحد نے اسے حکیم محمد کبیر الدین کے ایماء پر ترتیب دیا ہے۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ایسے نسخوں پر مشتمل ہے جو قصبات اور دیہات تک میں بآسانی دستیاب ہیں۔ یہ پہلی بار ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں جید پریس، دہلی سے طبع ہوا ہے۔

'ادارہ المسیح' سے شائع ہونے والی درج ذیل تالیفات اور تراجم میں حکیم محمد عبدالواحد بھی شامل رہے ہیں۔

۱- زادِ غریب یا مخازن التعلیم: یہ دونوں تاریخی نام ہیں، اس کے مؤلف حکیم محمد صادق علی خاں بن حکیم محمد شریف خاں ہیں، اسے حکیم محمد صادق نے ۱۲۲۴ ہجری مطابق ۱۸۰۹ء میں تالیف کیا تھا، اس مناسبت سے اس کا نام 'زادِ غریب' تجویز کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حکیم غلام مرتضیٰ نے ۱۲۷۹ ہجری مطابق ۱۸۶۲ء میں اس کتاب کے تشنہ پہلوؤں کی تکمیل کی اور اس کا تاریخی نام 'مخازن التعلیم' رکھا۔ حکیم محمد کبیر الدین کے ایماء پر حکیم محمد عبدالواحد نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا بعد ازاں حکیم محمد کبیر الدین نے نظر ثانی کے ذریعہ اس کی تہذیب و تنقیح کی۔ یہ ترجمہ ادارہ المسیح کے زیر اہتمام برقی جید پریس، دہلی سے ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا ہے۔

۲- ترجمہ 'حمیاتِ قانون: اس ترجمہ کا بیشتر کام حکیم ہبۃ اللہ نے کیا ہے، اس میں حکیم محمد عبدالواحد اور حکیم محمد یوسف نیّر کی بھی شمولیت رہی ہے، حکیم محمد کبیر الدین نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۲۶ء میں دفتر المسیح کے زیر اہتمام مطبع محبوب المطابع، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ ۲۰۰۹ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی بازاشاعت ہوئی ہے۔

حکیم عبدالواحد طبی دنیا میں ادارہ المسیح اور حکیم محمد کبیر الدین کے حوالے سے جانے جاتے ہیں، ۱۹۴۷ء میں جب یہ ادارہ فساد کی نذر ہوگیا تو حکیم عبدالواحد ہمدرد (دہلی) سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں انہوں نے شعبۂ تصنیف و تالیف کے رکن اور ہمدرد دواخانہ کی مجلس تشخیص و تجویز کے ناظم کی حیثیت سے

خدمت انجام دی۔ 'سروے آف ڈرگس' ہمدرد سے وابستگی کے زمانہ کی ایک تالیفی یادگار ہے، حکیم محمد عبدالواحد اور ڈاکٹر ایچ ایچ صدیقی اس کے مؤلف ہیں۔ حکیم عبدالحمید نے پیش لفظ میں حکیم عبدالواحد کی علمی صلاحیت کی خصوصاً تعریف کی ہے۔

۳- میزان الطب اردو: یہ ترجمہ ۱۹۲۳ء مطابق ۱۳۴۱ھ میں دفتر المسیح دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ حکیم محمد عبدالواحد نے اسے حکیم محمد کبیر الدین کے ایماء پر انجام دیا ہے۔

ادارہ المسیح کی وہ مطبوعات جن پر مؤلف و مرتب کی حیثیت سے کوئی نام نہیں لکھا ہے، حکیم سید ظل الرحمٰن نے ایسی تمام کتابوں کو حکیم محمد عبدالواحد سے منسوب کیا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ادارۂ المسیح کے جن کاموں میں حکیم محمد عبدالواحد کا اشتراک یا کسی قسم کا تعاون ہے، ان سب کے پیش لفظ میں حکیم محمد کبیر الدین نے پوری دیانت داری سے اس کی صراحت کردی ہے، پھر بے جا قیاس کا گھوڑا دوڑانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ بلکہ ادارہ المسیح کی ایسی تمام مطبوعات حکیم محمد کبیر الدین ہی کی ہیں، اس لیے کہ ادارہ المسیح اور حکیم محمد کبیر الدین کو اس زمانے میں ایک دوسرے کا مترادف سمجھا جاتا تھا لہٰذا حکیم محمد کبیر الدین کے نام کے بجائے صرف ادارہ المسیح کا نام لکھ دیا جاتا تھا۔

حکیم محمد عبدالواحد اصلاً موضع داہا، ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے، مگر ان کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی اور یہیں ان کی زندگی گزری، ۱۹۶۷ء میں تقریباً نوے برس کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔

مطالعاتی مآخذ

۱- دلی اور طب یونانی از حکیم سید ظل الرحمٰن، اردو اکادمی دہلی، طبعِ ثانی ۲۰۱۱ء، ص ۲۳۷-۲۳۶

۲- تذکرۂ اطباء عہد عثمانی از حکیم شفا حیدرآبادی، مطبوعہ صحیفہ پریس، ۱۹۵۲ء، ص ۲۰۴-۲۰۰ اور ۲۰۸-۲۰۶

۳- زادِ غریب یا مخازن التعلیم، ادارہ المسیح دہلی، ۱۹۲۷ء، ص ۶-۱

۴- ترجمۂ حمیاتِ قانون، ادارہ المسیح دہلی، ۱۹۲۶ء ص سرورق اور دیباچہ

۵- سروے آف ڈرگس از حکیم عبدالواحد اور ڈاکٹر ایچ ایچ صدیقی، انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن، طبعِ ثانی ۱۹۶۱ء

●●●

حکیم عبدالہادی

مجرباتِ سیوطی:

کتاب الرحمۃ فی الطب والحکمۃ جلال الدین عبدالرحمان سیوطی کی مشہور تالیف ہے۔ یہ ۱۹۵/ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب طب یونانی اور طب اسلامی کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ معالجات کے بیان میں ہے، لیکن اس کی ابتدا میں طبیعت، مزاج، اخلاط، اغذیہ اور صحت ومرض کے کلیاتی امور کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے بدنِ انسان کے مادی اور روحانی تصور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں تھی۔ اے آر کمپنی بازار سریانوالہ، لاہور کی فرمائش پر حکیم عبدالہادی نے اسے اردو زبان میں منتقل کیا اور مجربات سیوطی کے نام سے موسوم کیا۔ یہ ترجمہ پنجاب اسٹیم پریس، لاہور سے غیر مورخ طبع ہوا ہے۔

•••

ڈاکٹر محمد عثمان خاں

ترجمہ نگاری کے ذریعہ اردو زبان میں طبّی علوم کا جو ذخیرہ منتقل ہوا ہے اس میں یونانی طب، آیوروید اور ہومیوپیتھ کے ساتھ طب مغرب کا قابل لحاظ سرمایہ بھی شامل ہے۔ اس سلسلے میں انفرادی مساعی کے علاوہ دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی (دلی کالج)، ادارہ المسیح (دہلی) اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے سر رشتۂ تالیف و ترجمہ میں طب سے متعلق ایک مستقل شعبہ تھا۔ ڈاکٹر محمد عثمان خاں (LMS) اس کے اہم اراکین میں تھے۔ اس سے قبل وہ ریاست بڑوانی (وسط ہند) میں شعبۂ طب و جراحت سے وابستہ تھے۔ ملازمتی مشاغل کے علاوہ طبّی ترجمہ نگاری سے ان کے ذوق کو خاص مناسبت تھی۔ ریاست کے زمانۂ ملازمت میں انہوں نے 'انجمن متحدہ والدین و مدرسین' اڈیار و گوالیار سے شائع رسالہ نمبر ۹ مرتبہ فرام جی و خورشید جی بھاؤنگری کو 'امراض صبیان و عوارض جسمانی' کے نام سے سلیس و بامحاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ترجمہ نگاری سے متعلق یہ ڈاکٹر محمد عثمان خاں کی پہلی کوشش تھی، جسے دفتر المسیح دہلی سے حکیم محمد کبیر الدین نے شائع کیا تھا۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے دارالترجمہ سے منسلک ہونے کے بعد ڈاکٹر محمد عثمان خاں نے طب جدید کی کئی اہم کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ اس زمانہ کے چند دستیاب کاموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ہسٹالوجی یعنی نسیجیات حصہ اول، مصنفہ سر ایڈورڈ شاپی شیفر

۲۔ ہسٹالوجی یعنی نسیجیات حصہ دوم، مصنفہ سر ایڈورڈ شاپی شیفر

۳۔ تجربی فعلیات، مصنفہ سر ایڈورڈ شاپی شیفر

ڈاکٹر محمد عثمان خاں نے Anatomy اور Physiology کی ان کتابوں کو انگریزی سے اردو زبان

میں منتقل کیا تھا اور میجر فرحت علی خاں نے ان ترجموں پر نظرِ ثانی کی تھی۔ وہ عثمانیہ میڈیکل کالج، حیدرآباد دکن کے پرنسپل تھے اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد کے شعبۂ طبیہ، سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے مددگار ناظم تھے۔ مذکورہ تینوں تراجم دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد سے ۱۹۳۱ء مطابق ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۳۴۱ فصلی میں شائع ہوئے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ترجمے ان میڈیکل کالجوں کی نصابی ضرورت کے لیے کروائے گئے تھے جہاں اردو زبان میں تعلیم و تدریس ہو رہی تھی۔ مگر ان سے یونانی طب کے طلبہ و اساتذہ کو بھی خاطر خواہ استفادے کا موقع ملا، اس لیے کہ یونانی طبی درس گاہوں میں بھی یہ مضامین شامل نصاب تھے۔

ڈاکٹر محمد عثمان خاں کی ایک علمی کاوش 'بچے کی صحت اور نگہداشت' بھی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۴ء میں انجمن ترقی اردو ہند، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ ان کی ایک تالیف 'عمل احتقان اور محقنۂ جلد' ہے۔ اس میں انجکشن سے متعلق تفصیلات درج ہیں۔ حکیم محمد کبیر الدین نے اس کی تنقیح کی ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۲۵ء میں دفتر المسیح، دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ حکیم نیر واسطی نے ان کی ایک تالیف 'علم الجراحت' کا ذکر کیا ہے، جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ حکیم محمد کبیر الدین کے ساتھ شریک مؤلف ہیں۔ یہ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

•••

حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی

(۱۹۱۹ء-۲۰۰۹ء)

ایسی شخصیتیں جو صحیح معنوں میں ہمہ گیر اور جامع الصفات ہوں طبی دنیا میں ناپید نظر آتی ہیں۔ اب اس قسم کی مثالیں محض تاریخ اور تذکروں کے صفحات پر ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ دراصل ہمارے زمانے میں جس قسم کا علمی چلن ہے اس میں ایسی شخصیتیں مل بھی نہیں سکتیں۔ اس لیے کہ علمی تخصص کے اس عہد نے علمی دائروں کو اتنا تنگ بنا دیا ہے کہ مختلف علوم سے واقفیت تو کجا ایک مضمون کی جملہ اصناف میں بھی درک ومہارت کا ہو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اختصاص کا دستور مشرقی علوم کے حاملین کے یہاں بھی تھا۔ لیکن ان کا مبلغ علم صرف اپنے مخصوص مضمون تک کبھی محدود نہیں رہا بلکہ انہیں علم وادب کے دوسرے شعبوں کا بھی شعور ہوتا تھا۔ طبی تاریخ میں ایسی بہت سی شخصیتیں گزری ہیں جو علم کے کئی شعبوں میں اعلیٰ صلاحیت کی حامل تھیں اور طب کے ساتھ کئی علمی میدانوں میں درجۂ اختصاص رکھتی تھیں۔ مگر جدید سائنسی علوم کی وجہ سے علمی اختصاص کے ایک نئے طرز کی شروعات ہوئی اور معلومات کا تمام دائرہ متعلقہ مضمون تک محدود ہو گیا، شاید یہ طرز ان کی ضرورتوں کا حصہ تھا۔ ان کے یہاں روز ہونے والی نت نئی تحقیقات کی وجہ سے علم میں اتنی وسعت ہو گئی کہ پورے طور پر صرف ایک مضمون کی واقفیت ہی مشکل ہو گئی۔ لہٰذا ان کے یہاں مضمون کے شعبوں اور اصناف کی تقسیم ایک ناگزیر تقاضا بن گیا۔ اس اسلوب کی تقلید غیر سائنسی یا نیم سائنسی مضامین کے لوگوں نے شروع کر دی۔ ان کے یہاں اس کی ضرورت کس حد تک ہے، کیا ان کے یہاں اس قسم کی تقسیم فنی ضرورت کا حصہ ہے یا صرف تقلید کے جذبہ کے تحت یا زمانہ کے فیشن کے طور پر اسے اپنایا گیا ہے۔ اس مسئلہ پر کسی قسم کی رائے زنی کے بجائے بس اہلِ نظر کے

سامنے یہ سوال رکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حکیم عزیزالرحمٰن اعظمی ہمارے عہد کی طبّی شخصیات میں ہر لحاظ سے مستثنیات میں شمار کرنے کے لائق تھے۔ان کی شخصیت اتنی متنوع اور جامع تھی کہ اسے دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہوجاتا کہ ان کا تعلق اس عہد سے ہے۔تاریخی کردار کی حامل ان کی شخصیت میں، اوصاف وکمالات کے ایک مجموعہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ان کی شخصیت جس جامعیت سے متصف تھی وہ انداز صدیوں پرانا ہے اور اس قسم کے نمونے بس اسلاف کے تذکروں میں ملتے ہیں۔

تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، شاعری، ترجمہ نگاری اور لغت نویسی جیسے متنوع علمی اوصاف اگر ایک ایسے فرد میں جمع ہوجائیں جو بادۂ عرفاں اور تصوف وسلوک سے شادکام ہوتو بڑا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔مگر اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ لگتی ہے کہ ایسی نادرِ روزگا شخصیت سے زمانہ بے خبر ہو اور وہ گمنامی کی زندگی گزار کر ہمارے درمیان سے رخصت ہوجائے۔حکیم عزیزالرحمٰن کے ساتھ معاصر علمی دنیا کا معاملہ کچھ اسی قسم کا رہا۔وہ گوناگوں خوبیوں کے حامل ہونے کے باوجود ایک بڑے حلقہ کے لیے غیر معروف اور زمانہ کی ناقدریوں کا شکار رہے اور ہمیشہ طبّی برادری کی توجہ سے محروم رہے۔

مئوناتھ بھنجن غیر منقسم اعظم گڑھ کا ایک مشہور علمی اور صنعتی قصبہ تھا۔۱۹۸۴ء کے بعد اعظم گڑھ کے مشرقی حصہ کو علاحدہ ضلع کا درجہ دیا گیا اور قصبہ مئو اس نوزائیدہ ضلع کا صدر مقام قرار پایا۔مگر یہاں کے سیکڑوں لوگ، اعظم گڑھ سے پرانے تعلق کے باعث اپنے ناموں کے ساتھ 'اعظمی' نسبت کا لاحقہ استعمال کرتے ہیں۔انہیں میں سے حکیم عزیزالرحمٰن کا خاندان بھی ہے۔

مئوشہر کی ایک مضافاتی بستی، بختیاور گنج حکیم اعظمی کے بزرگوں کا وطن تھی۔یہاں سے وہ نقل مکانی کرکے مئو کے محلّہ یوسف پورہ میں اقامت پذیر ہوگئے۔ان کے اجداد میں مولانا عصمت اللہ عبدالحکیم نہایت بلند پایہ عالم تھے۔وہ مولانا محمد علی مونگیری کے رفیقوں میں تھے اور ندوۃ العلماء کی تاسیس کے موقع پر مولانا مونگیری کے ساتھ تھے۔حکیم صاحب کے دادا علاقہ میں ولی کامل کی حیثیت سے مشہور تھے، وہ مولانا عبدالحق الہٰ آبادی کے مجازِ صحبت اور مولانا صوفی ولی محمد (گھوسی) کے مجازِ بیعت تھے۔

حکیم اعظمی کے والد مولانا ایوب (وفات ۱۹۸۴ء) محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے احباب میں تھے۔مفتاح العلوم مئو کی نشاۃِ ثانیہ میں انھوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔وہ ایک عرصہ تک اس مدرسہ کے صدر مدرس بھی رہے۔انھوں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی تعلیم وتدریس کے فرائض انجام

دیے اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔[1]

حکیم عزیز الرحمٰن کے منجھلے بھائی ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوہ میں منصبِ اہتمام پر فائز ہیں۔ یہاں کے عربی جریدہ 'البعث الاسلامی' کے مدیر اور انٹگرل یونیورسٹی، لکھنؤ کے چانسلر ہیں۔ چھوٹے بھائی ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی اسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ جدِ امجد سے لے کر موجودہ نسل تک حکیم صاحب کے خاندان میں علم و فضل کا ایک مستقل سلسلہ ہے اور علم و ادب، اسلامی علوم اور تصوف و سلوک کی اس خانوادے میں ایک کہنہ اور دیرینہ روایت ہے۔ حکیم اعظمی ان تمام اعلیٰ روایتوں کے امین تھے اور ان کی شخصیت ان تمام خاندانی صفات کی جامع تھی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم (۱۹۳۵ء تک) جامعہ مفتاح العلوم، مئو سے حاصل کی۔ یہاں انہیں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور عبداللطیف نعمانی جیسے باکمال اساتذہ سے استفادے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء تک دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہے۔ یہاں انھوں نے مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی امروہوی اور علامہ محمد ابراہیم بلیاوی جیسے نابغۂ روزگار سے کسبِ فیض کیا۔[2]

حکیم اعظمی نے اسلامیات اور مشرقی علوم کی تکمیل کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور عربی و فارسی مدرسہ بورڈ اور اس کے علاوہ پرائیویٹ طور پر کئی امتحانوں میں شریک ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں عالم، ۱۹۴۲ء میں فاضل ادب، ۱۹۴۳ء میں منشی، ۱۹۴۴ء میں کامل، ۱۹۵۰ء میں ہائی اسکول، ۱۹۵۲ء میں انٹرمیڈیٹ اور پھر بی اے کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۴۲ء میں ضلع رنگ پور سید پور، پاکستان کے گورنمنٹ اسکول میں استاذ مقرر ہوئے۔ مگر وہاں کی آب و ہوا انہیں راس نہیں آئی اور مستقل طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے وہ اس ملازمت سے جلد ہی مستعفی ہوگئے۔ ۱۹۴۳ء میں مدرسہ رحمانیہ، ضلع بلیا میں تدریسی فرائض پر مامور ہوئے مگر گھر سے مدرسہ کی دوری اور آمد و رفت کی دشواری کے سبب کچھ ہی دنوں بعد یہ ملازمت چھوڑ دی۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۲ء تک ڈی اے وی کالج مئو میں اردو اور فارسی کے لکچرر رہے۔ یہاں آٹھ سال تک تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد اس ملازمت کو بھی خیرباد کہہ کر تجارت شروع کر دی۔ اسی دوران ۱۹۵۸ء میں مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوگئے اور زندگی کے معاملات کی ڈوران کے ہاتھوں میں دے دی۔ ایک دن ان کے ایما پر تجارت کو ہمیشہ کے لیے بند کر کے کتابوں سے رشتہ جوڑ لیا۔[3] حکیم اعظمی اپنی سہ لسانی لغت "دسنگم" کو حضرت فتح پوری سے معنون کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں اپنی اس کتاب کا انتساب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ کے نام سے کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں جنھوں نے یہ کہہ کر کہ تجارت میں کیا لگے ہو تمہاری پیشانی میں علم ہے مجھے علمی زندگی سے روشناس فرمایا۔''[۴]

طب سے حکیم صاحب کی وابستگی حضرت فتح پوری کے ایما پر ہوئی۔ ایک دن انھوں نے عزیز الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ تم طب کی کتابیں دیکھا کرو۔ اس عجیب وغریب ہدایت پر انہیں بے حد حیرت ہوئی مگر مرشد کی ہدایت کو حکم سمجھتے ہوئے طبّی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔[۵] مولانا فتح پوری کے ساتھ الٰہ آباد کے زمانۂ قیام میں طبّی کتابوں کے ذاتی مطالعے سے اس فن کی وافر معلومات حاصل کر لی اور عربی، فارسی مدرسہ بورڈ سے فاضلِ طب کا پرائیویٹ امتحان بھی پاس کر لیا۔[۶]

قاری محمد طیب صاحب کے دورِ اہتمام میں دار العلوم دیو بند سے ملحق جامعہ طبیّہ کا قیام ہوا۔ جب مولانا فتح پوری کے علم میں یہ بات آئی کہ یہاں اساتذہ کی ضرورت ہے تو انھوں نے مدرس کے لیے درخواست دینے کا حکم صادر فرمایا۔ پیر ومرشد کے اس فیصلہ پر انہیں تذبذب ہوا کہ وہ کبھی طب کے باضابطہ طالب علم نہیں رہے۔ بھلا تدریسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ کیسے ہو سکتے ہیں۔ مولانا فتح پوری نے ان کی اس ذہنی کیفیت کو بھانپتے ہوئے فرمایا کہ تم درخواست دو، مجھے یقین ہے کہ تم دوسرے اساتذہ سے بہتر پڑھاؤ گے۔ مولانا اعظمی نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے درخواست دی اور انٹرویو میں شریک ہوئے۔ حکیم محمد عمر جامعہ طبیّہ کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے انٹرویو میں شریک امیدواروں کے بارے میں اپنی رپورٹ میں حکیم اعظمی کے متعلق لکھا: ''وہ قابلیت اور دینداری میں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔'' اس رپورٹ کے بعد دفترِ اہتمام کی جانب سے حکیم اعظمی کو خط لکھ کر استفسار کیا گیا کہ کیا وہ دار العلوم کے عربی طبّی نصاب میں شامل قانونچہ، سدیدی فنِ ثانی، شرح اسباب، کلیاتِ نفیسی، کلیاتِ قانون اور کامل الصناعۃ کے دوسرے، تیسرے اور نویں مقالہ کی طلبہ کو تعلیم اور نسخہ نویسی کی مشق کرا سکیں گے۔ اس کے جواب میں انھوں نے نہایت خود اعتمادی سے لکھا کہ اللہ کے فضل وکرم سے طبیّہ کالج میں داخل جملہ طبّی مضامین کو پڑھانے کی پوری قدرت رکھتا ہوں۔ اردو، عربی، فارسی جس زبان میں طلبہ چاہیں انھیں پڑھا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ نسخہ نویسی اور جدید مضامین کو سمجھنے سمجھانے کی قدرت رکھتا ہوں۔ اعظمی صاحب کے اس جواب سے مطمئن ہو کر مہتمم دار العلوم قاری محمد طیب صاحب نے ۱۱ر جون ۱۹۶۳ء کو تقرر نامہ جاری فرمایا۔[۷]

حکیم اعظمی نے طب کی تعلیم ضمناً حاصل کی تھی، لیکن اپنی محنت اور ذہانت سے طبّی علوم میں اتنا کمال

پیدا کرلیا کہ تعلیم و تدریس، تشخیص و تجویز اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں انہیں کسی قسم کی دشواری نہیں پیش آئی بلکہ وہ ان شعبوں میں اتنے ممتاز رہے کہ کوئی معاصر طبیب ان کا ہمسر نہ بن سکا۔ بغیر کسی استاذ کی رہنمائی کے طب جیسے مشکل مضمون میں اتنی لیاقت بہم پہنچالینا کرشمہ سا معلوم ہوتا ہے۔ تاریخِ عالم میں کرشموں کے ظہور کے بکثرت واقعات ملتے ہیں۔ حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی شخصیت بھی طبی تاریخ کا ایک کرشماتی واقعہ ہے۔ اسی وجہ سے ان کے احباب انہیں ''حکیم لدُنی'' کہتے تھے۔ یہ نام واقعی ان کی طبی شخصیت کی جامع تعبیر تھا۔ انہیں رب الشفاء نے پیدائشی طور پر طب کا استاذ بنایا تھا۔ وہ کبھی طب کے طالب علم نہیں رہے۔ انھوں نے جامعہ طبیہ کی ۲۳ر سالہ ملازمت کے دوران سیکڑوں اطباء پیدا کئے اور ان کی تصنیفات سے طب کے سیکڑوں اساتذہ وطلبہ مستفیض ہورہے ہیں۔

۱۰ر مارچ ۱۹۸۴ء کو صوبائی حکومت نے تمام ڈپلومہ کالجوں پر پابندی عائد کردی۔ اب انہیں جاری رکھنے کی محض ایک صورت تھی کہ انفرا اسٹرکچر میں توسیع کر کے گریجویشن سطح کا ادارہ بنادیا جائے۔ اتر پردیش کے کئی اداروں نے یہ شکل اختیار کر کے اپنے وجود کو باقی رکھا۔ جامعہ طبیہ کے ذمہ داروں کے لیے یہ کام بہت آسان تھا۔ اس لیے کہ ان کے سامنے وسائل کی دشواریاں نہیں تھیں۔ مگر دار العلوم کی نئی انتظامیہ نے حکومت کی تجاویز کو ناقابلِ عمل قرار دے کر کالج کو تحلیل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ دراصل جشن صد سالہ کے بعد دار العلوم میں جس طرح کی سیاسی محاذ آرائی ہوئی اور قاری محمد طیب صاحب کو منصبِ اہتمام سے الگ کیا گیا، اسی وقت سے جامعہ طبیہ اندیشوں کے گھیرے میں تھا۔ مگر حکومت کے فیصلہ سے نئی انتظامیہ کو کالج بند کرنے کا ایک اچھا بہانہ مل گیا۔ چونکہ یہ کالج قاری محمد طیب صاحب کا قائم کردہ تھا، سیاسی عناد سے مغلوب نئی انتظامیہ ان کے تمام آثار و باقیات کو مٹادینے کے درپے تھی اور یہی جذبہ کالج کے بند ہونے کا محرک بنا۔

جامعہ طبیہ کو مقفل کر کے اس کے اساتذہ کی خدمات، حسب لیاقت دار العلوم کے دوسرے شعبوں میں منتقل کردی گئیں۔ حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی تصنیفی و تالیفی دلچسپیوں کے باعث شیخ الہند اکیڈمی سے منسلک کئے گئے۔ چونکہ وہ قاری محمد طیب سابق مہتمم کے پسندیدہ تھے، اس لیے نئی انتظامیہ کو ان کا وجود گوارہ نہ ہوا۔ بالآخر سن رسیدگی اور بڑھاپے کو بہانا بنا کر ۶ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو ۴۰۰ روپے ماہانہ وظیفہ پر سبکدوش کردئے گئے۔ ۵؎ حیرت ہوتی ہے کہ جس شخص کو عملی زندگی سے معذور قرار دے کر ملازمت سے برطرف کردیا گیا، اس نے سنگم (ڈکشنری)، لغاتِ حدیث اور کئی دوسری کتابوں کے ترجمہ و تالیف کا کام انجام

دیا، جن کی ضخامت چھ ہزار صفحوں سے متجاوز ہے۔ وہ شخص جسے معذور قرار دے دیا گیا ہو اس نے وہ علمی کارنامہ انجام دیا جو برسوں میں دسیوں صحت مند لوگوں کے انجام دینے کا تھا۔ بظاہر جامعہ طبیّہ سے مولانا اعظمی کی برطرفی کا فیصلہ، اس وقت کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن کا تھا لیکن پردے کے پیچھے کا کھیل کچھ اور تھا۔ دراصل یہ ان لوگوں کا فیصلہ تھا جو منصبِ اہتمام اور پوری مجلسِ انتظامیہ پر قابض تھے اور آج بھی اسی خاندان کے ہاتھوں میں مجلس کھلونا بنی ہوئی ہے۔

حکیم عزیز الرحمٰن نے جامعہ طبیّہ اور شیخ الہند اکیڈمی کے زمانہ وابستگی سے تصنیف و تالیف اور تراجم کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہا۔ وہ اس میدان میں ہمیشہ سرگرم عمل نظر آئے۔

عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں سے تراجم، لغت نویسی، تاریخ و سیر، مختلف اسلامی موضوعات اور ادبیات پر حکیم اعظمی کے جو قلمی فن پارے ہیں، انہیں مطبوعہ، غیر مطبوعہ اور ضائع شدہ تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کے علمی اثاثوں کا ایک اہم حصہ دارالعلوم دیوبند کے شرپسندانہ حادثہ کی نذر ہو گیا۔ اس حادثہ پر علمی تاریخ شرمسار ہے۔ ایک ایسا ادارہ جو علم و ادب کے تحفظ کا پاسبان ہو، وہاں علم و ادب کے سرمائے تلف کیے جانے لگیں تو یہ افسوس ناک ہی نہیں بلکہ شرمناک واقعہ ہے۔ حکیم اعظمی اس سانحہ کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دارالعلوم دیوبند کے اجلاسِ صد سالہ کے بعد جو بدترین صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی اور انتظام و انصرام کے نام سے کوئی چیز باقی نہ رہ گئی تھی، ان حالات میں چند دنوں کے لیے گھر آ گیا تھا۔ میں نے اپنی تصانیف کے پانچ مسودے اور عربی، فارسی اردو اشعار کا مجموعہ اپنے کمرہ میں چھوڑ دیا تھا۔ میرا کمرہ شورش پسندوں کے گڑھ میں تھا اس لیے لغت کا ابتدائی حصہ، شہباز ریگزار مولانا بدرالحسن قاسمی کے کمرہ میں جو اندرون دارالعلوم تھا اس خیال سے کہ ان کے کمرہ میں یہ مسودہ محفوظ رہے گا ایک بیگ میں رکھ کر ان کے حوالے کر کے میں گھر چلا آیا۔ سوءِ اتفاق ۲۳ر مارچ ۱۹۸۳ء کو شورش پسندوں نے دارالعلوم پر قبضہ کر لیا اور بہت سے اساتذہ کے کمروں کا تالا توڑ کر ان کا سامان تلف کر دیا اور میرے کمرہ کا سارا سامان پنکھا، فرنیچر وغیرہ لوٹ لیا گیا، مولانا بدرالحسن کا کمرہ بھی اس کی زد میں آ گیا۔ میرا دونوں مسودہ بھی اس میں ضائع ہو گیا............ شہباز ریگزار کی تصنیف نو تو میں نہ کر سکا مگر لغت کا کچھ حصہ میرے پاس تھا اور کچھ تلف ہو گیا تھا۔ میں نے اسے از سر نو آٹھ سال کی مدت میں مکمل

کرلیا۔ یہ مسودہ سنگم کے نام سے طبع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔‘‘[9]

اب تک حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کے علمی کارنامے صحیح طور پر دنیا کے سامنے نہیں آسکے ہیں، اس لیے کہ کچھ تو حادثوں کی نذر ہوکر ضائع ہوگئے اور جو بچ رہے، ان کا ایک بڑا حصہ غیر مطبوعہ صورت میں ہے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی ’’سنگم‘‘ کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ: ’’حکیم صاحب کی تصنیفات کی تعداد دو درجن سے متجاوز ہے، لیکن انھوں نے بڑی مستغنی طبیعت پائی ہے۔ کتابیں لکھتے جاتے ہیں لیکن ان کی طبع و اشاعت کی فکر اور پروا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر کتابیں ابھی غیر مطبوعہ صورت میں ہیں۔[10]

مولانا اقبال احمد اعظمی نے ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کے ذیل میں الحبۃ السوداء، تاریخ طب، اعجاز علمی، تدوین حدیث، ترجمہ مسلم شریف، سیرۃ النبی، سرورِ کائنات، شانِ نزول قرآن، شہباز ریگزار، شرح قصیدہ بنت سعاد، ترجمہ کبائر عبدالوہاب نجدی کا ذکر کیا ہے۔[11]

حکیم اعظمی کی جو کتابیں اب تک غیر مطبوعہ صورت میں ہیں ان میں لغات احادیث نہایت اہم ہے۔ اس کی بابت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

> ’’اس کی تصنیف کا کام مکمل تھا، کتاب طباعت کے مرحلہ میں تھی۔ انھوں نے اس کے کچھ پروف بھی دیکھے تھے، اسی دوران ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کا یہ کام تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔‘‘[12]

وصی میڈیکل ڈکشنری (انگلش۔اردو) کے علاوہ حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نے ایک اور لغت ترتیب دی تھی جس میں انھوں نے طب کی اردو اصطلاحوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ حکیم اعظمی نے اشاعت کی غرض سے ۲۸ر جنوری ۱۹۸۸ء کو یہ لغت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کو دے دی تھی۔ تقریباً تیرہ برس کے بعد کونسل نے اس کی طباعت کے سلسلہ میں کچھ پیش قدمی کی تھی لیکن غالباً اب تک یہ شائع نہیں ہوسکی ہے۔[13]

حکیم اعظمی کی تصانیف کے ذیل میں سوانح عطار اور سوانح فراہی کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے بارے میں قطعی طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ شائع ہوچکی ہیں یا ابھی غیر مطبوعہ صورت میں ہیں۔

حکیم سید ظل الرحمٰن نے وصی میڈیکل ڈکشنری پر تعارفی کلمات تحریر کیے ہیں۔ انھوں نے حکیم اعظمی کی جن غیر مطبوعہ یا زیر تکمیل کتابوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے دو ایک اب شائع ہوگئی ہیں، لیکن ان میں سے بیشتر ابھی غیر مطبوعہ صورت میں ہیں۔ یہ تعارفی کلمات ۱۹۷۷ء میں تحریر کیے گئے ہیں۔ ظل الرحمٰن

صاحب لکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں قرابادین علوی خاں کی ایک جلد، امراض راس کا ترجمہ، امراض استحالہ غذا۔ ذیابطیس، ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ، کتاب الرحمہ سیوطی کا ترجمہ، اسلام کیا ہے محمود شلتوت شیخ الازہر کی کتاب ''الاسلام'' کا ترجمہ وغیرہ ابھی تک غیر مطبوعہ صورت میں ہیں۔[۱۴]

امراض صدر، طب نبوی، سوانح ابوہریرہ، ختامہ مسک، تاریخ تدوین سنت، محمد بن قاسم، مآثر امام اعظم، وصی میڈیکل ڈکشنری، سنگم، شاداب افریقہ، خاتم النبیین شائع ہو چکی ہیں۔

خاتم النبیین:

یہ فارسی زبان میں علامہ انور شاہ کشمیری کی تصنیف ہے، جو قادیانیت کی تردید اور اثبات حق کے لیے لکھی گئی تھی۔ حکیم اعظمی نے اسے اردو جامہ پہنایا اور گراں قدر مقدمہ تحریر کیا، جس میں ترجمہ کی روداد بیان کرنے کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات اور پیشین گوئیوں کا جائزہ لیتے ہوئے، اس کی کذب بیانوں کو واضح کیا ہے۔[۱۵]

ختامہ مسک:

یہ جوامع السیر مؤلفہ ابن حزم اندلسی کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا شمار اہم مراجع سیرت میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آنحضورؐ کے نسب گرامی کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حکیم اعظمی کا یہ ترجمہ مکتبہ فردوس، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔[۱۶]

شاداب افریقہ:

معروف اسلامی اسکالر اور رابطہ عالم اسلامی کے سابق جنرل سکریٹری شیخ محمد بن ناصر عبودی کی کتاب افریقۃ الخضراء کا اردو ترجمہ ہے۔ عبودی نے اس کتاب میں افریقی مسلمانوں کے طرزِ معاشرت، تعلیمی، اقتصادی، معاشی اور سیاسی حالات کو نہایت خوش اسلوبی سے قلم بند کیا ہے۔ حکیم اعظمی نے شاداب افریقہ کے نام سے اس کتاب کو اردو قالب عطا کیا ہے۔ یہ ترجمہ اردو کے سیاحتی ادب میں ایک اہم اضافہ اور افریقی مسلمانوں کے تمدنی اور تہذیبی حالات کے مطالعہ کے سلسلہ میں ایک اہم دستاویز ہے۔ حکیم اعظمی نے اس کتاب کا ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام ہی میں مکمل کر لیا تھا مگر اس کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں ہو سکی۔ ۵۰۵ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ مکتبہ فردوس، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ اس ترجمہ سے حکیم اعظمی کی عربی زبان و ادب پر دسترس اور قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا جمال احمد ندوی

لکھتے ہیں:

''اس کتاب کے ترجمہ کے دوران انہیں لغت سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی''۔ [۱۷]

حکیم اعظمی نے اس کتاب کو اپنے منجھلے بھائی مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے نام معنون کیا ہے۔

طبِ نبوی:

یہ علامہ ابن قیم جوزی کی کتاب 'زاد المعاد فی ہدی خیر المعاد' کے باب 'الطب النبوی' کا اردو ترجمہ ہے جسے دار السلفیہ ممبئی نے فیاض بائنڈنگ اینڈ پرنٹنگ ورکس سے اگست ۱۹۸۵ء میں پہلی بار شائع کیا تھا، یہ تیسری بار مئی ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا ہے۔ ۴۳۷ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ حکیم عبدالحمید دہلوی کے نام معنون ہے۔

مختار احمد ندوی 'عرض ناشر' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''طب نبوی کے اس ضخیم مجموعہ کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے بڑی مہارت اور فن طب سے حقیقی لگاؤ کی ضرورت تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے محسن محب مخلص محترم حکیم عزیز الرحمٰن مئوی اعظمی لکچر ر جامعہ دار العلوم دیو بند نے اپنی فنی مہارت اور عشقِ رسولؐ کے جذبۂ پاک سے سرمست ہو کر کتاب کا بڑا نفیس، سلیس اور اصطلاحی ترجمہ کیا ہے۔'' [۱۸]

امراضِ صدر:

یہ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے، جو ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا ہے۔ [۱۹]

شہبازِ ریگزار:

یہ سلطان آل نہبان کے حالات زندگی پر مشتمل مختصر انگریزی کتاب Desert Falcon کا اردو ترجمہ ہے، جو دار العلوم کی شورش کی نذر ہو گیا۔ [۲۰]

تاریخ تدوینِ سنت:

یہ ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب کی کتاب ''السنۃ قبل التدوین'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب مکتبہ ذکریٰ، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ [۲۱]

مآثر امام اعظم:

امام ابو حنیفہ کے حالات و کمالات پر مشتمل یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی سے وابستگی کے زمانہ میں تالیف

کی گئی تھی۔ حکیم اعظمی کی تاریخ نگاری اور نثر نویسی کے مطالعہ کے سلسلہ میں یہ ایک اہم کتاب ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس کتاب پر دعائیہ کلمات تحریر کیے ہیں۔

وصی میڈیکل ڈکشنری:

لغت نویسی، حکیم اعظمی کی علمی دلچسپیوں کا اہم مجال تھا۔ اس میدان میں انھوں نے نہات گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ حالانکہ ان کی دوسری کتابوں کی طرح اس موضوع کی مکمل تفصیلات ابھی علمی دنیا کے سامنے نہیں آسکی ہیں، مثلاً لغات حدیث ابھی اشاعت کے مرحلہ میں تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا اور ایک طبی لغت (اردو-انگریزی) ۲۸ر جنوری ۱۹۸۸ء سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے دفتر میں پڑا اشاعت کا منتظر ہے۔

وصی میڈیکل ڈکشنری (انگلش۔اردو) لغات کے سلسلہ میں یہ حکیم صاحب کی پہلی کاوش ہے، جو مکتبہ فردوس لکھنؤ سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ حکیم اعظمی کے مطابق انھوں نے اس لغت کی ترتیب وتسوید کا کام ۱۹۸۲ء میں مکمل کرلیا تھا اور کتابت شدہ مسودہ ۱۹۸۳ء میں اشاعت کے لیے مولانا مختار احمد ندوی کو بھیج دیا تھا اور 1995ء تک اس کی اشاعت کا انتظار کرتے رہے۔ آخرش مایوس ہوکر یہ لغت دوبارہ ترتیب دیا۔ اس کی تیاری میں حکیم ایوب علی قاسمی (سابق ریڈر شعبۂ علم الادویہ، اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے غیر معمولی تعاون دیا تھا۔[۲۲] یہ لغت ۱۵۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حکیم اعظمی کے مقدمہ کے علاوہ ضیاء الدین ضیا اور ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کے اس لغت کے متعلق تاثرات شامل ہیں یہ دونوں تاثرات ۱۹۷۸ء میں لکھے گئے ہیں۔ تعارفی کلمات حکیم سید ظل الرحمٰن نے تحریر کئے ہیں۔ اس میں حکیم صاحب کے نام کے ساتھ ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۸ء کی تاریخ رقم تھی۔ مگر ظل الرحمٰن صاحب نے اکیڈمی میں موجود اس ڈکشنری کے نسخہ میں تاریخ کی تصحیح کرکے ۲۹ر ستمبر ۱۹۷۷ء لکھا ہے۔ اس ڈکشنری میں ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء میں تعارفی وتاثراتی کلمات لکھے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۸۲ء کے بجائے ۱۹۷۷ء سے پہلے اس لغت کی ترتیب اور کتابت کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ حکیم اعظمی نے اس لغت کو سید حامد، سابق شیخ الجامعہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام معنون کیا ہے۔

سنگم:

تین جلدوں میں ۲۲۰۰ صفحات پر مشتمل یہ لغت ۲۰۰۵ء میں مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ یہ منیر بعلبکی کے انگریزی عربی لغت المورد کا اردو ترجمہ ہے۔ حکیم اعظمی نے جامعہ طبیہ دیوبند کے

زمانۂ قیام میں اس لغت پر کام شروع کر دیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی ۱۹۸۳ء کی شورش میں اس کا ابتدائی حصہ شرپسندوں کے ہاتھوں ضائع ہوگیا تھا۔ حکیم اعظمی لکھتے ہیں کہ ''لغت کا کچھ حصہ میرے پاس تھا اور کچھ حصہ تلف ہوگیا تھا۔ اسے میں نے ازسرنو آٹھ سال کی مدت میں مکمل کیا ہے۔ یہ مسودہ سنگم کے نام سے طبع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔''[۲۳]

حکیم اعظمی نے اس لغت کا انتساب اپنے مرشد مولانا وصی اللہ کے نام کیا ہے۔ اس لغت پر مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے تعارف اور سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے مقدمہ لکھا ہے۔

ہمہ گیریت حکیم اعظمی کی علمی شخصیت کا نہایت اہم پہلو ہے۔ دوسرے متعدد علمی موضوعات پر حکیم اعظمی نے جو قلمی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے ان سے قطع نظر انھوں نے لغات کے موضوع پر مختلف جہتوں سے جو کام انجام دیا ہے صرف وہی ان کی شخصیت کے ہفت پہلوی انداز کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی میں لغت ترتیب دینے کے علاوہ تین ہزار صفحات پر حدیث کا لغت ترتیب دیا اور انگریزی عربی لغت کو اردو میں منتقل کر کے خالص لسانیات کی قسم کی ڈکشنری علمی دنیا کے سامنے پیش کی۔ صرف ان لغات کے مطالعہ سے ہی ان کی علمی شخصیت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور طب، حدیث اور انگریزی، عربی اور اردو زبانوں پر ان کی ماہرانہ قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ لغت کے موضوع پر ان کے کاموں کو دیکھنے کے بعد نہ صرف طبی دنیا بلکہ مشرقی علوم کی معاصر دنیا میں بھی ان کے پایہ کی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔ ابھی حکیم اعظمی کی علمی کاوشوں کا ایک بڑا حصہ غیر مطبوعہ ہے۔ ان کاموں کے منظر عام پر آنے کے بعد ان کی شخصیت کے بہت سے پوشیدہ پہلو سامنے آئیں گے۔

حیرت ہوتی ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں ایک باکمال شخصیت تقریباً نوے سال ہمارے درمیان رہ کر چلی گئی اور ہم میں سے بہتوں کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ یہ محض کوتاہ بینی نہیں بلکہ علمی ذوق کے فقدان کی علامت ہے اور ہمارے ان پیمانوں میں بھی کھوٹ محسوس ہوتی ہے جس میں تول کر ہم عظمت و بزرگی کا تمغہ عطا کیا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱- اعظمی، مولانا مسعود احمد، بعنوان ''جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں''، بحوالہ تذکرۂ مولانا عزیز الرحمن اعظمی، ناشر المعہد الاسلامی، مئوناتھ بھنجن، اشاعت ۲۰۱۰، ص ۹۱-۹۲

۲- امینی، مولانا نور عالم خلیل بعنوان ''ایک جامع الکمالات شخصیت۔ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی''، بحوالہ مذکور، ص ۴۴

۳- اعظمی، ندوی، مدنی- مولانا اقبال احمد بعنوان، ''حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی طبی و علمی خدمات''، بحوالہ مذکور، ص ۷۳-۷۴

۴- اعظمی، حکیم عزیز الرحمٰن، سنگم (جلد اول)، ناشر مکتبہ فردوس، مکارم نگر لکھنؤ، اشاعت ۲۰۰۵ء، ملاحظہ ہو، ص ا

۵- قاسمی، مولانا بدر الحسن، بعنوان ''ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے''، بحوالہ تذکرۂ مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی، ناشر المعہد الاسلامی، مئوناتھ بھنجن، اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۳۴

۶- اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس، بعنوان ''ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی''، بحوالہ مذکور، ص ۱۰۰

۷- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۲، ص ۴۵ تا ۴۷

۸- ایضاً، ص ۴۹

۹- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۴

۱۰- ایضاً

۱۱- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۳، ص ۷۶-۷۷

۱۲- اعظمی، ندوی، سعید الرحمٰن، بعنوان ''برادر معظم مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی۔ نقوش و تاثرات''، بحوالہ تذکرۂ مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی، مرتبہ ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی، المعہد الاسلامی، مئو، اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۱۸

۱۳- اعظمی، حکیم عزیز الرحمٰن، وصی میڈیکل ڈکشنری، ناشر مکتبہ مکارم فردوس نگر لکھنؤ، اشاعت ۲۰۰۱ء

۱۴- ظل الرحمٰن، حکیم سید، تعارف، وصی میڈیکل ڈکشنری، مکتبہ فردوس لکھنؤ، اشاعت ۲۰۰۱ء، ص ای۔ الیف

۱۵- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۶، ص ۱۰۳

۱۶- ایضاً

۱۷- ندوی، مولانا جمال احمد، بعنوان ''ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے''، بحوالہ تذکرۂ مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی، مرتبہ ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، المعہد الاسلامی، مئو، اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۹۹

۱۸- ندوی، مختار احمد، طب نبوی، بحوالہ عرضِ ناشر، الدار السلفیہ ممبئی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۲

۱۹- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۱۴

۲۰- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۴

۲۱- ندوی، مولانا عبد الخالق، بعنوان ''غمگسار و مونس و ہمدرد و مخلص مہربان''، بحوالہ تذکرۂ مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی،

مرتبہ ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، المعہد الاسلامی، مئو، اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۹۸

۲۲- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۱۳

۲۳- ملاحظہ فرمائیں حوالہ نمبر ۴

●●●

حکیم عطاء الرحمان ندوی

حکیم عطاء الرحمان ندوی پہاڑپور، ضلع سیوان، صوبۂ بہار کے رہنے والے تھے۔ان کا سلسلۂ نسب صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری سے ملتا ہے۔ان کے والد مولانا جمیل احمد انصاری (۱۸۹۲ء۔۱۹۴۱ء) ۱۹۱۷ء میں مدرسہ عالیہ سے فراغت کے بعد یہیں تفسیر اور حدیث کے استاذ ہو گئے، کچھ دنوں بعد وہ اس کے صدر مدرس بھی ہوئے۔

حکیم عطاء الرحمان ندوی نے عربی زبان وادب اور اسلامیات کی تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حاصل کرنے کے بعد اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے طب کی سند حاصل کی ،ان کے دونوں برادران مولانا فضل الرحمان اور مولانا مطیع الرحمان بھی ندوۃ العلماء اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فیض یافتہ تھے۔مولانا فضل الرحمان ندوی شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں استاذ تھے، وہ ۱۹۸۹ء میں بحیثیت ریڈر یہاں سے سبک دوش ہوئے ہیں۔

حکیم عطاء الرحمان ندوی جماعت اسلامی کے اراکین میں تھے۔علی گڑھ میں ان کا قیام اسی مکان میں تھا، جہاں سرسید احمد خاں نے زندگی کے آخری ایام بسر کئے تھے اور جہاں زندگی کی آخری سانس لی تھی۔اس کمرہ پر 'وفات گاہ سرسید اعظم' کی تختی آویزاں تھی۔عطاء الرحمان ندوی اپنے ملاقاتیوں کو اسے ضرور دکھاتے اور اس سعادت پر نازاں ہوتے کہ انہیں سرسید کی آخری سکونت گاہ میں رہنے کا موقع ملا ہے۔

حکیم عطاء الرحمان ندوی سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی کے تحت اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ میں قائم پہلی ریسرچ یونٹ کے ابتدائی اراکین میں تھے، ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ان کی

ایک یادگار ابومروان عبدالملک بن زہر کی تالیف 'کتاب التیسیر فی المداوۃ والتدبیر' ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۸۶ء میں سی سی آر یوایم، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مترجمین میں شبیر احمد خاں غوری، حکیم عطاء الرحمان ندوی، حکیم محمد ظفر اللہ اور حکیم سید عمید الاسلام قاسمی کے اسماء شامل ہیں۔ اس منصوبہ کے نگراں پروفیسر حکیم محمد طیب تھے۔ ابتداً یہ ترجمہ آکسفورڈ میں محفوظ کتاب التیسیر کے خطی نسخہ کی عکسی کاپی سے کیا گیا تھا، پھر اس کا موازنہ ڈاکٹر میشیلی الخوری کے مدونہ متن مطبوعہ دمشق ۱۹۸۳ء سے کیا گیا۔

حکیم عطاء الرحمان ندوی طب اور عربی و اردو زبان کی اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں وہ ساٹھ برس کی عمر میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے، اس طرح ان کا سنہ ولادت ۱۹۱۶ء قرار پاتا ہے۔ حالانکہ سبک دوشی کے بعد ان کی مدت ملازمت میں چھ چھ مہینہ کے لیے دوبار توسیع کی گئی تھی۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ نایاب ہیں ہم از ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبۂ عربی، اے ایم یو علی گڑھ، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۶-۱۴۰

۲۔ کتاب التیسیر فی المداوۃ والتدبیر، مؤلفہ ابومروان عبدالملک بن زہر (اردو ترجمہ) سی سی آر یوایم، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء، ص ۴-۳

●●●

حکیم عظمت علی حسرتؔ لکھنوی

عظمت علی نام اور حسرتؔ تخلص تھا۔ وہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطبع منشی نول کشور کے دار الترجمہ سے وابستہ تھے۔ طبی دنیا میں ان کی شہرت حکیم محمد اعظم خاں کے نبیرہ حکیم محمد اکمل خاں کی تالیف 'قرابادین اعظم و اکمل' کے اردو ترجمہ کی وجہ سے ہے۔

منشی نول کشور کے وارثین کی علیٰحدگی کے بعد مطبع کا ایک حصہ راجہ رام کمار بکڈپو پریس (وارث مطبع منشی نول کشور پریس) لکھنؤ کے نام سے جاری تھا، اس کے زیر انصرام 'قرابادین اعظم و اکمل' کا اردو ترجمہ ہوا تھا۔ اسے حکیم عظمت علی حسرتؔ لکھنوی نے انجام دیا تھا۔ اس ترجمہ کے دوسرے صفحہ پر منیجر نول کشور پریس صیغۂ بکڈپو لکھنؤ کی طرف سے 'مخزن الجربات یعنی اردو ترجمہ قرابادین اعظم فارسی' کے عنوان سے ایک عرض داشت شائع ہوئی ہے۔ غالباً قرابادین اعظم اور قرابادین اعظم و اکمل کو ایک ہی تالیف سمجھ کر حکیم عظمت علی کو قرابادین اعظم کا مترجم لکھ دیا ہے۔ حالانکہ مخزن الجربات کے نام سے جو ترجمہ ملتا ہے وہ 'قرابادین اعظم و اکمل' کا ہے، جس کے مؤلف حکیم محمد اعظم خاں کے نبیرہ حکیم محمد اکمل خاں ہیں۔ باعثِ تأسف امر یہ ہے کہ ہمارے عہد کے بیشتر مورخین، جس میں حکیم نیر واسطی جیسے اہم نام بھی شامل ہیں، جو مخزن الجربات کو قرابادین اعظم کا ترجمہ اور حکیم عظمت علی کو اس کا مترجم سمجھتے ہیں۔ حال ہی میں مشہور تحقیقی ادارہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے قرابادین اعظم و اکمل کے اردو ترجمہ کی باز اشاعت ہوئی ہے، اس کے پیش لفظ میں بھی یہی غلطی دہرائی گئی ہے۔ حد تو یہ ہو رہی ہے کہ اب ہند و پاک کے مطابع سے 'مخزن الجربات یعنی قرابادین اعظم فارسی' مؤلفہ حکیم محمد اعظم خاں کے نام سے قرابادین اعظم و اکمل کا ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ قرابادین اعظم مؤلفہ حکیم محمد اعظم خاں کے مترجم حکیم محمد حسن حاذق میرٹھی ہیں۔اس کتاب میں ان کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ان کے علمی کاموں کے ذیل میں قرابادین اعظم کے ترجمہ کی تفصیل بھی درج ہے۔

قرابادین اعظم واکمل کا اردو ترجمہ، جسے حکیم عظمت علی حسرت لکھنوی نے انجام دیا ہے، یہ پہلی بار ۱۹۲۹ء میں طبع ہوا تھا۔

•••

حکیم سید علی حیدر جعفری

حکیم سید علی حیدر جعفری کا شمار اجمل خاں طبیہ کالج کے ان مشاہیر میں ہے جو نہ صرف کالج کے طلبہ و اساتذہ میں قدر و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے بلکہ یونیورسٹی برادری میں بھی انہیں عزت و وقار کا مرتبہ حاصل تھا۔ جب ۱۹۹۷ء میں وہ سبکدوش ہوئے تو اس وقت ڈاکٹر محمود الرحمان یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ تھے، وہ اپنے سخت گیر رویے اور درشت لہجے کے لیے مشہور تھے، طلبہ، اساتذہ اور دیگر ملازمین اُن کے اس انداز سے خائف رہتے تھے۔ یونیورسٹی میں اس وقت کے ماحول کے لیے ڈاکٹر محمود الرحمان کا یہ طرزِ عمل ہی مناسب تھا، ورنہ شاید اصلاحات کے وہ کام نہ ہو پاتے جو انہوں نے کیے اور جسے کرنے کے لیے نسیم فاروقی کے اچانک استعفیٰ کے بعد انہیں لایا گیا تھا۔ ایک ایسے وائس چانسلر کا جعفری صاحب کی شان میں رطب اللسان ہونا بڑی بات ہے، جعفری صاحب کی سبکدوشی کے موقع پر منعقد وداعی تقریب میں ڈاکٹر محمود الرحمان صدر نشین تھے، انہوں نے جعفری صاحب کے بارے میں جن تأثرات کا اظہار کیا تھا ان کے متعلق استاذِ مکرم حکیم سید مودود اشرف صاحب لکھتے ہیں:

> ''ان کے سبکدوش ہونے کے بعد الوداعی جلسہ میں جناب ڈاکٹر محمود الرحمان صاحب کی پوری تقریر جعفری صاحب کی تعریف سے لبریز تھی، میں نے اس سے پہلے ان کی زبان سے بعض اساتذہ کی برائی تو سنی تھی لیکن کسی استاذ کی اتنی تعریف کبھی نہیں سنی''۔

طبیہ کالج میں میری طالب علمی کے زمانہ میں جعفری صاحب یہاں استاذ تھے، مگر مجھے ان سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں ہو سکا، لیکن بالواسطہ طور پر استفادے کا موقع اس طرح ملا کہ بی یو ایم ایس فرسٹ پراف میں ہسٹری آف یونانی میڈیسن کے لیے جعفری صاحب کی کتاب 'تاریخِ طب و اطبائے قدیم' اور

حکیم سید محمد حسان نگرامی کی 'تاریخ طب' ہی زیادہ تر پڑھی جاتی تھیں، امتحان کی تیاری کے لیے یہی دونوں کتابیں میرے مطالعہ میں بھی رہیں۔

اس زمانے کے جو چہرے آج تک ذہن میں محفوظ ہیں، ان میں ایک سراپا جعفری صاحب کا بھی ہے۔ ہلکا پھلکا جسم، چہرے پر خشخشی داڑھی، منھ میں پان کی گلوریاں، آنکھوں پر چوڑے فریم کی عینک، بدن پر کرتا، چوڑی مہری کا پائجامہ، لکھنؤ اور علی گڑھ کے ملے جلے انداز کی شیروانی، ان کی کچھ ایسی ہی تصویر میرے ذہن میں ہے۔

حکیم سید علی حیدر جعفری تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے سند یافتہ ضرور تھے، لیکن طب کا صحیح شعور انہیں علی گڑھ سے ملا تھا، وہ یہاں بحیثیت استاذ آئے تھے، مگر انہوں نے خود کو ایک طالب علم سمجھ کر یہاں کے بزرگ اساتذہ سے کسبِ فیض کی کوشش کی۔ یہاں انہیں علامہ حکیم محمد کبیرالدین اور شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی جیسے اساتذہ سے لکھنے پڑھنے کے بڑے گُر سیکھنے کو ملے۔

حکیم سید علی حیدر جعفری کی سوانحی تفصیلات کے تعلق سے ان کے عزیز شاگرد پروفیسر محی الحق صدیقی نے مجھے ایک نوٹ عطا کیا ہے، جو خود جعفری صاحب کا لکھا ہوا ہے، اس کے اختتام پر ان کا دستخط ثبت ہے، چونکہ یہ خود صاحبِ تذکرہ کا تحریر کردہ ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں کسی بھی دوسری تحریر سے زیادہ لائقِ اعتبار ہے، اسے ذیل میں نقل کیا جارہا ہے تاکہ یہ محفوظ بھی ہو جائے اور قارئین کو انہیں کی زبانی، ان کے حالات معلوم ہوسکیں۔

حکیم سید علی حیدر جعفری کی خودنوشت:

''میرا نام سید علی حیدر جعفری کس نے تجویز کیا، میں نہیں بتا سکتا، اتنا ضرور ہے کہ اب تک اسی نام سے موسوم ہوں۔ سنہ پیدائش اگست ۱۹۳۷، بتایا گیا تھا، اب تک اسی سے اپنی عمر شمار کرتا ہوں۔ مقام پیدائش چندن پٹی ضلع دربھنگہ، بہار ہے۔ میرے بچپن میں خاندان کے بیشتر حضرات عالمِ دین تو تھے ہی، میرے والد سید نبی حسن صاحب مرحوم کو بھی علمِ دین سے خاص شغف تھا۔ اہلِ علم کی صحبت میں بیشتر وقت گزارا کرتے تھے، ظاہر ہے ایسے ماحول میں جب پیدا ہوا تو مجھ سے بھی توقع رہی ہوگی کہ عالم دین بنوں۔ ابتدائی تعلیم وطن کی ابتدائی درس گاہوں میں ہوئی، اس کے بعد بڑے بھائی وصی حیدر مرحوم کے ساتھ پٹنہ بھیج دیا گیا، وہاں مدرسہ سلیمانیہ میں اس کے بعد مدرسہ عباسیہ میں داخلہ کرایا گیا، لیکن نہ معلوم کیوں وہاں سے پھر وطن واپس آگیا۔ پھر والد صاحب مرحوم نے ایک عزیز مولانا جابر حسن صاحب مرحوم مدرس سلطان المدارس کی سرپرستی میں لکھنؤ بھیج

دیا۔ یہ حالات اس دور کے ہیں جب شعور میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ ہر واقعہ کو تفصیل سے محفوظ رکھ سکتے۔ جب لکھنؤ آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ مجھے علم دین حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اور مجھے علمِ دین اپنے بزرگوں کی خواہش کے مطابق حاصل کرنا چاہئے۔ لکھنؤ میں ابتدا میں سلطان المدارس میں داخلہ ہوا، پھر نا مساعد حالات کی بنا پر اس درس گاہ کو چھوڑ کر درس نظامی کی تکمیل کے لیے مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں داخلہ لینا پڑا۔ اس درس گاہ سے درس نظامی کی تکمیل پر 'ممتاز الافاضل' کی سند تو مل گئی لیکن عالمِ دین نہ بن سکا۔ جب سلطان المدارس میں زیر تعلیم تھا، اسی وقت سے یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ علمِ دین کو ذریعۂ معاش نہیں بناؤں گا، اس جذبہ کی تکمیل کے لیے الہ آباد بورڈ اور لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی و فارسی کے امتحانات پاس کیے اور سندیں حاصل کیں۔

مدرسہ کی تعلیم کے دوران ہی طب کی تعلیم کے لیے تکمیل الطب کالج میں داخلہ لے لیا تھا، جب ۱۹۵۶ء میں مدرسہ کی آخری سند ملی، اسی سال بی آئی ایم ایس کا امتحان بھی پاس کیا۔ ۱۹۵۶ء کے خاتمہ پر زندگی کا سفر دوسرے رخ پر شروع ہوا، طالب علمی کی زندگی ختم ہوئی لکھنؤ جس نے شعور و ادراک اور علم و فن عطا کیا تھا، جس سے اتنا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا (اور اب بھی ہے) کہ وطن بن گیا تھا، اس سے دوری ہو گئی۔

خوش قسمتی سے فروری ۱۹۵۷ء میں دنیا کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اہم ادارہ اجمل خاں طبیہ کالج میں بحیثیت ایک استاذ کے وابستگی ہوئی، جو اب بھی ہے۔ اجمل خاں طبیہ کالج میں اس وقت شفاء الملک حکیم عبد اللطیف صاحب مرحوم پرنسپل کی حیثیت سے تھے۔ علامہ حکیم محمد کبیر الدین، جنھوں نے طب یونانی کو اردو کے قالب میں ڈھال کر حیاتِ نو بخشا ہے، انہیں اس وقت کے وائس چانسلر جناب کرنل بشیر حسین صاحب نے ریڈر کا عہدہ پیش کر کے بلایا تھا، موجود تھے۔ حکیم نور الدین صاحب مرحوم، حکیم ضرغام علی صاحب مرحوم اور حکیم افہام اللہ صاحب (مرحوم) جیسی شخصیتیں کالج سے وابستہ تھیں۔

کالج میں شاید اب ایسا دور نہیں آئے گا، نہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے اور نہ اس طرح اکٹھا ہوں گے۔ ان اساتذہ کی سرپرستی سے میں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، شفاء الملک صاحب مرحوم اور علامہ کبیر الدین صاحب کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ علامہ مرحوم کی کلاس میں استفادہ کی غرض سے شرکت کرتا تھا۔ کلاس کے بعد جب چائے پیتے تھے تو اس وقت محققانہ انداز سے کلاس کے لکچر پر مزید روشنی ڈالتے تھے، بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ اب نہ تو ایسی گہری نظر رکھنے والے ہیں اور نہ ہی ہمت افزائی کرنے والے۔

شفاء الملک صاحب مرحوم نے حکم دیا کہ طلبہ کے لیے ان کی استعداد کے مطابق معقولات پر مختصر سی کتاب اردو میں مرتب کر دوں۔ کتاب کے مسودہ کو خود سنتے تھے اور اصلاح فرماتے تھے۔ 'مفتاح معقولات'

لکھوا کر مرحوم نے تقریر کے علاوہ تحریر کا بھی جذبہ پیدا کر دیا، جو آج بھی بڑی حد تک کارفرما ہے۔

میں بحیثیت ڈیمانسٹریٹر کے آیا تھا اور آج شعبۂ معالجات میں ریڈر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ ۱۳ برسوں سے درس کے علاوہ مطب اور اسپتال سے بھی وابستہ ہوں۔ درس و تدریس، علاج و معالجہ اور شعبہ کی ذمہ داریوں سے جو کچھ وقت بچتا ہے، اسے تصنیف و تالیف میں گزارتا ہوں۔ شعبۂ یونانی طب و سرجری کا آخری صدر رہا۔ ۱۹۸۵ء میں جب شعبۂ یونانی طب و سرجری تین شعبوں کلیات، معالجات اور جراحت میں منقسم ہوا تو نئے پوسٹ گریجویٹ شعبۂ معالجات کے پہلے صدر کی ذمہ داری دی گئی، اس وقت سے شعبۂ معالجات کا صدر ہوں، شعبہ کی ترقی کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

پوری داستان کو اگر مختصر کر دیا جائے تو یہ ہوگی۔ تعلیم کی ابتدا درسِ نظامی سے ہوئی، جس کی تکمیل پر 'ممتاز الافاضل' کی سند اور طب کی تعلیم کی تکمیل کی سند بی آئی ایم ایس ۱۹۵۶ء میں ملی۔ اسی دوران الٰہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، منشی کا امتحان پاس کیا، لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیرِ کامل، فاضلِ تفسیر اور فاضلِ ادب کی سندیں حاصل کیں۔ ہائی اسکول، پری یونیورسٹی، بی اے اور ایم اے کے امتحانات اسی یونیورسٹی سے ملازمت کے دوران پاس کیے۔

۱۹۵۷ء میں ڈیمانسٹریٹر کی حیثیت سے اجمل خاں طبیہ کالج میں ملازمت شروع کی اور اس وقت ریڈر معالجات اور صدر شعبہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی کو پورا کر رہا ہوں۔

تصانیف میں سب سے پہلی کتاب 'مفتاحِ معقولات' ہے، جو فلسفہ و منطق سے متعلق ہے۔ دوسری کتاب 'تاریخِ طب و اطبائے قدیم' ہے، اس کتاب کی طباعت اتر پردیش اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے ہوئی تھی، اس پر اسی اکیڈمی نے انعام بھی دیا تھا۔ تیسری کتاب 'کتاب الحمیات' ہے، یہ بھی اسی اکیڈمی سے شائع ہوئی اور اکیڈمی نے انعام سے بھی نوازا۔ چوتھی کتاب 'معالجات نظامِ ہضم و تولید' ہے، یہ فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ پہلی تینوں کتابیں طلبہ کی توجہ سے ختم ہو چکی ہیں، دوبارہ اشاعت کا انتظام کر رہا ہوں۔

(علی حیدر جعفری)

جعفری صاحب کی یہ خودنوشت اس زمانہ کی ہے جب وہ طبیہ کالج میں ریڈر تھے، اس لیے ان کے کئی سوانحی واقعات اور ان سے منسوب علمی کاموں کی بہت سی تفصیلات اس میں شامل نہیں ہو پائی ہیں۔ حالانکہ وہ بعد میں پروفیسر ہوئے اور صدر شعبہ کے علاوہ پرنسپل اور ڈین جیسے عہدوں پر بھی فائز رہے۔

جعفری صاحب کے کاموں کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، دورِ اول کے علمی کام، ان کی تفصیل ان کی خودنوشت میں آ چکی ہے، یہ سب تالیفی نوعیت کے ہیں اور درسیات سے متعلق ہیں۔ دورِ ثانی ان

کے پروفیسر بننے کے بعد شروع ہوتا ہے،'معالجات امراضِ اطفال' کے علاوہ اس عہد کے سبھی کام ترجمہ نگاری سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں زکریا رازی کی'الحاوی فی الطب' کی سات جلدیں چوتھی، پانچویں،ساتویں،آٹھویں،نویں،دسویں اور تیئیسویں شامل ہیں،ان کے ترجمہ کے ساتھ ان کی تہذیب وتدوین اور تلخیص بھی کی گئی ہے۔

جعفری صاحب کے نام سے ترجمہ نگاری کے جو کام ملتے ہیں،ان میں'دقائق العلاج حصہ اول' بھی شامل ہے،اس کا مؤلف کریم بن ابراہیم ہے،اس نے اسے ۱۲۶۷ھ میں تالیف کیا تھا۔اس کا عربی متن ۱۳۱۵ھ میں مطبع سید محمد بمبئی (ممبئی) سے شائع ہوا ہے۔دقائق العلاج کے حصہ دوم کا بھی ترجمہ ہو چکا ہے،تاہم یہ ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔

۲۷/جون ۲۰۰۲ء کو ۶۵/برس کی عمر میں جعفری صاحب کا انتقال ہوا۔

مطالعاتی ماخذ

۱- کتاب الحاوی، جلد چہارم، مؤلفہ زکریا رازی، مترجمہ سید علی حیدر جعفری ومحمد محی الحق صدیقی (پیش لفظ پروفیسر حکیم سید مودود اشرف)

۲- جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر) جلد۴،شمارہ ۱،۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۳-۱۹۲

۳- حکیم سید علی حیدر جعفری کا خودنوشت سوانحی نوٹ

۴- دقائق العلاج، مؤلفہ کریم بن ابراہیم، مترجمہ سید علی حیدر جعفری ومحمد محی الحق صدیقی

●●●

حکیم محمد عمر

حکیم محمد عمر ایک صوفی صفت انسان تھے، مگر زاہد خشک نہیں تھے اور نہ ان کا مسلکِ تصوف دنیا بیزاری سے مستعار تھا، اسی لیے سیاسی اور سماجی مشاغل کو ان کے یہاں کارِ انسانیت کا درجہ حاصل تھا۔ وہ مطب و معالجہ میں حذاقت کے مرتبہ پر فائز تھے، طب کی تعلیم اور اس کے درس و تدریس کو وہ زمرۂ عبادت میں شمار کرتے تھے، ان کے اندر ادارہ جاتی انتظام و انصرام کی عمدہ لیاقت تھی، وہ زبان و ادب کے بھی رمز آشنا تھے، وہ بڑی فعال طبیعت کے مالک تھے، زیرکی اور معاملہ فہمی کا جوہر بھی ان میں خوب تھا، ان اوصاف کے علاوہ وہ شگفتہ مزاج، بذلہ سنج اور ظریف الطبع بھی تھے۔

حکیم محمد عمر ۲۳ر جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ/۱۴ر ستمبر (حکیم وسیم احمد اعظمی نے ۱۰ر ستمبر لکھا ہے) ۱۹۰۳ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے تین روز قبل ہی ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں طاعون میں مبتلا ہو کر ان کی والدہ بھی رحلت فرما گئیں، اسی وبا کا شکار ہو کر ان کے نانا مولوی نور محمد اور چھوٹے ماموں مولوی ظفریاب حسن بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نانی اور بڑے ماموں کے ہاتھوں ان کی پرورش ہوئی۔

حکیم محمد عمر کا سلسلۂ نسب شیخ احمد سے ملتا ہے، جو حضرت نظام الدین اولیاء کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مخدوم شیخ حیدر غزنوی عرف ڈھولا پیر کی اولاد میں سے تھے، یہ نسبی سلسلہ اس طرح ہے، حکیم محمد عمر بن محمد صدیق بن حیدر بخش بن بخشو بن نور محمد بن بلاقی بن شیخ احمد۔ شیخ احمد، عالم گیر یا شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں گوالیار سے دیوبند آئے تھے۔

حکیم محمد عمر کے والد شیخ محمد صدیق متوسط درجہ کے تجارت پیشہ تھے، مگر اچھا ادبی ذوق رکھتے

تھے، ان کے دادا حیدر بخش بھی پیشۂ تجارت سے وابستہ تھے، وہ بڑے بہادر تھے اور ملّی جذبہ سے سرشار تھے۔ حیدر بخش کے برادر بزرگ حاجی ایزد بخش عرف کلو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین اور مولانا قاسم نانوتوی کے معتقدین میں تھے۔

حکیم محمد عمر نے مکتبی تعلیم کے بعد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم سے فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ مظاہرِ علوم، سہارن پور سے فارسی اور عربی کی انتہائی کتب پڑھیں، اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اس زمانہ میں تحریکِ خلافت کا بڑا زور تھا، وہ اس کے پُر جوش حامیوں میں تھے، اس میں غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے ان کی تعلیم بھی متاثر ہوئی اور وہ درسِ نظامی کی تکمیل نہیں کر سکے جس کا انہیں زندگی بھر ملال رہا۔

مئی ۱۹۲۳ء میں یونانی طب کی تعلیم کے لیے وہ لکھنؤ گئے، یہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ تکمیل الطب کالج کا تعلیمی سشن شروع ہونے میں ابھی چھ سات مہینے باقی ہیں، اس لیے وہیں رک کر حکیم مُنّے آغا سے منطق، فلسفہ اور ہیئت کے اسباق پڑھے جو طب فہمی کے لیے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ ۳ر جنوری ۱۹۲۴ء کو تکمیل الطب میں ان کا داخلہ ہوا، اس وقت یہاں جو نصاب رائج تھا اس کی مدتِ تعلیم تین سال تھی، اسے پوری کر کے ۱۹۲۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی اور دیوبند آکر مطب شروع کیا، ۱۹۲۷ء میں دار العلوم طبیہ (پنجاب) کی دعوت پر لاہور چلے گئے، غالباً ۱۹۳۰ء تک یہاں انہوں نے تدریسی فرائض انجام دیے، وہ کچھ دنوں منٹگمری (مغربی پنجاب) میں ایک فارمیسی میں معالج بھی رہے، بالآخر دیوبند آگئے اور دوبارہ مطب شروع کیا۔ اس موقع پر ان کے مطب کا جو اشتہار شائع ہوا تھا اس میں اس بات کا بھی اعلان تھا کہ جو طلبہ اردو، فارسی اور عربی میں طب کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں، انہیں مفت تعلیم دی جائے گی۔ اس کے بعد شائقین طب کی جو آمد شروع ہوئی تو روز بروز بڑھتی ہی گئی، اس کی وجہ سے وہ اپنے مطب سے متصل مسجد میں درس دینے لگے۔ ان کے درس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ طب کے اہم مسائل کی توضیح قرآن وسنت کی روشنی میں کرتے تھے۔

۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں وہ دار العلوم دیوبند سے بحیثیت معالج واستاذِ طب وابستہ ہوئے، یہاں اساتذہ وطلبہ کے علاج ومعالجہ کے ساتھ طب کا درس بھی ان کے ذمہ تھا۔ دار العلوم میں طب ایک اختیاری مضمون کے طور پر داخلِ نصاب تھی۔ جامعہ طبیہ کے قیام سے پہلے ان سے طب پڑھنے والوں کی تعداد چار سو سے متجاوز ہے۔ ۱۹۶۵ء میں کالج کے قیام کے بعد وہ اس کے پرنسپل مقرر ہوئے، جب تک یہ کالج

جاری رہا وہی اس کے پرنسپل رہے۔ اس سلسلہ میں حکیم عزیز الرحمان اعظمی لکھتے ہیں:

"آپ کی پرنسپل شپ اور کالج دونوں ہم زاد تھے، آپ کی منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہی یہ کالج ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا، اس کالج میں کم وبیش چار سو طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا"۔

دار العلوم طبیہ (پنجاب) کی ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۲۷ء کے اواخر سے غالباً جنوری ۱۹۳۰ء تک لاہور میں ان کا قیام رہا، یہ مدت کم وبیش دو برس کے عرصہ پر محیط ہے، یہاں سکونت کے زمانہ میں لاہور کے مشہور تاجر کتب شیخ جلال الدین سے ان کے روابط استوار ہوئے، انہی کی فرمائش پر حکیم محمد عمر نے حکیم سید بہاء الدین شاہ جہاں آبادی کی تالیف قانونِ علاج کا 'آئینِ علاج' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس کی تہذیب کر کے آسان پیرایۂ اظہار میں نفسِ مضمون کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ترجمہ ۸۸/صفحات پر مشتمل ہے، یہ رفاہ عام اسٹیم پریس سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا بیشتر حصہ کلیات سے متعلق ہے۔

دیوبند میں طب کی تعلیم وتدریس اور مسیحانفسی کے ساتھ یہاں کے سماجی، معاشرتی، ملی اور سیاسی امور بھی حکیم محمد عمر کی دلچسپیوں کے مجال تھے۔ اس شہر کے ترقیاتی منصوبوں سے ہمیشہ ان کی دلچسپی رہی۔ دیوبند میونسپل کارپوریشن کے وہ منتخب نمائندہ تھے۔ شہر کے ریلوے روڈ پر واقع 'مسجد عمر' ان کی ایک اہم یادگار ہے، اسے انہوں نے اپنی زمین پر ذاتی سرمایے سے تعمیر کروایا تھا۔

وہ مشہور بزرگ حضرت شاہ وصی اللہ خاں کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے، وہ شاہ صاحب کے معالج اور مجازِ بیعت بھی تھے، شاہ صاحب انہیں بے حد عزیز رکھتے تھے۔

حکیم محمد عمر نے ۹۶/برس کی عمر میں ۱۷/جولائی ۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

مطالعاتی مآخذ

۱- تذکرۂ حضرت الحاج مولانا حکیم محمد عمر صاحب دیوبندی، مرتبہ حکیم نفیس الرحمان تھانوی، ہمدم پریس، مالیگاؤں، ۲۰۰۸ء

۲- جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر) جلد۴، شمارہ ۱، ۲۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۳-۱۹۲

۳- امتیاز الامراض (اردو ترجمہ فروق الامراض) از حکیم محمد ساجد بستوی، محبوب پریس، دیوبند، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰-۶

●●●

حکیم سید عمید الاسلام قاسمی

حکیم سید عمید الاسلام بن سید عبد السلام موضع کور، تحصیل صالح پور، ضلع کٹک، صوبہ اڑیسہ میں ۲۹/ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۷/جنوری ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ یہیں مرکزی مدرسہ سنگرہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۲ء میں دار العلوم دیوبند سے فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۰ء میں اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کی سند حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۲/دسمبر ۱۹۷۱ء کو سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی (سی سی آئی ایم ایچ) کی علی گڑھ میں قائم کلینیکل اسکریننگ یونٹ میں بطور ریسرچ اسسٹنٹ ان کا تقرر ہوا۔ مگر کچھ ہی دنوں بعد وہ لٹریری ریسرچ یونٹ میں منتقل ہو گئے۔ ۳۱/جولائی ۱۹۸۴ء کو اس ملازمت سے مستعفی ہو کر وہ اجمل خاں طبیہ کالج کے شعبۂ علم الادویہ سے ٹکنیکل اسسٹنٹ کے طور پر منسلک ہو گئے، حالانکہ کونسل کی ملازمت زیادہ باوقار تھی اور یہاں ترقی کے نسبتاً بہتر مواقع تھے، مگر پر سکون زندگی کی چاہت میں انہوں نے اس خسارہ کو گوارا کیا۔ ۳۱/جولائی ۲۰۰۲ء کو شعبۂ علم الادویہ سے سینئر ٹکنیکل اسسٹنٹ کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ ۲۳/اپریل ۲۰۱۴ء کو علی گڑھ میں وفات پائی۔

کتاب التیسیر فی المداوہ والتدبیر: یہ ابو مروان عبد الملک بن زہر (۱۱۶۲ء-۱۰۹۲ء) کی تالیف ہے، اس کا اردو ترجمہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے ترجمہ کا کام پروفیسر حکیم محمد طیب (پروجیکٹ آفیسر) کی نگرانی میں شبیر احمد خاں غوری، حکیم عطاء الرحمان ندوی، حکیم محمد ظفر اللہ اور حکیم سید عمید الاسلام قاسمی نے انجام دیا ہے۔ اس میں قاسمی صاحب کی حیثیت شریکِ غالب کی ہے۔ اس ترجمہ کے بعد ان کا کوئی دوسرا علمی کام سامنے نہیں آیا، حالانکہ ان کے اندر عربی زبان کی

اچھی استعداد تھی۔ اگر کونسل سے ان کی وابستگی برقرار رہتی تو یقیناً ان کی صلاحیتوں کے کچھ اور مظاہر بھی سامنے آتے۔

قاسمی صاحب نہایت شریف الطبع اور خوش مزاج تھے، طبیعت میں مذہبیت کا عنصر غالب تھا۔ طلبہ کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ وہ طلبہ سے کتاب التیسیر کے اردو ترجمہ کا ذکر ایک کارنامہ کے طور پر فخریہ انداز میں کرتے تھے۔

•••

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ ایک دینی اور علمی خانوادے کے فرد تھے۔ ۱۹۰۱ء میں وہ بسال، ضلع اٹک (صوبۂ پنجاب، پاکستان) کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسی ماحول میں ان کی ذہنی اور فکری پرداخت ہوئی تھی۔ ان کے والد محمد قاسم شاہ بے حد دینی رجحان کے تھے اور دینی امور سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے گاؤں میں ذاتی وسائل سے ایک مسجد تعمیر کی تھی، وہی اس کے امام تھے۔ محمد قاسم شاہ اور ان کی اہلیہ اسی مسجد کے احاطہ میں مدفون ہیں۔ غلام جیلانی برقؔ کے بڑے بھائی نور الحق علوی عربی زبان وادب کے مشہور عالم تھے، وہ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ غلام جیلانی برقؔ کے دوسرے بڑے بھائی غلام ربانی عزیز قصور کالج (پاکستان) میں پرنسپل تھے۔ وہ پچیس سے زائد اسلامی کتابوں کے مصنف اور کئی عربی کتابوں کے مترجم ہیں۔ غلام جیلانی برقؔ کے چھوٹے بھائی پیشۂ معلّمی سے وابستہ تھے۔

غلام جیلانی برقؔ نے مدرسہ حمیدیہ، لاہور سے ابتدائی دینی تعلیم کے بعد مولوی، منشی اور ادیب کے امتحان پاس کئے اور گورنمنٹ کالج ہوشیار پور سے ملازمتی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۳ء تک رہا۔ پڑھانے کے ساتھ پڑھنے کا عمل بھی جاری رہا۔ چنانچہ ۲۲ر سال کی عمر میں میٹرک کیا اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ عربی و فارسی میں ایم اے کر کے ۱۹۴۰ء میں امام ابن تیمیہ پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور عربی کے پروفیسر ہوئے۔

تذکرے، تاریخ، اسلامیات اور عصریات پر غلام جیلانی برقؔ نے دو درجن سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں۔ انہوں نے شاداب قلم کے ساتھ شاداب ذہن بھی پایا تھا۔ جامعیت اور تحقیق ان کا خاص

اسلوب نگارش ہے۔ اسی لیے ان کی تحریریں مقبول اور پسندیدہ ہیں:

تصانیف:

۱-معجم القرآن، ۲-مسائل نو، ۳-رمز ایمان، ۴-میری آخر کتاب، ۵-تاریخِ حدیث، ۶-مضامینِ برق، ۷-من کی بات، ۸-دو قرآن، ۹-عظیم کائنات کا عظیم خدا، ۱۰-امام ابن تیمیہ، ۱۱-اسلام اور عصر رواں، ۱۲-ہم اور ہمارے اسلاف، ۱۳-سلاطینِ اسلام، ۱۴-دانشِ رومی و سعدی، ۱۵-فرمانروایانِ اسلام، ۱۶-حرف محرمانہ، ۱۷-معجم البلدان، ۱۸-دانش عرب وعجم، ۱۹-میری داستانِ حیات، ۲۰-ہماری عظیم تہذیب، ۲۱-لمعاتِ برق، ۲۲-فلسفیانِ اسلام، ۲۳-یورپ پر اسلام کے احسان، ۲۴-الحاد مغرب اور ہم، ۲۵-برقِ بے تاب، ۲۶-گل ہائے ایران، ۲۷-فروغِ جاوداں، ۲۸-عالمِ اسلام، ۲۹-اللہ کی عادت، ۳۰-ایک اسلام، ۳۱-جہانِ نو، ۳۲-تحقیقِ عارفانہ۔

تاریخ الحکماء:

غلام جیلانی برق کی ایک اہم علمی یادگار، تاریخ الحکماء مصنفہ جمال ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم بن عبدالواحد شیبانی قفطی (۱۲۴۸ء-۱۱۷۲ء) کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں ۴۱۱ فلسفیوں، طبیبوں، ریاضی دانوں، منجموں وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ اس کا شمار تاریخ طب کے اہم ماخذ میں ہے۔ یہ کتاب بعض دوسرے ناموں جیسے طبقات الحکماء واصحاب النجوم والاطباء، کتاب تراجم الحکماء اور کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء کے نام سے بھی موسوم ہے۔ محمد بن علی بن محمد خطیبی زوزنی نے، المنتخبات الملتقطات من تاریخ الحکماء کے نام سے اس کا اختصار تیار کیا تھا، یہ ملخص ۱۹۰۳ء میں لیپک (جرمنی) سے شائع ہوا ہے، اس کی تدوین برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر جولس لپرٹ (Guluis Lippert) نے کی تھی۔ غلام جیلانی برق نے اس کا ترجمہ کیا ہے، وہ اس ترجمہ کی بابت لکھتے ہیں:

> ''یہاں یہ عرض کردینا مناسب ہوگا کہ یہ ہر ہر فقرے کا لفظی ترجمہ نہیں، بلکہ سلیس اردو میں مطلب خیز ترجمہ ہے۔ بعض غیر ضروری مکررات کو ترجمہ میں حذف کردیا گیا ہے۔ ایک دو مقامات پر بعض فقرات کو جو میری ناقص سمجھ سے بالاتر تھے، بلاترجمہ چھوڑ دیا ہے اور جگہ خالی رہنے دی ہے۔ اپنی وسعت کے مطابق ترجمہ میں روانی وسلاست پیدا کرنے کی کوشش کی ہے''۔

غلام جیلانی برق کا شمار علمی اور اسلامی حلقہ کے معروف ناموں میں ہے۔ مولانا مودودی،

شورش کاشمیری، مولانا عبدالماجد دریا بادی، احمد ندیم قاسمی، حفیظ جالندھری ان کے اصحاب میں تھے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ نے ۱۲/ مارچ ۱۹۸۵ء کو وفات پائی۔

مطالعاتی ماخذ

۱- تاریخ الحکماء (اردو ترجمہ) از ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۳ء، ص ۱۰-۱

۲- میری داستانِ حیات از ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

۳- تاریخِ طب کا علمی سرمایہ از حکیم سید محمد حسان نگرامی، نعمانی پرنٹنگ پریس، لکھنؤ، ۲۰۱۶ء، ص ۸۹-۸۷

●●●

حکیم سید غلام حسنین کنتوری

حکیم سید غلام حسنین کنتوری ۱۷ ربیع الاول ۱۲۴۵ ہجری مطابق ۱۶ ستمبر ۱۸۲۹ء کو کنتور، ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ کنتوری کا تاریخی نام ذاکر حسین ہے۔ ان کا نسبی تعلق نیشاپور کے موسوی سادات سے ہے۔ کنتوری کے والد محمد بخش حسینی موسوی اور ان کے جد امجد مولوی سید عبداللہ بڑے عالم گزرے ہیں۔

کنتوری نے لکھنؤ کے مدرسہ شاہی سے فارسی اور عربی ادبیات، منطق وفلسفہ اور حدیث وفقہ کی تکمیل کی۔ یہاں سے فراغت کے بعد امام باڑہ نواب آصف الدولہ میں واقع مدرسہ سلطانیہ میں ملازمت اختیار کی۔

علوم متداولہ کی تحصیل کے دوران کنتوری نے چغمنی کا قانونچہ پڑھا تھا۔ یہیں سے انہیں طبی علوم کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں طبی علوم حاصل کرنے کا ذریعہ مشاہیر اطباء کے مطب تھے۔ مگر طب کے اس طریقۂ تعلیم سے کنتوری غیر مطمئن تھے، لہٰذا انہوں نے ذاتی مطالعہ سے طب میں مہارت اور کمال حاصل کیا۔

طب کے علاوہ مسمریزم اور علم کیمیاء سے کنتوری کو بڑا شغف تھا، انہوں نے کیمیاء میں بڑی مہارت پیدا کر لی تھی۔ ان کی صدارت میں ''انجمن الکیمیاء'' بنارس کا قیام عمل میں آیا۔ اس انجمن کا مقصد علم کیمیا کا فروغ تھا، اس انجمن کے ایک آنریری ممبر حکیم دوست محمد خاں نے مالیر کوٹلہ سے ایک رسالہ ''الکیمیاء'' کا اجراء کیا، اس میں کنتوری کے کیمیاء سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔

صنعت وحرفت سے بھی کنتوری کو دلچسپی تھی وہ چاہتے تھے کہ مدارس میں اس قسم کی پیشہ ورانہ تعلیم کا

انتظام ہوتا کہ یہاں کے فضلاء معاشی لحاظ سے خود کفیل ہوں اور اس کے لیے کنتوری نے عملی اقدامات بھی کیے۔

لکھنؤ میں حصول تعلیم کے بعد جو اسفار کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ تاحیات جاری رہا، اس طرح ان کی زندگی کا بڑا حصہ تلاش معاش کے سلسلہ میں سفر میں گزرا۔ ہندوستان کے تقریباً چالیس مقامات پر ان کا قیام رہا۔

کنتوری نے مختلف دینی موضوعات پر ۲۱ رکتابیں تالیف کی ہیں، لیکن انہیں علمی شہرت، طبی ترجمہ نگاری کی وجہ سے ملی۔ فکرِ معاش کے دوران کنتوری نے لکھنؤ میں منشی نول کشور سے ملاقات کی، انہوں نے ابتداً ''اعجاز خسروی'' کی شرح کا کام کنتوری کے سپرد کیا، جسے کنتوری نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس طرح منشی نول کشور سے کنتوری کے تعلقات استوار ہوئے اور مطبع منشی نول کشور سے انہیں جڑنے کا موقع ملا۔

منشی نول کشور کا مطبع محض ایک اشاعتی ادارہ نہیں، بلکہ تدوین و ترجمہ جیسے علمی کام بھی اس کے عملی دائرے کا حصے تھے۔ کنتوری نے مطبع منشی نول کشور کے زیر اہتمام کئی طبی کتابوں کے ترجمہ کا کام انجام دیا اور ان کی کوششوں سے عربی و فارسی زبان کی کئی طبی کتابیں اردو میں ترجمہ ہو کر اردو داں طبی حلقہ میں متداول ہوئیں۔

کنتوری نے جس عہد میں طبی کتابوں کے ترجمہ کا کام انجام دیا تھا، اس سے اس عہد کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل یہ ہوئی کہ اردو زبان میں درس و تدریس میں مدد ملی۔

اس عہد میں اردو کا چلن شروع ہو جانے کے باوجود اطباء میں عربی و فارسی کے جاننے اور سمجھنے والے موجود تھے۔ جب کہ ہمارے عہد میں اس قسم کے اطباء عنقاء ہو چکے ہیں۔ موجودہ طبیبوں میں شاید چند ایسے نام مل پائیں، جو براہ راست عربی و فارسی کے طبی سرمایہ سے استفادے کی اہلیت رکھتے ہوں، لہٰذا یہ تراجم اس عہد سے زیادہ ہمارے زمانے کی ضرورت ہیں۔ اس لیے کہ آج تعلیم و تحقیق کا تمام کام انہیں اردو ترجموں کی مدد سے انجام پا رہا ہے۔

کنتوری کے تراجم کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱- ترجمہ القانون فی الطب مصنفہ شیخ الرئیس بو علی حسین بن عبداللہ بن سینا

۲- ترجمہ کامل الصناعۃ الطبیہ، مصنفہ ابوالحسن علی بن عباس مجوسی۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے،

مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا ہے۔

۳- ترجمہ قانونچہ (تلخیص قانون)، شمس الدین چغمنی

۴- ملخص فصول بقراطی: یہ فصول بقراط مع تلخیص جالینوس کا فارسی ترجمہ ہے، اسے کنتوری نے اپنے دوست سید مہدی علی کی خواہش پر انجام دیا ہے۔ یہ چوتھی بار ۱۸۹۷ء میں مطبع منشی نول کشور، کانپور سے شائع ہوا ہے۔

۵- رسالۂ قبریہ مصنفہ ابوالطب بقراط

کنتوری نے یہ تراجم براہ راست اصل زبانوں سے انجام دئے ہیں۔ ان کتابوں کے تراجم کے وقت ان کے پیش نظر طبی ترجمہ نگاری کا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے ترجمہ کے ساتھ اس کا اسلوب طے کرنے کی ذمہ داری بھی انجام دی۔

کنتوری کی کوششوں سے پہلی بار قانون کا مکمل ترجمہ ہو سکا۔ طبی نصاب میں قانون کے حصۂ کلیات اور حمیات کی بڑی اہمیت رہی ہے، لہٰذا کئی طبیبوں نے درسی ضرورتوں کے پیشِ نظر ان حصوں کو علاحدہ ترجمہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مگر ان سب کے پیشِ نظر اصل قانون کے علاوہ کنتوری کا اردو ترجمہ بھی رہا ہے۔ کچھ مترجمین نے تو صرف زبان کو سلیس اور بامحاورہ بنا کر کنتوری کے ترجمہ کو ایک نئے رنگ میں پیش کر دیا۔ طبی دنیا میں کنتوری کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلی بار قانون کا مکمل ترجمہ اردو زبان میں پیش کیا۔

کنتوری نے جس زمانہ میں القانون فی الطب اور دوسری طبی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اس عہد میں اردو زبان کا اسلوب آج سے بہت مختلف تھا، تب سے اب تک اردو زبان میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں اور اب تو اردو زبان نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے اور اس کا اسلوب اتنا بدل چکا ہے کہ اس کا قدیم اسلوب ایک دوسری زبان معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اطباء کی نئی نسل اس سے استفادہ میں دشواری محسوس کر رہی تھی، لہٰذا کنتوری کے ترجمۂ قانون کو موجودہ اسلوب میں پیش کرنے کی ضرورت تھی، راقم کی تحریک اور بار بار اصرار پر پروفیسر خالد زماں خاں صاحب (شعبۂ کلیات، اجمل خاں طبیہ کالج) اس کام کو اپنے زیر نگرانی انجام دینے کے لیے آمادہ ہوئے۔ انہوں نے پروجیکٹ تیار کرنے کی ذمہ داری اس ناچیز کے سر ڈالی۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کر کے حق شاگردی ادا کیا اور کنتوری کے ترجمۂ قانون کی لسانی تسہیل اور اس کی تہذیب و تدوین کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس وقت سی سی آر یو ایم، نئی دہلی کے مالی تعاون

سے پروفیسر خالد زماں خاں صاحب کی نگرانی میں یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ امید کہ آئندہ کچھ برسوں میں مکمل ہو کر علمی دنیا کے سامنے آجائے گا۔ توقع ہے کہ اس کام کے ذریعہ قانون سے استفادہ کا چلن بڑھے گا اور اسے دیکھ کر دوسرے قدیم اردو ترجموں کی تسہیل اور تہذیب کی ضرورت محسوس کی جائے گی۔

۸۹ر برس کی عمر میں ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو کنتوری نے فیض آباد میں وفات پائی اور امام باڑہ کنتور (بارہ بنکی) میں دفن ہوئے۔ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی نے کنتوری کی حیات اور کارناموں پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

مطالعاتی ماٰخذ

۱- نزہۃ الخواطر، جلد ۸، مؤلفہ عبدالحئی حسنی، دائرۃ المعارف، عثمانیہ حیدر آباد، ۱۹۷۸ء، ص ۱۳۲۱-۱۳۲۰

۲- تذکرۂ اطباء اودھ، مؤلفہ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی، ادارہ ادبیات دلی، ۲۰۰۸ء، ص ۳۱۸-۲۹۶

۴- قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۱۴-۲۱۲

•••

حکیم غلام حیدر لاہوری

حکیم غلام حیدر لاہور کے رہنے والے تھے۔ ترجمۂ قانونچہ مع رسالۂ قبریہ طبی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ان کی یادگار ہے۔

ترجمۂ قانونچہ مع رسالۂ قبریہ اردو:

محمد بن محمود چغمنی کی تالیف 'قانونچہ' یونانی طب کی مقبول ترین کتابوں میں ہے۔ اس کی طباعت واشاعت سے مطابع اور تاجران کتب کی کافی دلچسپی رہی ہے۔ اس کا ایک اظہار اردو ترجمہ کی صورت میں ملتا ہے۔ 'قانونچہ' کے اردو زبان میں متعدد ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کا ایک ترجمہ حکیم غلام حیدر لاہوری کے نام سے بھی ملتا ہے۔ انہوں نے یہ ترجمہ لاہور کے مشہور تاجرانِ کتب چراغ الدین اوران کے فرزند سراج الدین کے ایماء پر انجام دیا ہے۔ 'قانونچہ' کے ساتھ بقراط کے رسالۂ قبریہ کو بھی انہوں نے اردو جامہ پہنایا ہے۔ 'رسالۂ قبریہ' کا ترجمہ آٹھ صفحات پر اور 'قانونچہ' کا ترجمہ ۱۲۸ رصفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمہ کا انداز یہ ہے کہ اوپر متن کو نقل کر کے اس کے نیچے اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ ترجمۂ قانونچہ مع رسالۂ قبریہ، اسلامیہ اسٹیم پریس، لاہور سے غیر مورخ شائع ہوا ہے۔

•••

ڈاکٹر غلام دستگیر

ڈاکٹر غلام دستگیر زبان و بیان کے رمز آشنا اور طب جدید کے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ اس لیے ترجمہ نگاری کا میدان ان کی شخصیت کے لیے نہایت موزوں تھا۔ ان کے پاس منشی، فاضل اور ایم بی ایس کی اسناد تھیں۔ وہ جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد کے سررشتۂ تالیف وترجمہ کے رکن تھے۔

علم امراض النسا، جلد دوم: یہ ٹی واٹس ایڈن، کتھبرٹ لاکیئر اور ایچ بیک ہوس کی انگریزی تالیف کا اردو ترجمہ ہے، اسے ڈاکٹر غلام دستگیر نے انجام دیا ہے۔ یہ ترجمہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد سے ۱۳۶۴ھ/۱۳۵۲ف/۱۹۴۵ء میں شائع ہوا ہے۔

•••

حکیم سید غلام مہدی رازؔ

حکیم سید غلام مہدی رازؔ ۷ ؍مئی ۱۹۴۰ء مطابق ۹ ؍ربیع الثانی ۱۳۵۹ ہجری بروز جمعہ مغربی اتر پردیش کے ضلع مراد آباد (اب یہ جے پی نگر کے نام سے موسوم ہے) کے مردم خیز قصبہ نوگانوا سادات میں پیدا ہوئے، ان کا نسبی سلسلہ حضرت امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ مولانا سید فخر الدین جن سے نوگانوا سادات آباد ہے، وہ مولانا سید محمد امام عرف دادا مولانا کی اولاد میں تھے۔ دادا مولانا حضرت نظام الدین اولیا کے دامن فیض کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، وہ درگاہ حضرت نظام الدین کے قریب ہی مدفون ہیں۔ مہدی صاحب کے جدِّ اعلیٰ سید خادم حسین ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے بغاوت کی پاداش میں مصلوب ہوئے تھے۔ ان کی نانی خدیجۃ الکبریٰ (وفات ۱۹۵۶ء) کا ثریاؔ تخلص تھا، وہ صاحب دیوان شاعرہ تھیں، "نالہ شب گیر" کے نام سے ان کے منقبتی کلام کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ علم و حلم، شرافت و نجابت اور نسبی بزرگی یہ محض مہدی صاحب کے پس منظر کا حصہ نہیں تھے، بلکہ یہ سارے اوصافِ حمیدہ ان کی شخصیت کا جزء تھے اور فی الواقع خاندانی عظمت کی اہمیت یہی ہے کہ اس کے اثرات کا انسان کی ذات سے اظہار ہو رہا ہو۔

مہدی صاحب کے والد سید شیث علی مقامی پرائمری اسکول کے صدر مدرس تھے، ان کا شمار نوگانوا کے معززین میں تھا۔ انہیں سے مہدی صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۳ء میں گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول امروہہ سے ہائی اسکول پاس کیا، اس وقت ان کی عمر محض تیرہ برس تھی۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کی، اسی دوران عربک اینڈ پرشین اکزامینیشن بورڈ الٰہ آباد سے منشی اور مولوی کے امتحان بھی پاس کیے۔ علی گڑھ سے

فراغت کے بعد غم روزگار سے نبرد آزمائی کا سلسلہ شروع ہوا اور ذریعہ معاش کی تلاش میں وہ لکھنؤ آگئے، اس امید پر کہ یہاں آیورویدک اینڈ یونانی ڈائرکٹوریٹ کا دفتر ہے، شاید کوئی راستہ نکل آئے۔ یہاں ملازمت کے انتظار میں خالی بیٹھنے کے بجائے تحصیلِ مزید کے جذبہ کے تحت وہ کچھ دنوں سلطان المدارس میں زیرِ تعلیم رہے، اسی زمانہ میں انہوں نے الہٰ آباد بورڈ سے عالم (عربی) اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضلِ تفسیر کے امتحان پاس کیے۔ لکھنؤ میں تقریباً ایک برس ان کا قیام رہا، اس عرصہ میں وہ محکمۂ صحت اتر پردیش کے اپیڈیمیولوجی ڈیپارٹمنٹ میں یومیہ اجرت پر الہٰ آباد، گونڈہ، فیض آباد اور مرزا پور میں کام کرتے رہے، پھر دہلی آگئے اور یکم اگست ۱۹۶۰ء سے ۱۹ رفروری ۱۹۷۱ء تک ہمدرد سے بحیثیت طبیب وابستہ رہے، یہاں انہیں حکیم عبدالحمید اور حکیم کوثر چاند پوری کی معیت میں کام کرنے اور فنی وادبی صلاحیتوں کو نکھارنے کے مواقع ملے۔ ہمدرد کی ملازمت کے دوران انہوں نے دلّی یونیورسٹی کی شبینہ کلاسوں میں داخلہ لے کر فارسی میں امتیازی نمبروں سے بی اے اور ایم اے کیا، اس نمایاں کامیابی پر یونیورسٹی کی طرف سے وہ گولڈ میڈل سے نوازے گئے۔ دلّی یونیورسٹی کی طالب علمی کے زمانہ میں یہاں کے اردو میگزین 'شمعِ حیات' کے وہ بانی مدیر اور یونیورسٹی میگزین 'یونائیٹڈ' کے فارسی سیکشن کے مدیر رہے۔

فارسی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم کے بعد اب ان کا ارادہ دلّی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے وابستہ ہونے کا تھا، لیکن حکیم عبدالحمید نے انہیں اس سے باز رکھا۔ ۱۹۶۹ء میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن، اینڈ ہومیوپیتھی قائم ہوئی، ۲۲ رفروری ۱۹۷۱ء کو مہدی صاحب ہمدرد کی ملازمت سے مستعفی ہوکر تکمیل الطب کالج، لکھنؤ میں قائم کونسل کی لٹریری ریسرچ یونٹ میں بحیثیت ریسرچ اسسٹنٹ (یونانی) وابستہ ہوگئے، یہاں انہیں حکیم شکیل احمد شمسی کی نگرانی میں کام کرنے کا موقع ملا، شمسی صاحب یہاں پروجیکٹ آفیسر تھے، وہ مہدی صاحب کی فنی صلاحیتوں اور ادبی ذوق سے متاثر تھے اور انہیں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ لکھنؤ میں انہیں ابن القف مسیحی کی کتاب العمدہ فی الجراحہ کی جلد اول کے ترجمہ کا کام تفویض ہوا، اسے انہوں نے بڑے سلیقہ سے انجام دیا، طبی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے یہ ان کی اہم یادگار ہے۔ کتاب العمدہ کی دوسری جلد کا ترجمہ حکیم محمد ظفر اللہ نے کیا ہے، مہدی صاحب اور حکیم خالد جاوید شمسی نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ ۱۹۷۹ء میں مشترک کونسل کی جگہ علاحدہ کونسلیں قائم ہوئی، اس طرح سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کا قیام عمل میں آیا اور اس کے تحت ہندوستان کے مختلف خطوں میں علاقائی سطح پر تحقیقی اداروں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اس موقع پر حکیم سید غلام مہدی نے بڑا اہم کردار

ادا کیا، خصوصاً بھدرک، پٹنہ، لکھنؤ اور دہلی میں علاقائی تحقیقی اداروں کے قیام اور استحکام میں ان کا قابل ذکر حصہ ہے۔ ۲۸ رفروری ۲۰۰۰ء کو ۲۹ ربرس کی طویل ملازمت کے بعد وہ رضا کارانہ طور پر ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے، اس عرصہ میں کونسل کی طرف سے طب کی عربی و فارسی کتابوں کے تراجم اور متون کی تہذیب وتدوین کے جو کام انجام پائے ہیں، ان سب میں کسی نہ کسی صورت میں ان کی شمولیت رہی، یہ ایک بڑی فنی خدمت ہے، پھر بھی انہیں قلق تھا کہ کونسل کے علمی شعبہ سے ایک مدت تک اشتغال کے باوجود طب پر ان کی کوئی مستقل تصنیف سامنے نہیں آسکی اور ملازمتی زندگی کا بیشتر حصہ انتظامی امور کی نذر ہو کر رہ گیا۔ شاید اسی لیے طب میں ان کی خدمات کا زیادہ حصہ غیر مرئی نوعیت کا ہے۔ لیکن شعر و ادب کے میدان میں وہ خوب نظر آتے ہیں اور ان کے کئی تخلیقی آثار ہمارے سامنے ہیں، 'متاعِ غم' اس سلسلے کا پہلا اظہار ہے۔ غزلوں، نظموں، رباعیات اور ایک گیت پر مشتمل یہ شعری مجموعہ ۱۹۶۸ء میں مجلسِ اشاعتِ ادب، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ حکیم کوثر چاندپوری نے 'حرفِ اول' کے عنوان سے اس پر مقدمہ تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے حکیم سید غلام مہدی راز کی شخصیت اور شاعری کا بھرپور جائزہ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "حکیم سید غلام مہدی راز کی شخصیت میں سنجیدگی اور شرافت کا حصہ دوسرے اجزائے ترکیبی سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔" "غلام مہدی کا علمی پس منظر وسیع ہے، انہیں انگریزی، اردو اور فارسی پر خاص قدرت ہے۔ شعر گوئی کا جذبہ اور ذوق یقیناً اکتسابی نہیں وہبی ہے، لیکن علمی پس منظر سے اسے روشنی ضرور ملتی ہے" — "ان کے کلام میں سادگی اور معصومیت کے ساتھ غزل کا بانکپن بھی پایا جاتا ہے، ان کے اکثر غزلیہ اشعار میں حلاوت اور ہلکی سی نغمگی کا احساس ہوتا ہے" — "غلام مہدی راز کی غزلوں میں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں ان کے شریفانہ جذبات احساسِ جمال کی مٹھاس میں گھل کر نہایت محتاط اور استفہامیہ انداز بیان میں وارداتِ قلب کی عکاسی کرتے ہیں"۔

'متاعِ غم' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجموعہ کی اشاعت کے وقت مہدی صاحب کے پیش نظر تصنیف وتالیف کے کئی منصوبے تھے جیسے 'یونانی طب اور دوسرے علوم'، 'حکایتِ جنوں (ایک عاشق کی ڈائری)'، 'مکاتیبِ خرد (ایک مشرقی دوشیزہ کے خطوط)' مگر یہ پورے نہیں ہو سکے، اس کی وجہ کچھ تو یہ ہوئی کہ مشغولیات کے باعث ان کی تکمیل ممکن نہیں ہو سکی، ساتھ ہی ان منصوبوں کے تشنۂ تکمیل رہ جانے کے پیچھے کچھ مصلحتیں بھی رہی ہیں۔

'متاعِ غم' کے ایک طویل عرصہ بعد ۱۹۸۶ء میں غزلوں، نظموں اور ایک گیت پر مشتمل دوسرا

شعری مجموعہ 'درد کا صحرا' منظر عام پر آیا، یہ نظامی پریس، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ پھر تقریباً ۲۳ برس بعد 'موجِ عرفاں' کے نام سے حمد، نعت، قصائد، منقبت، سلام اور قطعات پر مشتمل مجموعہ ۲۰۰۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ حکیم سید غلام مہدی کا شعری سفر بچپن سے جاری ہے۔ غالبؔ، مومنؔ، انیسؔ اور دبیرؔ جیسے استاد شعراء کے ناموں سے اسی عہد سے ان کے کان مانوس تھے۔ انہوں نے جس عمر میں شعر گوئی شروع کی ہے، اس میں شعر فہمی کی صلاحیت بھی بمشکل پیدا ہو پاتی ہے۔ دراصل جس زمین سے ان کا تعلق ہے اور جس ماحول میں انہوں نے پرورش پائی ہے، وہاں کے ہر ذرے میں شعر و ادب کا خمیر شامل ہے اور فضائیں علم و ادب کی خوشبو سے معمور ہیں۔ نوگانوا جو مہدی صاحب کا آبائی وطن ہے، یہ ادب کی ایک ایسی بستی ہے جہاں شعر و شاعری جیسی چیزیں کھیل اور تفریحی مشاغل کا حصہ ہوتی ہیں۔ مہدی صاحب کو موزونیٔ طبع اور ذوقِ جمال کا عطیہ فطرت سے ملا تھا، گرد و پیش کے ماحول نے ان جواہر قدرت کو شاعرانہ روپ دے دیا، چنانچہ بچپن ہی سے وہ شعر کہنے لگے اور ادبی نشستوں میں شرکت کرنے لگے۔ رازؔ انہوں نے تخلص اختیار کیا، وہ علامہ سید جواد اصغر ناطقؔ نوگانوی سے کلام پر اصلاح لیتے تھے، ان سے اپنے تلمذ کی نسبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مجھے ہے فخرِ تلمذ جنابِ ناطقؔ سے جہانِ شعر میں اے رازؔ باوقار ہوں میں

شاگرد کی طرح استاذ کے لیے بھی یہ رشتہ باعثِ افتخار تھا، اس لیے علامہ ناطقؔ کی خواہش تھی کہ ان کے متفرق کلام کو ان کا یہ قابل فخر شاگرد ہی مرتب کرے، مہدی صاحب نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی وفات کے بعد ان کے کلام کو ترتیب دیا، یہ 'زمزمۂ کن فیکون' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ کا ایک حصہ سوانحی اور تاثراتی مضامین پر مشتمل ہے، جو ان کے احباب، تلامذہ اور معاصر ادباء نے لکھے ہیں۔

حکیم سید غلام مہدی کو قلق تھا کہ طب پر ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، ان کے اس ملال کی کسی قدر تلافی 'جگرِ لخت لخت' سے ہو جاتی ہے۔ یہ ان مقالات اور مضامین کا مجموعہ ہے جو کانفرنسوں اور سیمناروں میں پڑھے گئے ہیں یا رسائل و جرائد میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ اس میں شامل بیشتر مضامین طبی موضوعات، خصوصاً تاریخ طب سے متعلق ہیں، کچھ مضامین نیم طبی اور نیم ادبی نوعیت کے ہیں اس لیے کہ ان میں طب و ادب دونوں کے رنگ شامل ہیں۔ پروفیسر اختر الواسع نے 'پیش گفتار' میں زبان و بیان کی شستگی اور شگفتگی کی بھرپور تحسین کی ہے، ان مضامین کے مطالعہ کے دوران، واقعی یہ

خوبی نمایاں وصف کے طور پر محسوس ہوتی ہے۔

ترجمہ نگاری ایک ایسا عمل ہے، جس کے لیے ایک سے زیادہ زبانوں سے واقفیت اور ان کے ادبی ولسانی اسلوب سے آگہی کے ساتھ کسی قدر تخلیقی شعور کی بھی ضرورت ہے، ان محاسن کے بغیر ترجمہ نگاری کے تقاضوں سے کماحقہٗ عہدہ برا ہونا ممکن نہیں۔ حکیم سید غلام مہدی اس مشکل رہگزر کو بسہولت عبور کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں، اس سے ان کی لسانی مہارت اور زبان پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر 'آئینۂ آفتاب' کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ دراصل پروفیسر حامد الگار کی تصنیف A Brief Biography of Imam Khumaini کا اردو جامہ ہے، اس میں امام خمینی کے سوانحی حالات اور شخصیت کے اہم گوشوں خصوصاً انقلابِ ایران کے حوالہ سے ان کی مساعی کا تذکرہ ہے، یہ ترجمہ شستگی اور سلاستِ بیان کے باعث حکیم غلام مہدی کی طبع زاد تحریر معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک اور نمونہ 'فارسی ادب کی جھلکیاں' کے نام سے ملتا ہے، اس میں فارسی زبان وادب کی ارتقائی تاریخ کا تذکرہ ہے، گرچہ اس کا وافر حصہ علی اصغر حکمت کی کتاب "Glimpses of Persian Literature 1985" کے ترجمہ پر مشتمل ہے، تاہم کچھ حصہ تالیفی نوعیت کا بھی ہے، یہ حکیم سید غلام مہدی کی ترجمہ نگاری کے ایک نمونہ کے ساتھ، فارسی زبان وادب سے ان کے تعلقِ خاطر کا عمدہ اظہار بھی ہے۔

حکیم سید غلام مہدی کی علمی وسعتوں کی پیمائش کی جائے تو اس میں زبان وادب کا حصہ دوسرے عناصر کے مقابلہ میں بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ اصناف ادب میں شاعری سے ان کا مزاج زیادہ مانوس تھا، یہ انسیت محض رسمی نہیں تھی بلکہ ان کے خمیر میں رچی بسی تھی۔ حکیم سید غلام مہدی کا شعری پیکر کافی وسیع تھا، انہوں نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی، مگر غزلوں میں ان کی طبیعت کی روانی بہتر صورت میں نظر آتی ہے۔ ایک اچھی شاعری کی خوبی ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد دیر تک قاری کے ذہن پر اس کا تأثر اور زبان پر ترنم رہے۔ مہدی صاحب کے کلام میں بہت سے ایسے اشعار ملتے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد گنگنانے کی خواہش ہوتی ہے، یہاں ایسے ہی کچھ منتخب اشعار تحریر کیے جارہے ہیں۔

سخت جانی تھی مرے قلب وجگر کی ورنہ
درد تو درد تھا ہر حال میں ہوتا ہی رہا (متاعِ غم)

تمہاری آرزو مجموعۂ اضداد ہے شاید
سکوں بخشے کبھی دل کو کبھی رہ رہ کے تڑپائے (متاعِ غم)

جناب شیخ کی آمد ہے باعثِ تقدیس
اٹھو اٹھو مے و مینا کا اہتمام کرو (متاعِ غم)

دل کی حالت کسی کو کیا معلوم
لذتِ درد کوئی کیا جانے (متاعِ غم)

کون سمجھے گا رازِ ہستی کو
زندگی رآز ایک معما ہے (متاعِ غم)

دنیا کا ہر فریب بنام خلوص تھا
ہم نے فریب کھائے بڑی سادگی کے ساتھ (دردکاصحرا)

لب پہ ایک تلخ تبسم کے سوا کچھ بھی نہیں
درد میرا اُنہیں محسوس ہوا ہو جیسے (دردکاصحرا)

رآز جس نے بھلا دیا مجھ کو
اب بھی اکثر وہ یاد آتا ہے (دردکاصحرا)

ضبطِ غم کی عادت ہے دل دعائیں دیتا ہے
اس کو غم نہ ہو کوئی جس نے درد بخشا ہے (دردکاصحرا)

سکوتِ شب میں تنہائی کے لمحے
مکینِ لامکاں ہے اور میں ہوں (دردکاصحرا)

کبھی ناقوس کا شورِ مسلسل
کبھی صوتِ اذاں ہے اور میں ہوں (دردکاصحرا)

تنہائیوں کا زہر تو پہلے بھی کم نہ تھا
وہ آگئے تو اور بھی دو آتشہ ہوا (دردکاصحرا)

ابنِ آدم ہی غمِ زیست کا محرم ٹھہرا
اور یہ بارِ گراں کس سے سنبھالا جائے (دردکاصحرا)

جیسے دنیا کے حوادث نے صدا دی مجھ کو
کاش اس طرح کبھی تم نے پکارا ہوتا (دردکاصحرا)

فارسی ادبیات میں حکیم سید غلام مہدی رازؔ کی گراں قدر خدمات کا حکومتی سطح پر یہ بڑا اعتراف ہے کہ ان کو اس میدان میں بیش قدر کاموں کے لیے صدارتی توصیفی ایوارڈ برائے ۲۰۱۶ء کے لیے منتخب کیا گیا۔ حکیم سید غلام مہدی راز نے ۷۶ر برس کی عمر میں بروز پنجشنبہ ۲۹ر ستمبر ۲۰۱۶ء کو دہلی میں وفات پائی اور اپنے آبائی قصبہ نوگانواں سادات میں مدفون ہوئے۔

•••

حکیم مرزا افاضل بیگ

مطبع افتخار دہلی سے ''طبِ یوسفی'' کا جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کے سرِ ورق پر جلی حروف میں ''مترجمہ سرآمدِ حکماء حکیم مرزا امیر بیگ'' لکھا ہے۔ حالانکہ یہ ترجمہ حکیم مرزا امیر بیگ کے صاحبزادہ حکیم مرزا افاضل بیگ کا ہے۔ اس کی وضاحت ترجمہ کے تمہیدی کلمات سے ہوتی ہے، جو درج ذیل ہیں۔

''الحمد للہ یہ کتاب لاجواب طبِ یوسفی، جو زبدۃ الحکماء یوسفی بن محمد یوسف کی تصانیفِ بے عدیل سے بزبانِ فارسی مروج و مرجع خلائق تھی، لیکن کم استعداد والے فارسی خواں عموماً اور اردو خواں خصوصاً اس کے مطالعہ اور فوائد سے مجبور تھے، اب اکثر احباب کی درخواست کے مطابق حسبِ ایماء لالہ جنگلی مل کتب فروش دہلی، بندۂ خاکسار مرزا افاضل بیگ خلف اصغر جناب زبدۃ الحکماء حکیم مرزا امیر بیگ صاحب دہلوی مرحوم و مغفور سابق ملازم ریاست پٹیالہ نے سلیس با محاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا تاکہ ہر خاص و عام اس سے مطالب حاصل کر سکیں''

مذکورہ اقتباس سے اصل صورتِ حال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس ترجمہ کی ایک اشاعت مفیدِ عام اسٹیم پریس آگرہ سے عمل میں آئی ہے، اس میں بطور مترجم حکیم مرزا افاضل بیگ ہی کا نام درج ہے۔

•••

حکیم فخر عالم

حکیم فخر عالم بن بدرالدین متوطن موضع بھور مئو (تکیہ)، ضلع اعظم گڑھ۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء کو ولادت ہوئی۔ مکتب دوم سے فضیلت تک کی تعلیم مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ سے حاصل کی۔ اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس (۱۹۹۹ء) اور ایم ڈی علم الادویہ (۲۰۰۳ء) کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بالترتیب ایک ایک برس لکچرر، یونانی اکسپرٹ اور میڈیکل آفیسر رہا۔ ۱۴ر جولائی ۲۰۰۶ء سے سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے وابستگی ہے۔ طبی تاریخ اور مطالعۂ مخطوطات علمی دلچسپیوں کے خاص مجال ہیں۔ درج ذیل تالیفات وتصنیفات اور تراجم کے علاوہ شائع شدہ مقالات اور مضامین کی تعداد سو کے قریب ہے، تخمینہ کے مطابق ستر قومی وبین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمناروں میں شرکت کی ہے۔

۱۔ عکسِ خامہ: یہ حکیم سید ظل الرحمان کے رشحاتِ قلم کا تعارفی مطالعہ ہے، جو ۲۰۰۸ء میں ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ سے شائع ہوا ہے

۲۔ حکیم سید ظل الرحمان: ایک مطالعہ: یہ تالیف حکیم سید ظل الرحمان کی شخصیت اور ان کے علمی وفنی کاموں کے تعارف پر مبنی ہے۔ یہ ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ رازیٔ ہند پروفیسر حکیم محمد طیب: یہ پروفیسر حکیم محمد طیب کی شخصیت اور کارناموں پر لکھے گئے مشاہیر کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ الحکمہ فاؤنڈیشن، نئی دہلی سے ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا ہے۔

۴۔ نشانِ اجمل: آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج، قرولباغ حکیم اجمل خاں کی سب سے اہم طبی یادگاروں میں ہے۔ اس کی اہمیت کا اس سے بھی زیادہ قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ماضی میں یہ کالج اجملی فکر کا مرکز ومحور رہا ہے۔ اس کی تاسیس ۱۹۱۶ء میں ہوئی تھی، ۲۰۱۶ء میں اس کے قیام کو سو برس ہو چکے ہیں، اس مناسبت

سے کالج سے متعلق کچھ بے حد اہم اور نادر دستاویزوں کو مرتب کر کے 'نشان اجمل' کے نام سے مجموعہ کی شکل دی گئی ہے۔ راقم نے یہ کتاب حکیم محمد فضیل کے اشتراک سے مرتب کی ہے۔ یہ کتاب آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج قرولباغ کی تاریخ کے سلسلے میں ایک اوریجنل اور معتبر ماخذ ہے۔

۵۔ اردو طبّی مترجمین: اس میں ۱۱۵ طبّی مترجمین کے احوال و کوائف، علمی خدمات، خصوصاً طبّی تراجم سے متعلق ان کے کاموں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ متعلقہ موضوع پر یہ پہلی منضبط کوشش ہے۔ اس میں اردو ترجمہ نگاری کے آغاز سے اب تک کے چھوٹے بڑے جتنے مترجمین ہیں، تقریباً ان سبھی کا احاطہ ہے۔

۶۔ یونانی طب کا مغل اور برطانوی عہد: یہ مغل اور برطانوی عہد سے متعلق یونانی طب کی علمی و فنی تاریخ کا تحقیقی مطالعہ ہے۔ یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کی درخواست پر لکھی گئی ہے۔

۷۔ ہندوستان کی طبّی درس گاہیں: یہ طبّی درس گاہوں کی مبسوط تاریخ ہے۔ ۱۸۵۷ء سے اب تک ہندوستان میں یونانی طب کے جتنے تعلیمی ادارے قائم ہوئے ہیں، ان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ یہ کتاب ۲۰۱۶ء میں آل انڈیا یونانی طبّی کانفرنس کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

۸۔ کتاب الی اغلوقن: یہ جالینوس کی ایک اہم تالیف ہے، جوامع الاسکندرانین کے ایک حصہ کے طور پر مدرسہ اسکندریہ کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ راقم نے اس کی تہذیب وتدوین اور اردو ترجمہ کا کام انجام دیا ہے۔

۹۔ علل الاعضاء الباطنہ: اس کا شمار بھی جالینوس کی تالیفات میں ہے، یہ بھی جوامع الاسکندرانین کا حصہ ہے اور مدرسہ اسکندریہ کے نصاب میں شامل رہی ہے، راقم نے متعدد خطی نسخوں کی مدد سے اس کی تہذیب وتدوین کر کے مدونہ متن کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

۱۰۔ کتاب الجدری والحصبہ: یہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی نہایت اہم تالیف ہے۔ راقم نے اردو زبان مین اس کا ترجمہ کیا ہے۔

۱۱۔ رسالہ درخواص ومنافع ادویہ: ادویہ مفردہ کے افعال وخواص پر نجیب الدین سمرقندی کے مخطوطہ کا اردو ترجمہ ہے (زیر طبع)

۱۲۔ رسالۂ خضاب: راقم نے حکیم سید کرم حسین کے اس رسالہ کے ترجمہ کے ساتھ اس میں مختلف قرابادینوں سے خضاب کے نسخوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

۱۳۔ نقوش اجمل: مورخہ ۱۲، ۱۳ فروری ۲۰۱۶ء کو حکیم اجمل خاں انسٹی ٹیوٹ فار لٹریری اینڈ ہسٹاریکل ریسرچ اِن یونانی میڈیسن اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے حکیم اجمل خاں کی شخصیت اور کارناموں پر دو روزہ سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں پیش کیے گئے مقالوں کی راقم نے انسٹی ٹیوٹ کے رفقاء کے تعاون سے تدوین وتہذیب اور جمع وترتیب کا کام انجام دیا ہے۔

۱۴۔ اسٹینڈرڈ یونانی ٹریٹمنٹ گائڈ لائن فار کامن ڈیزیز: یونانی طب کے نقطۂ نظر کی روشنی میں امراض کی ماہیت، اسباب وعلامات، اصولِ علاج اور علاج کو سمجھنے کے لئے ایک مختصر مگر جامع تالیف کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی نے اس منصوبے کو روبہ عمل لانے کی ذمے داری لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو تفویض کی۔ راقم نے حکیم وسیم احمد اعظمی اور حکیم بلال احمد کے اشتراک سے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ اس کا حصۂ اول سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ حصۂ دوم اشاعت کے مرحلے میں ہے، توقع ہے کہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گا۔

●●●

حکیم فدا محمد خاں

حکیم فدا محمد خاں کے خاندان میں طب اور طبابت کی قدیم روایت ملتی ہے۔ ان کے والد حکیم محمد یوسف خاں اور دادا حکیم غلام حسین خاں شاہ جہاں آبادی اپنے عہد کے سربرآوردہ طبیبوں میں تھے۔ حکیم فدا محمد خاں مہاراجہ رنبیر سنگھ (وفات ۱۸۸۵ء) فرمانروا ریاست جموں وکشمیر کے قائم کردہ دارالترجمہ سے وابستہ تھے۔ حکیم ولی اللہ لکھنوی اور حکیم نورالدین قادیانی بھیروی بھی دارالترجمہ کے وابستگان میں تھے۔ اس دارالترجمہ کا شمار ان اہم اداروں میں ہے، جن سے اردو زبان میں ترجمہ نگاری کے سلسلے کو فروغ حاصل ہوا ہے، پنڈت گنیش کول اس دارالترجمہ کے ناظم تھے۔

اس دارالترجمہ کے قیام کا اہم مقصد یہ تھا کہ مغربی علوم کو اردو اور ریاست کی دوسری زبانوں میں منتقل کیا جائے، نیز عربی و فارسی کی اہم تالیفات کے تراجم بھی اس کے مقاصد کا حصہ تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے بعد ان کے جانشین مہاراجہ سری پرتاپ سنگھ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے یہ دارالترجمہ بند ہو گیا۔ اب اس کا سارا ذخیرہ اورینٹل ریسرچ لائبریری، سری نگر میں رنبیر کلکشن کے نام سے محفوظ ہے۔ اس کلکشن کا بیشتر حصہ علمِ طب سے متعلق ہے۔ ان میں زیادہ تر انگریزی کتابوں کے ترجمے ہیں اور کچھ عربی و فارسی کتابوں کے تراجم بھی ہیں۔ اس میں شرح اسباب وعلامات مؤلفہ نفیس بن عوض کرمانی کا اردو ترجمہ بھی ہے۔ اسے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ایماء پر حکیم فدا محمد خاں نے انجام دیا ہے۔ یہ ترجمہ دو جلدوں پر محیط ہے۔ مترجم نے ایک طویل دیباچہ بھی لکھا ہے، جس میں اپنے کچھ حالات اور ترجمے کے بارے میں تفصیلات دی ہیں اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کی مدح سرائی کی ہے۔

شرح اسباب وعلامات کی درسی ونصابی اہمیت کے پیش نظر اردو زبان میں اس کے کئی ترجمے ہوئے

ہیں، ان سب میں حکیم فدا محمد خاں کا ترجمہ زمانی پہلو سے اولیت کا حامل ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱- ترجمہ کا فن اور روایت، مرتبہ ڈاکٹر قمر رئیس (مہاراجہ رنبیر سنگھ اوران کا دارالترجمہ از عبدالقادر سروری)، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، طبع ثانی ۲۰۱۳، ص ۳۱۰-۲۹۰

•••

حکیم فضل الرحمان

حکیم فضل الرحمان ٹونکی آیورویدک اینڈ یونانی طبی کالج دہلی میں استاذ تھے۔۱۹۲۰ء میں بحیثیت پروفیسر یہاں ان کا تقرر ہوا تھا۔مڈوائفری، ہائجین اور کیمیا جیسے مضامین جدیدہ کی تدریس ان کے ذمہ تھی۔وہ ایک اچھے استاذ کے ساتھ ،ایک اچھے معالج تھے، نیز تصنیف و تالیف اور صحافت کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔وہ 'رسالہ مسیح الملک' کے ایڈیٹر تھے۔ان کے قلمی آثار درج ذیل ہیں:

۱۔کتاب الباثولوجی

۲۔علم القابلہ

۳۔دہلی کے مشاہیر کے مطب

۴۔تجربات مسیح الملک

۵۔اصطلاحات ادویہ (اشاعت ۱۹۳۳ء)

۶۔تشخیصِ عملی مع مطب یونانی وڈاکٹری

۷۔مینول آف تھراپوٹکس اردو۔یہ ڈاکٹر ہوجز کی ہومیو پیتھ کی کتاب ''اے مینول آف تھراپوٹکس اکارڈنگ ٹو دی میتھڈ آف ہنی مین'' کا خلاصہ اور اردو ترجمہ ہے، جو محبوب المطابع، دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۸۔مجربات خاندان مسیح الملک یعنی اردو ترجمہ علاج الامراض: علاج الامراض مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی خاندانی بیاض ہے، اس میں حکیم شریف خاں اور دوسرے بزرگوں کے مجرب نسخے درج ہیں۔عام طور پر اس کی شہرت حکیم شریف خاں کی تالیف کی حیثیت سے ہے، خاندانی ورثہ کے بطور اس کی نقل شریفی

خانوادہ کے ہر طبیب کے پاس ہوتی تھی اور وہ اسے اپنے مطب پر استعمال کرتا تھا۔ جب اسے بھی اس میں بیان کی گئی منفعت کا مشاہدہ ہوتا تو وہ اس نسخہ کو نشان زد کر دیتا۔ حکیم فضل الرحمان نے علاج الامراض کی مختلف نقول سے ایسے نسخوں کو اردو زبان میں جمع کیا ہے۔ گویا یہ ترجمہ بھی ہے اور تالیف بھی۔ انہوں نے یہ کام طبیہ کالج کی مجلسِ منتظمہ کے ایماء پر انجام دیا ہے۔ یہ ہمدرد پریس، دہلی سے یکم دسمبر ۱۹۲۵ء کو شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ تاریخ علم الادویہ از حکیم سید محمد حسان نگرامی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء، ص ۲۹۰
۲۔ تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیر واسطی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۴ء، ص ۱۲۶
۳۔ فزیشین اینڈ آتھرس آف گریکو عرب میڈیسن، انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ، نئی دہلی، غیر مورخ، ص ۸۷

•••

حکیم محمد فضل اللہ

حکیم محمد فضل اللہ بن مولانا محمد عبداللہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ الگ الگ تحریروں میں ان کے نام کے ساتھ 'سید' اور 'صدیقی' دونوں لاحقے ملتے ہیں۔ وہ حنفی المسلک تھے اور ترجمہ و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اس سلسلہ کے ان کے درج ذیل کام ملتے ہیں:

۱- افضل المقال فی احوال اطباء الماضیہ والحال: یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔

۲- افضل الافادات فی تفریق المفردات وتوضیح الآلات: حکیم محمد فضل اللہ نے اسے عبدالستار خاں کے ایماء پر تالیف کیا تھا۔

مذکورہ دونوں رسالے مجموعہ کی صورت میں مطبع انصاری، لکھنؤ سے ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئے ہیں

۳- مخزن المفردات معروف بہ جامع الادویہ: ۲۸۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

۴- نسخۂ صحیحہ طب اکبر اردو: یہ حکیم محمد اکبر ارزانی کی مشہور تالیف 'طب اکبر' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے بارے میں مترجم کا دعویٰ ہے کہ لکھنؤ اور کان پور سے 'طبِ اکبر' کے جو ترجمے شائع ہوئے ہیں، ان میں غلطیوں کے ساتھ کچھ چیزیں چھوٹ بھی گئی ہیں، لہٰذا انہوں نے منشی گلاب سنگھ، پبلشر گورنمنٹ سررشتۂ تعلیم پنجاب کے ایماء پر یہ ترجمہ انجام دیا۔ مزید براں سدیدی، نفیسی، شرحِ اسباب، قانون اور دوسری کتب طبیّہ کی مدد سے حسبِ ضرورت مفید اضافے بھی کیے ہیں۔ اس ترجمہ کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ محمد عبدالعلی آسی (مصحح مطبع نظامی) نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ صحت کے پہلو سے بغایت اہتمام کی وجہ سے مترجم نے اسے 'نسخۂ صحیحہ طب اکبر اردو' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ ترجمہ مطبع منشی گلاب سنگھ، لکھنؤ سے ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا ہے۔

•••

حکیم منشی فضل حق تمکینؔ

لالہ سری رام لکھتے ہیں کہ حکیم منشی فضل حق تمکینؔ کے زیادہ سوانحی حالات نہیں ملتے۔ وہ چتلی قبر، دہلی میں رہتے تھے، کاپی نویسی کرتے تھے۔ ۱۸۷۴ء میں حیات تھے۔

منشی فضل حق شعروادب کا بھی ذوق رکھتے تھے، تمکینؔ ان کا تخلص تھا۔

نمونۂ کلام

بام پر شب جلوہ گر وہ غیرتِ مہتاب تھا	دیکھ کر اس کو قمر مثلِ کتاں بے تاب تھا
جب تصور میں ترے رویا میں اے یاقوت لب	اشک جو آنکھوں سے ٹپکا گوہرِ نایاب تھا
ہستی ہے اپنی تو تیرا وصل اے دریائے حسن	دل تڑپتا ہجر میں جوں ماہیٔ بے تاب تھا
دین وایماں صبر وطاقت کھو دیا سب عشق میں	کلبۂ تمکیںؔ میں یارو بس یہی اسباب تھا

طب مظہری:

یہ حکیم یوسفی بن محمد یوسف کی تالیف 'طبِ یوسفی' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں رسالۂ ستہ ضروریہ، رسالۂ دلائل النبض، رسالۂ دلائل البول، رسالۂ بحران، رسالۂ حفظ صحت بدن، رسالۂ ماکول ومشروب (موخرالذکر دونوں منظوم ترجے ہیں) اور مقطعات یوسفی کے تراجم بھی شامل ہیں۔ حکیم محمد فضل حق تمکینؔ نے مطبع نامی رائے بھوانی پرشاد کے مالکان وذمہ داران کے ایماء پر اسے انجام دیا ہے اور اپنے بیٹے محمد مظہر الحق کے نام پر اسے 'طب مظہری' سے موسوم کیا ہے۔ اس ترجمہ کا تاریخی نام 'اخیار الحکمت' ہے۔ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں یہ مطبع مذکور سے شائع ہوا ہے۔

طب مظہری کا سنہ تکمیل ۱۸۹۴ء ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی فضل حق اس وقت تک بہر کیف زندہ تھے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ طب مظہری [ترجمہ طب یوسفی]، مترجمہ حکیم منشی محمد فضل حق تمکین، مطبع نامی رائے بھوانی پرشاد، ۱۸۹۴ء، صفحۂ اول و آخر

۲۔ خمخانۂ جاوید (تذکرۂ ہزار داستاں)، جلد دوم، امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی، ۱۹۱۱ء، ص ۱۲۹

●●●

حکیم محمد فیروز الدین

بیسویں صدی کے اوائل میں طبی صحافت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں جو چہرے بہت نمایاں محسوس ہوتے ہیں، ان میں ایک اہم نام حکیم محمد فیروز الدین کا ہے۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخِ وفات کے سلسلے میں ۱۹۲۱ء اور جون ۱۹۲۲ء کا ذکر ملتا ہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۳۷ یا ۳۸ برس تھی، اس طرح ان کا سالِ ولادت ۱۸۸۴ء یا ۱۸۸۵ء ہوتا ہے۔ انہوں نے طب کی تعلیم اپنے بھائی حکیم احمد الدین (شارح موجز) سے حاصل کی تھی۔ حکیم محمد فیروز الدین کے والد حکیم علاء الدین بھی باکمال طبیب تھے۔ حکیم محمد فیروز الدین نے ۱۹۰۷ء میں ایک طبی رسالہ 'حکمت' کے نام سے جاری کیا تھا۔ وہ طبی حلقہ میں 'الحکیم' اور 'رفیق الاطباء' کے مدیر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ مجربات اور معمولات کی تلاش و تحقیق اور جمع و ترتیب ان کا ایک قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں 'رموز الاطباء' کی تالیف ان کے علمی مفاخر میں ہے۔ یہ مجربات کے مجموعہ کے ساتھ ایک معتبر طبی تذکرہ بھی ہے۔ معدن الاکسیر (در علم کشتہ جات) بھی ان کی ایک قابل ذکر تالیف ہے، یہ پہلی بار ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ ۲۰۰۷ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی باز اشاعت ہوئی ہے۔

ان کی ایک تالیف دواء الغرب یا قرابادین ڈاکٹری ہے۔ یہ پہلی بار دار الکتب رفیق الاطباء، لاہور سے ۱۹۱۳ء میں طبع ہوئی ہے۔

ایک مجہول الاسم قلمی کتاب کا اردو ترجمہ: اس ترجمہ کے متعلق حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں کہ ان کے ایک دوست جو نواحِ کشمیر میں ملازم تھے، انہیں طب کی قلمی کتابوں کا کافی شوق تھا، انہوں نے یہاں سے بہت سی بیاضیں جمع کی تھیں۔ جب انہیں زیر نظر بیاض ملی تو انہوں نے میرے

پاس بھیج دیا۔ یہ نامعلوم الاسم تھی اور اس پر اس کے لکھنے والے کا نام بھی نہیں تھا۔ تاہم اس کے مطالعہ سے اتنا ضرور اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے مؤلف کا تعلق کشمیر سے ہے، اس نے نہایت کدوکاوش سے ان نسخوں کو جمع کیا ہے۔ اس بیاض میں شامل ایسے نسخے جو مجرب اور آزمودہ تھے، انہیں منتخب کر کے ترجمہ کے بعد اس تالیف کی صورت میں نذر قارئین کر رہا ہوں۔ حکیم محمد فیروز الدین لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ ترجمہ ایک افغان کی مدد سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور سے غیر مورخ طبع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- مشاہیرِ طب یا تذکرۃ الاطباء حصہ دوم از حکیم سید سرفراز حسین، مرکزی کتب خانہ سمن آباد، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۱۳-۱۱۲

۲- ایک مجہول الاسم قلمی کتاب کا اردو ترجمہ از حکیم محمد فیروز الدین، مطبع رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور، غیر مورخ، ص ۶-۱

۳- رموز حکمت، مؤلفہ حکیم محمد عبدالرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس، گجرات، غیر مورخ، ص ۸۰۲-۸۰۱

۴- تاریخ طب کا علمی سرمایہ از حکیم سید محمد حسان نگرامی، نعمانی پرنٹنگ پریس لکھنؤ، ۲۰۱۶ء، ص ۸۷-۸۵

۵- نوائے طب وصحت (خصوصی شمارہ حکیم اجمل خاں نمبر)، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۷-۹۷

●●●

حکیم محمد قاسم دہلوی

حکیم محمد قاسم دہلوی ۱۹؍نومبر ۱۹۶۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک عظیم المرتبت علمی و دینی خانوادہ سے ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب شیخ جمال یمنی سے ملتا ہے۔ ان کے جد امجد مفتی کفایت اللہ دہلوی (وفات ۱۹۵۲ء) مدرسہ امینیہ دہلی اور جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں ہیں۔ جنگ آزادی میں ان کا قائدانہ کردار رہا ہے۔ حکیم محمد قاسم کے والد مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی (وفات ۱۹۸۷ء) مدرسہ امینیہ کے معماروں میں ہیں۔ 'کفایت المفتی' کے نام سے مفتی کفایت اللہ دہلوی کے مجموعۂ فتاویٰ کی ۹؍جلدوں میں ترتیب، ان کا اہم تالیفی کارنامہ ہے۔ لسانیات اور شعر و ادب کے میدان میں بھی ان کی گرانقدر خدمات ہیں۔

حکیم محمد قاسم کی ذہنی اور فکری نشو و نما روشن دینی اور ادبی ماحول میں ہوئی ہے۔ گھر کی یہ فضا ان کی تعلیم و تربیت کی اہم درس گاہ رہی ہے۔ خصوصاً عربی و فارسی کی بنیادی تعلیم انہوں نے اپنے والد اور بڑے بھائی مولانا انیس الرحمٰن قاسمی (موجودہ مہتمم مدرسہ امینیہ) سے حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۸۰ء میں اینگلو عربک سینئر سکنڈری اسکول سے بارہویں جماعت کا امتحان پاس کیا، یہاں انہوں نے دسویں جماعت تک عربی اختیاری مضمون کے طور پر پڑھی تھی۔ ۱۹۸۶ء میں آیورویدک اینڈ یونانی طبی کالج قرولباغ سے بی یو ایم ایس کی ڈگری حاصل کر کے مطب و معالجہ کو ذریعۂ معاش بنایا، ساتھ میں مزید تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۱۹۸۷ء میں ہمدرد طبی کالج آف فارمیسی سے ڈپلومہ کیا۔ زبان و ادب سے فطری لگاؤ کی وجہ سے دہلی یونیورسٹی سے ۱۹۹۰ء میں فارسی میں ایڈوانس ڈپلومہ اور ۲۰۰۰ء میں ایم اے عربی کی سند حاصل کی۔

حکیم محمد قاسم شعر و ادب سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ مغیث الدین فریدی اور قمر سنبھلی سے کلام پر

اصلاح لیتے ہیں۔ انہوں نے اردو اکادمی دہلی کی خواہش پر اپنے والد مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ دہلوی کی شخصیت اور فن پر ایک مونوگراف ترتیب دیا تھا، جو ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔ نیز مولانا واصفؔ دہلوی کی تالیفات 'اردو مصدر نامہ' اور 'مفتی اعظم کی یاد' کی ترتیب نو اور اشاعت، ان کے علمی ذوق کا مظہر ہیں۔

علاوہ بریں مولانا واصفؔ دہلوی کی ادبی، دینی اور تاریخی تحریروں، ان کی نظموں نیز ان کی شخصیت پر لکھے گئے مضامین کو بالترتیب 'مقالات واصفؔ'، 'انتخاب نظم واصفؔ' اور 'نذر واصفؔ' کے نام سے ترتیب واشاعت ان کے زیر تکمیل منصوبے ہیں

حکیم محمد قاسم کی طبی تحریروں میں متفرق مضامین کے علاوہ 'مسیح الملک حکیم اجمل خاں۔ شخصیت اور فن' کے نام سے ایک کتابچہ دہلی طبی کانگریس سے شائع ہوا ہے۔

۱۹راگست ۲۰۱۵ء کو مرکزی یونانی کونسل کے علمی تحقیقی ادارہ 'حکیم اجمل خاں انسٹی ٹیوٹ فار لٹریری اینڈ ہسٹاریکل ریسرچ اِن یونانی میڈیسن میں سینئر ریسرچ فیلو کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا ہے۔ اس ادارہ سے اپنی وابستگی کے اس مختصر عرصہ میں انہوں نے سید رضا حسن جعفری کی فارسی تالیف 'مجرباتِ رضائی' کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، توقع ہے کہ یہ جلد ہی شائع ہو کر منظر عام پر آجائے گا۔ اس وقت وہ حکیم جلال الدین امروہوی کی قرابادین جلالی کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔ ترجمہ کے لیے ان دونوں کاموں کی نشاندہی راقم حروف نے کی تھی۔

حکیم محمد قاسم ترجمہ وتالیف کی عمدہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر انہیں کونسل میں کام کرنے کا موقع ملے تو ان سے بہتر کاموں کی توقع ہے۔

•••

حکیم کاظم علی

حکیم کاظم علی کا شمار مشہور طبیبوں میں تھا۔ انہوں نے طب کی تعلیم حکیم علی حسین طبیب والی ریاست رام پور سے حاصل کی تھی۔ حکیم کاظم علی اپنی طبّی حذاقت کی وجہ سے ایک عرصہ تک مہاراجہ بلرام پور کے طبیب رہے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں کی تحریروں میں حکیم کاظم علی کا نام اردو طبّی مترجم کے طور پر ملتا ہے، مگر تلاش بسیار کے باوجود مجھے ان کا ایسا کوئی کام نہیں مل پایا، پھر بھی انہیں شامل تذکرہ کر رہا ہوں، تا کہ آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے پیش نظر ان کا نام بھی رہے، ممکن ہے وہ حکیم کاظم علی کے ترجمہ نگاری کے کسی کام تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ بستان المفردات از حکیم محمد عبد الحکیم، مطبع مجتبائی لکھنؤ، (طبع چہارم) ۱۹۰۸ء، ص ۱

•••

حکیم محمد کبیر الدین

ہندوستان کی علمی تاریخ میں صوبۂ بہار کو ایک اہم اور قدیم تعلیمی مرکز کا درجہ حاصل ہے۔ اس صوبہ کے ضلع مونگیر کا شمار مسلم مردم خیز اضلاع میں ہوتا ہے۔ حکیم محمد کبیر الدین بن شیخ جمال الدین اسی ضلع کے قصبہ شیخ پورہ میں ۱۳/اپریل ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۰۵ء میں صرف گیارہ برس کی عمر میں اپنے منجھلے بھائی حکیم محمد ظہور الدین کے ساتھ کانپور آ گئے۔ یہاں تقریباً دو برس رہ کر عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے کانپور کے اساتذہ میں مولانا عبید اللہ کانپوری اور مولانا احمد حسن کانپوری کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۹۰۷ء میں حکیم محمد کبیر الدین لکھنؤ آئے۔ یہاں کیننگ کالج میں مولانا عبد المجید فرنگی محلی سے بطور خاص اکتساب فیض کیا۔ لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں انہوں نے، اس وقت کے مشہور خوش نویس شمس الدین اعجاز رقم سے فن کتابت سیکھی۔ اپنے بھائی ظہور الدین کے ساتھ تکمیل الطب میں داخل ہوئے، لیکن یہاں کے نصاب اور طریقۂ تعلیم سے مطمئن نہ ہو کر ۱۹۰۹ء میں مدرسہ طبیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ اس وقت اس مدرسہ میں حکیم عبد الرشید رامپوری (استاذ کلیات)، حکیم عبد الرحمان پنجابی (استاذ معالجات)، حکیم عبد الرزاق پیر جی (استاذ تشریح)، ڈاکٹر امیر چند (استاذ مضامینِ جدیدہ) تدریس پر مامور تھے۔ ان مستقل اساتذہ کے علاوہ حکیم محمد احمد خاں اور حکیم غلام کبریا خاں، جز وقتی استاذ کے طور پر یہاں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ حکیم محمد کبیر الدین نے ان اساتذہ کے علاوہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں سے عملی طب کی تحصیل کی۔ انہوں نے یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ اس مدرسہ کے تحریکی اثرات بھی اخذ کیے تھے۔

مدرسہ طبیہ کی طالب علمی کے زمانہ میں حکیم محمد کبیر الدین نے حکیم اجمل خاں کے جو فکری اثرات قبول

کے حامی اور مبلغ تھے۔ حکیم اجمل خاں کے ان فکری اور تحریکی اثرات کو حکیم محمد کبیر الدین نے بدرجۂ اتم قبول کیا تھا۔ انہوں نے مدرسہ طبیہ سے جو ذہنی اور فکری تربیت حاصل کی تھی، زندگی بھر اس کی تبلیغ کرتے رہے۔

یونانی طب کو معاصر علمی اسلوب میں پیش کرنے کی غرض سے، طبی درس گاہوں میں جدید مضامین کی تعلیم کے سلسلے میں اردو زبان میں طب کی تعلیم، مغربی طب کے حصہ تشریح و جراحت کی یونانی نصاب میں شمولیت اور کیے تھے، اس کا نقش ان کی شخصیت پر تاحیات قائم رہا۔ اس زمانہ میں حکیم اجمل خاں یونانی طب کی اصلاح و تجدید

حکیم محمد کبیر الدین نے مدرسہ طبیہ سے فراغت کے بعد طبی علوم کی مزید تحصیل کے لیے لاہور کا قصد کیا اور وہاں سے زبدۃ الحکماء کی سند حاصل کی۔ حکیم محمد کبیر الدین نہایت ذہین طالب علم تھے۔ دلی اور لاہور دونوں جگہوں پر ان کا تعلیمی ریکارڈ نہایت شاندار رہا۔ مدرسہ طبیہ میں وہ یونانی مضامین میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے لیے شیو پرشاد بہادر میڈل اور جدید مضامین میں پہلی پوزیشن کے لیے شمس الاطباء میڈل سے نوازے گئے۔ جس سال حکیم محمد کبیر الدین، لاہور کے زبدۃ الحکماء کے امتحان میں شریک ہوئے تھے، اس سال اس امتحان میں کامیاب ہونے والے وہ اکیلے طالب علم تھے۔ انہیں اس کامیابی پر سرلوئی ڈین تمغہ سے نوازا گیا تھا۔

حکیم محمد کبیر الدین کو اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں درک حاصل تھا، حکمت و فلسفہ کا انہیں گہرا شعور تھا۔ یونانی طب کے قدیم مباحث کے علاوہ جدید طبی مضامین کی بھی وہ بصیرت رکھتے تھے۔ ان لسانی اور فنی علوم کی مجموعی معرفت کی وجہ سے طب کی علمی تحقیق (لٹریری ریسرچ) کا شعبہ ان کی شخصیت کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھا۔ اس شعبہ کی طرف ان کا طبعی میلان بھی تھا۔

لاہور میں زبدۃ الحکماء کی سند حاصل کرنے کے علاوہ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخل ہو کر عربی ادب کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اس دوران لاہور میڈیکل کالج میں آمد و رفت کا سلسلہ رہا، یہاں سے انہوں نے علمِ تشریح میں عملی مشق بہم پہنچائی۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں پنڈت ٹھاکر دت شرما کے یہاں ترجمہ و تالیف کے شعبہ میں ملازمت کرنے کے علاوہ شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی کے شعبۂ تالیف و تصنیف میں بھی ملازم رہے۔ پھر ملازمت سے سبکدوش ہو کر "فیض کبیر" کے نام سے مطب قائم کیا، یہاں علاج و معالجہ کے علاوہ فارغ اوقات میں طلبہ کو موجز، نفیسی، سدیدی، شرح اسباب اور قانونِ شیخ کا درس بھی دیتے تھے۔

لاہور میں قیام کے دوران انہیں علم ہوا کہ مسیح الملک کے ذہن میں یونانی نصاب تعلیم کی تیاری

سے متعلق ترجمہ وتالیف کی ایک اسکیم زیرغور ہے۔ حکیم محمد کبیرالدین نے اس شعبہ میں اہلیت کے ثبوت کے لیے شرح اسباب کا اردو ترجمہ کر کے مسیح الملک کی خدمت میں پیش کیا۔ ترجمہ کی ورق گردانی کے بعد مسیح الملک کا ارشاد ہوا:

''جدید تنظیم کے تحت ترجمہ وتالیف کا ایک صیغہ کھولا جارہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس شعبہ میں مؤلفِ اول کے طور پر کام کرو''۔

حکیم محمد کبیرالدین طبیہ کالج کے اس نئے شعبہ سے وابستہ ہوئے اور فنِ تمریض (تیمارداری کے اصول وقواعد) پر ایک کتاب کی تالیف کا کام ان کے سپرد ہوا۔

۱۶ر مئی ۱۹۱۷ء کو پیرجی حکیم عبدالرزاق کے انتقال کے بعد آیورویدک اینڈ یونانی طبی کالج دہلی میں تشریح کے استاذ مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں قدیم تشریح، عربی زبان میں اور جدید تشریح، انگریزی اصطلاحات کے ساتھ اردو زبان میں پڑھائی جاتی تھی۔ تشریح کی یہ دورنگی تعلیم، طلبہ کے لیے ذہنی انتشار کا موجب تھی۔ حکیم محمد کبیرالدین نے تشریحِ کبیر تالیف کر کے قدیم اور جدید تشریحی معلومات یکجا کر کے تشریح کی تعلیم کے لیے بڑی آسانی پیدا کردی۔ تشریح کبیر کی تالیف، طبی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے حکیم محمد کبیرالدین کا ایک بڑا کارنامہ ہے، انہوں نے اس کتاب کے ذریعہ جدید تشریحی اصطلاحات کی پابندی کے ساتھ طبی ترجمہ نگاری کا ایک اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔

طبیہ کالج دہلی سے وابستگی کے زمانہ کا ان کا ایک اہم کارنامہ دفتر المسیح کا قیام اور رسالہ المسیح کا اجراء ہے۔ یہ رسالہ ۱۹۲۱ء میں جاری ہوا اور آٹھ سال تک جاری رہنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں بند ہوا۔

دفتر المسیح کا شمار طبی کتب کے اہم اشاعتی اداروں میں ہوتا ہے۔ حکیم محمد کبیرالدین اس ادارہ کے ناظم اور حکیم عبدالواحد نائب ناظم تھے۔ ان کے علاوہ اور کئی حضرات اس ادارہ سے وابستہ تھے۔ مثلاً حکیم سید محمد یوسف نیر، حکیم محمد صدیق اور حکیم حبیب اللہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ حکیم محمد یحییٰ خاں پٹنہ، حکیم خواجہ رضوان احمد اور ڈاکٹر محمد عثمان کا بھی قلمی تعاون اس ادارہ کو حاصل رہا ہے۔ اس ادارہ سے شائع ہونے والی بیشتر کتابوں کی اصلاح، نظرثانی اور تنقیح کا کام حکیم محمد کبیرالدین کے ذریعہ انجام پایا ہے۔ اس ادارہ کے قیام سے اردو زبان میں طب کی نصابی کتابوں کی تیاری اور اشاعت میں بڑی مدد ملی اور اس ادارہ کی مساعی سے یونانی طب کا ایک جامع نصاب اردو میں تیار ہوسکا۔

حکیم محمد کبیرالدین کے نام سے منسوب، اس ادارہ کی مطبوعات کے سلسلہ میں علمی حلقہ میں بڑی

چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں اور ان کے نام سے ان کتابوں کے انتساب کے سلسلہ میں شک وشبہہ کا اظہار ہو رہا ہے مثلاً حکیم محمد مختار اصلاحی کسی قدر دبے لفظوں میں لکھتے ہیں:

''انہوں نے (حکیم کبیر الدین) عربی کتابوں کے تراجم اور طبی اصطلاحات میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ یہ کام ان کے لیے بہت آسان ہو گیا تھا، دوسروں سے کام لینے کا بھی انہیں بہت اچھا ملکہ تھا، اپنی نگرانی میں کئی اچھے ترجمے دوسروں سے بھی کروائے''۔

حکیم سید ظل الرحمان نے اس شبہہ کا اظہار بہت کھل کر کیا ہے ان کے مطابق اس ادارہ کی بیشتر کتابیں حکیم عبدالواحد کی تالیف کردہ ہیں اور اس ادارہ کی جو کتابیں مؤلف کے نام سے خالی ہیں یا جن پر صرف ''ناشر دفتر المسیح'' لکھا ہوا ہے، وہ سب حکیم عبدالواحد کے قلم کی رہین منت ہیں۔ حکیم وسیم احمد اعظمی اور حکیم برکت اللہ ندوی وغیرہ نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، ان لوگوں نے اپنے مقالوں میں کئی ایسے ناموں کی نشاندہی کی ہے، جن سے حکیم محمد کبیر الدین اپنے علمی کاموں میں تعاون لیا کرتے تھے۔

راقم کا خیال ہے کہ ادارہ المسیح، نشر واشاعت کے ساتھ ترجمہ وتالیف کا ادارہ بھی تھا، حکیم محمد کبیر الدین اس ادارہ کے سربراہ اور مہتمم تھے۔ ان کے زیر نگرانی ادارے سے وابستہ دوسرے ارکان، ادارہ جاتی کاموں کے ساتھ ترجمہ وتالیف کے کاموں میں حکیم محمد کبیر الدین کا تعاون کرتے تھے۔ حکیم محمد کبیر الدین، علمی رہنمائی کے ساتھ خود بھی ان کاموں میں شریک ہوتے تھے، لہٰذا ان کے نام سے اس ادارہ کے کاموں کا انتساب بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ آج کل علمی اداروں میں جاری پروجیکٹ کے کاموں کو ان کے انوسٹی گیٹر سے موسوم کرنے کا دستور ہے۔ حالانکہ پروجیکٹ میں انوسٹی گیٹر صرف نگرانی اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اصل کام انجام دینے والے دوسرے افراد ہوتے ہیں، مگر پروجیکٹ کے تمام کریڈٹ کا مستحق صرف Investigator ہوتا ہے، لہٰذا اس طرح کے کاموں کے سلسلہ میں حکیم محمد کبیر الدین کو پروجیکٹ آفیسر سمجھا جانا چاہیے۔

اردو زبان میں طبّی تعلیم کا منصوبہ حکیم اجمل خاں کا تھا، مگر اس کو عملی شکل وصورت عطا کرنے کا کام حکیم محمد کبیر الدین نے کیا۔ اس زمانہ میں آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج کے نصاب میں جو کتابیں رائج تھیں، ان سب کی ترتیب وتالیف کا کام حکیم محمد کبیر الدین نے یا تو خود انجام دیا تھا یا پھر ان کی تالیف ان کے زیر نگرانی انجام پائی تھی۔ چونکہ یہ کالج اس زمانہ کی طبّی درس گاہوں کے لیے مشعل راہ تھا، اس لیے اس عہد کے بیشتر اداروں میں یہ کتابیں رائج رہیں۔ آج بھی اساتذہ اور طلبہ ان کتابوں سے استفادہ

کر رہے ہیں۔

یونانی طب میں علمی تحقیق (لٹریری ریسرچ) اور قدیم طبّی مباحث کی تنقیح کے لیے حکیم اجمل خاں نے طبیہ کالج سے ملحق ایک ریسرچ کا محکمہ قائم کیا۔ اس شعبۂ تحقیقات کا اہم مقصد یہ تھا کہ طب کے ماہرین، قدیم نصاب پر جدید علوم کی روشنی میں تنقید و تنقیح کریں اور جدید تحقیقات کی روشنی میں طب کا ایک بہتر نصاب تیار کریں۔ اس شعبہ کے کاموں کے لیے حکیم اجمل خاں کی نظر انتخاب جن لوگوں پر پڑی، ان میں حکیم محمد کبیر الدین بھی تھے۔ حکیم اجمل خاں نے اس تحقیقی منصوبہ کے لیے ایک عہد نامہ پر حکیم فضل الرحمان، حکیم عبدالحفیظ، حکیم محمد الیاس خاں، حکیم محمد کبیر الدین اور سید ناصر عباس کے دستخط لیے تھے۔ حکیم اجمل خاں نے خود بھی اس عہد نامہ پر دستخط کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲/ جولائی ۱۹۲۶ء کا ہے۔

اس شعبہ کے قیام کے محض ڈیڑھ برس بعد حکیم اجمل خاں کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے ساتھ یہ شیرازہ منتشر ہوگیا، لیکن حکیم محمد کبیر الدین نے تن تنہا اس منصوبہ کے مطابق کام کو جاری رکھا۔ چونکہ اس کام کے محرک حکیم اجمل خاں تھے، لہٰذا حکیم محمد کبیر الدین کے تمام کاموں میں اجملی فکر کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔

حکیم محمد کبیر الدین نے یونانی طب کو اردو زبان میں پیش کرنے کے علاوہ، قدیم طبّی مباحث کو جدید اسلوب عطا کرنے کی کوشش کی اور جدید طب کی مصطلحات کو یونانی بیانوں سے منطبق کیا اور جدید طبّی معلومات سے طلبہ کو آشنا کرنے کے لیے طب کی درسی کتب میں انہیں شامل کیا۔ یہ کام بڑی جانفشانیوں کا طالب تھا۔ اس کام کے لیے عربی و فارسی سے واقفیت کے ساتھ جدید طب اور انگریزی کا شعور، نیز وضعِ اصطلاحات کی صلاحیت درکار تھی۔ حکیم محمد کبیر الدین اس مشکل کام سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

بعض جگہوں پر وضعِ اصطلاحات اور ان کی تطبیق میں حکیم محمد کبیر الدین سے غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہیں مثلاً سوء القنیہ کو فقر الدم قرار دے کر اسے Anaemia کہنا ایک صریح غلطی ہے، مگر ابتدائی کوششوں میں اس طرح کی خامیوں کے در آنے کا قوی امکان ہوتا ہے، لہٰذا ان کوششوں کی توصیف کی جانی چاہیے۔ تاہم اس طرح کے تمام کاموں کا تنقیدی اور تنقیحی جائزہ لینا بھی ضروری ہے تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔

حکیم اجمل خاں کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے حکیم محمد جمیل خاں سکریٹری منتخب ہوئے۔ ان کے

زمانۂ انصرام میں کالج اور اس سے ملحق دوسرے اداروں میں خاندان کے دوسرے لوگوں سے اقتدار کی رسہ کشی کے باعث بڑی بدنظمی رہی۔ ان حالات سے پریشان ہوکر کالج کے طلبہ نے ۱۹۳۲ء میں اسٹرائک کردی۔ حکیم محمد کبیر الدین اور کالج کے کچھ دوسرے اساتذہ مثلاً حکیم محمد الیاس خاں اور حکیم فضل الرحمان پر اسٹرائک کی پشت پناہی کا الزام عائد کرکے، انہیں کالج سے برطرف کردیا گیا۔ حکیم راجندر لال ورما ان حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مسیح الملک کے انتقال کے بعد طبیہ کالج تباہ ہوگیا، ہندوستانی دواخانہ برباد ہوگیا، محمود خاں کا خاندان خستہ حال ہوگیا۔ جو شریف منزل کسی دور میں دارالامن تصور کی جاتی تھی، یہاں پر بھی طلب اقتدار کی جنگ شروع ہوگئی۔ چنانچہ اس تباہی اور بربادی کے دور میں حکیم محمد کبیر الدین اور ان کے رفقاء جیسے خدمت گزاروں کی خدمت سے طبیہ کالج محروم ہوگیا''۔

حکیم محمد کبیر الدین، حکیم محمد الیاس خاں اور حکیم فضل الرحمان کا طبیہ کالج سے اخراج بظاہر ناخوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ ان کے اخراج سے طبیہ کالج کے تعلیمی نظام کو دھچکا بھی لگا۔ لیکن یہ اخراج دوسرے پہلو سے بڑا بابرکت ثابت ہوا اور ان کے اخراج سے طبی درس گاہوں کی فہرست میں ایک عمدہ ادارہ کا اضافہ ہوا۔ طبیہ کالج کی خدمت سے الگ کیے گئے ان تینوں اساتذہ نے ۱۹۳۵ء میں قرولباغ ہی میں جامعہ طبیہ کے نام سے یونانی طب کی ایک درس گاہ قائم کی۔ یہی ادارہ اب جامعہ ہمدرد میں فیکلٹی آف میڈیسن (یونانی) کے نام سے موسوم ہے۔

۱۹۳۷ء میں نظام حیدرآباد نے نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ پنجم کے ذریعہ ۱۸۹۱ء میں قائم طبی مدرسہ کو کالج کی شکل عطا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حکیم مقصود علی خاں اس وقت ناظم سررشتۂ طبابت یونانی تھے۔ انہوں نے شفاخانہ اور مدرسہ طبیہ کی تنظیم میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مدرسہ طبیہ کو نظامیہ طبیہ کالج تک پہنچانے میں ان کی کوششیں نہایت قابلِ قدر ہیں۔ انہی کی تحریک پر ہندوستان کے مختلف حصوں سے کالج اور صدر شفاخانے کے لیے اطباء بلائے گئے۔ حکیم محمد کبیر الدین اور حکیم فضل الرحمان جامعہ طبیہ دہلی سے نظام کی دعوت پر حیدرآباد گئے۔ حکیم مقصود علی خاں نظامیہ طبیہ کالج کے صدر منتخب ہوئے اور حکیم محمد کبیر الدین کو نائب صدارت تفویض ہوئی اور تعلیم کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ حکیم محمد کبیر الدین نے کالج کے نظامِ تعلیم کو بہتر بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا اور اجملی فکر کے طرز پر انہوں نے یہاں کے نصاب تعلیم میں بھی جدید طبی مضامین شامل کرکے حکیم اجمل خاں کی طبی نصاب کی

اصلاح اور تجدید کی تحریک کو شمالی ہند سے جنوبی ہندوستان تک پہنچا دیا۔

حکیم محمد کبیر الدین نے حیدر آباد کے زمانۂ قیام میں دفتر المسیح کے کاموں کو وہاں بھی جاری رکھا۔ اس وقت بازار نور الامراء حیدر آباد میں المسیح کا دفتر تھا۔

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک حکیم محمد کبیر الدین نے نظامیہ طبی کالج میں خدمات انجام دیں، یہاں ان کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حالات ناساز گار ہونے کے بعد وہ اس کالج سے الگ ہو گئے اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ مبذول کی۔ اپنی بعض کتابوں کی از سر نو ترتیب و تدوین کی۔ چنانچہ مباحث اخلاط پر ایک وقیع کتاب تالیف کرنے کے علاوہ شرح اسباب کے ضمیمہ پر نظر ثانی کی۔ نظام حیدر آباد نے ان کی طبی اور علمی خدمات سے متاثر ہو کر انہیں 'شہنشاہ تصنیفات' کے خطاب سے نوازا تھا اور ان کی تالیف کلیاتِ ادویہ پر توصیفی نوٹ تحریر کیا تھا۔

۱۹۵۷ء میں وہ بحیثیت ریڈر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اجمل خاں طبیہ کالج سے وابستہ ہوئے۔ یہاں انہیں امور طبعیہ کی تدریسی ذمہ داریاں تفویض ہوئیں۔ کلیاتِ طب میں انہیں مہارت حاصل تھی، کلیاتی مباحث کی توضیح و تشریح، جدید علوم خصوصاً منافع الاعضاء کی روشنی میں وہ اس خوبی کے ساتھ کرتے تھے کہ طالب علم کے تمام اشکالات رفع ہو جاتے تھے۔

حکیم محمد مختار اصلاحی لکھتے ہیں:

''امورِ طبعیہ ان کا اصل موضوع تھا۔ انہوں نے یہ موضوع دل کھول کر پڑھایا اور خوب دادِ تحقیق وصول کی، طلبہ اور اساتذہ دونوں کو ان کی یہاں موجودگی سے فیض پہنچا''۔

حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی لکھتے ہیں:

''انہیں طب کے شعبۂ کلیات سے خصوصی دلچسپی تھی، اسے انہوں نے جدید سائنس اور جدید طبی علوم کی روشنی میں جدید تحقیقی انداز میں پیش کیا اور اس مضمون کو منطق و فلسفہ کی گتھیوں سے نکھار کر سلاست و فصاحت کے ساتھ اردو زبان میں عربی اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا۔ یہ ان کا بڑا قابلِ قدر کارنامہ ہے''۔

حکیم محمد کبیر الدین اصلاً تصنیف و تالیف کے آدمی تھے، مگر وہ طبی تحریک سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۵۵ء کے درمیان کئی مرتبہ انہوں نے آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کی تقریبوں کی صدارت کی اور طبی کاز کے لیے آواز بلند کی، لیکن ان کا اصل میدان درس و تدریس اور تصنیف و تالیف تھا۔ غالباً اسی

لیے وہ مطب وغیرہ سے دور رہے۔ تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے میدان میں ان کی شخصیت کا اصل جوہر وہاں نظر آتا ہے جہاں انگریزی اصطلاحات کے مقابل انہوں نے آسان اور برمحل طبی اصطلاحات قائم کی ہیں۔ وضع اصطلاحات کے سلسلہ میں انہیں واقعی ملکہ حاصل تھا۔ حکیم عبدالحمید بانئ جامعہ ہمدرد ان کے تصنیفی وتالیفی کاموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''موجودہ صدی میں طب یونانی میں تصنیف وتالیف کی جو خدمت حکیم کبیر الدین نے انجام دی، اس کی مثال شاذ و نادر ملتی ہے۔ ان کی علمی خدمات کا دائرہ نصف صدی سے زیادہ پر محیط ہے۔انہوں نے طبی تراجم بھی کئے اور مختلف طبی موضوعات پر تصنیف وتالیف کے اعلیٰ کارنامے بھی انجام دئے۔ وضع اصطلاحات اور نصابی کتب کی ترتیب وتالیف نیز اشاعت کے میدان میں انہوں نے نمایاں کام کیا ہے''۔

حکیم اجمل خاں نے یونانی نصاب کے اصلاح کی جو تحریک شروع کی تھی، اسے عملی شکل عطا کرنے کا کام دراصل حکیم محمد کبیر الدین نے کیا، وہ زندگی بھر اس اجملی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے قلمی جہاد کرتے رہے۔

حکیم محمد کبیر الدین کے علمی کاموں کا اصل زمانہ ۱۹۴۷ء تک ہے۔ تقسیم کے بعد کسی قدر ان کا قلم سست گام ہو گیا تھا۔ اس کی اہم وجہ یہ رہی کہ تقسیم کے ہنگاموں میں ادارہ المسیح کو فسادیوں نے بڑا نقصان پہنچایا۔ اس ہنگامے میں بڑی تعداد میں ان کے مسودے ضائع ہوئے۔ سست گامی کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تقسیم کے بعد ادارہ المسیح کا عملہ بکھر گیا اور ان کے علمی معاونین اب ان کے ساتھ نہیں رہے۔ تقسیم کے بعد معاشی اور صحتی مسائل بھی ان کے علمی کاموں کی راہ میں حائل ہوئے، بہرکیف حکیم محمد کبیر الدین نے طبی دنیا کو اتنا کچھ دیا ہے کہ طبی برادری ہمیشہ ان کی ممنون رہے گی۔

عمر کے آخری ایام میں عرق النساء اور دمہ میں مبتلا رہے۔ ۸۲/ برس کی عمر میں ۹/ جنوری ۱۹۷۶ء بروز جمعہ دہلی میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔

درج ذیل کتابیں حکیم محمد کبیر الدین کی قلمی یادگار ہیں۔ اس فہرست میں شامل کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی تالیف حکیم محمد کبیر الدین کی نگرانی میں ادارہ المسیح کے ارکان نے انجام دی ہیں اور حکیم محمد کبیر الدین نے ان کی اصلاح و تصحیح کی ہے۔

فہرست کتب

۱ اصول حمیات: طبعِ اول ۱۹۳۳ء، طبعِ دوم دفتر المسیح، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۲ء

۲ رسالہ غاشیہ غامیہ: ترجمۂ کبیر سے حمی معویہ اور حمی ہذیانیہ کو الگ کر کے رسالہ کی شکل دے دی گئی ہے یہ دفتر المسیح حیدر آباد سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے۔

۴ حمیاتِ اجامیہ

۵ ترجمۂ کبیر۔ شرح اسباب کا ترجمہ، حصۂ اول

۶ ترجمۂ کبیر۔ شرح اسباب کا ترجمہ، حصۂ دوم

۷ ترجمۂ کبیر۔ شرح اسباب کا ترجمہ، حصۂ سوم

۸ ترجمۂ کبیر۔ شرح اسباب کا ترجمہ، حصۂ چہارم

(یہ تراجم پہلی بار ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان کی اشاعت ہفتم ۱۹۴۹ء میں دفتر المسیح حیدر آباد کے زیر اہتمام عمل میں آئی ہے۔)

۹ حمیاتِ قانون حصۂ اول: طبع اول ۱۹۲۹ء

۱۰ حمیات قانون حصۂ دوم

(یہ ترجمہ مولوی ہبۃ اللہ، حکیم محمد یوسف نیر اور حکیم محمد عبدالواحد نے کیا ہے۔ حکیم محمد کبیر الدین نے اس کی تہذیب و تنقیح کی ہے۔)

۱۱ تدابیر دق

۱۲ رسالۂ ناصور و باسور

۱۳ رسالۂ وبال ونکال

۱۴ زاد غریب مخزن التعلیم (اردو ترجمہ) مترجمہ حکیم محمد عبدالواحد، نظر ثانی از حکیم محمد کبیر الدین۔ برقی جید پریس، دہلی ۱۹۲۷ء/ ۱۳۴۵ھ

۱۵ ترجمہ و شرح کلیات نفیسی حصۂ اول: طبعِ اول، ۱۹۳۵ء

۱۶ ترجمہ و شرح کلیاتِ نفیسی حصۂ دوم

۱۷ ترجمۂ نفیسی، علم الادویہ حصۂ اول

۱۸ افادۂ کبیر (قانون شیخ کا خلاصہ موجز القانون کا ترجمہ)

۱۹	ترجمۂ نفیسی، علم الادویہ حصۂ دوم	جید پریس دہلی ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء
۲۰	افادۂ کبیر مجمل (اردو ترجمہ وشرح موجز القانون)	
۲۱	افادۂ کبیر مفصل	
۲۲	موجز القانون (عربی وار دو ترجمہ)	
۲۳	ترجمہ وشرحِ کلیاتِ قانون، حصۂ اول	
۲۴	ترجمہ وشرح کلیاتِ قانون، حصۂ دوم	
۲۵	کلیات کے مباحث ضروری	(نفیسی واقسرائی کے اہم مضامین)
۲۶	کتاب الاخلاط	باز اشاعت سی سی آر یو ایم، نئی دہلی ۲۰۰۹ء
۲۷	رسالہ قارورہ (طب قدیم سے)	
۲۸	طبِ یونانی کی پہلی کتاب	
۲۹	برہان براہین قاطعہ	
۳۰	رسالہ مسماع الصدر	
۳۱	رسالہ مقیاس الحرارت	
۳۲	طبِ قدیم وجدید کی معرکۃ الآراء علمی جنگ	
۳۳	کتاب التشخیص، حصۂ دوم	
۳۴	رسالہ جراثیم وطب قدیم	
۳۵	رسالہ جراثیم اور طبیعت	
۳۶	کتاب الادویہ تکملہ حصۂ اول	
۳۷	مخزن المفردات المعروف بہ خواص الادویہ	
۳۸	بیاضِ کبیر، حصۂ اول	
۳۹	بیاضِ کبیر، حصۂ دوم	مرکبات ادویہ
۴۰	بیاضِ کبیر، حصۂ سوم	صیدلہ ودواسازی
۴۱	منافعِ کبیر	منافع الاعضاء
۴۲	رسالۂ نبض	اصول تشخیص (نبض)
۴۳	دوران خون اور طبِ قدیم	مطبوعہ جید برقی پریس دہلی، ۱۹۲۶ء

۴۴ علاج الامراض، حصہ اول

۴۵ علاج الامراض، حصہ دوم

۴۶ مجموعۂ کبیر مسمیٰ بہ قانونِ نسل

۴۷ تشریحی تصاویر

۴۸ تشریحِ صغیر، حصہ اول

۴۹ تشریحِ صغیر، حصہ دوم

۵۰ تشریحِ صغیر، حصہ سوم

۵۱ تشریحِ کبیر، حصہ اول

۵۲ تشریحِ کبیر، حصہ دوم

۵۳ رسالہ اسمائے امراضِ اول

۵۴ رسالہ اسمائے امراض دوم

۵۵ رسالہ بحران

۵۶ رسالہ اخلاط

۵۷ رسالہ سم الفار

۵۸ رسالہ کچلہ

۵۹ الاکسیر

۶۰ معالجات امراضِ نسواں

۶۱ القابلہ

۶۲ صدری مجربات

۶۳ القرابادین

۶۴ ترجمہ علاج الامراض

۶۵ علم الجراحت

۶۶ امراضِ صبیان

۶۷ عملِ احتقان (انجکشن کے طریقے)

۶۸ کتاب التکلیس

۶۹ فرہنگ طبی

۷۰ لغات کبیر، حصہ اول (لغات اصطلاحات طبیہ) طبع اول، دہلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۳۹ھ

۷۱ لغاتِ کبیر، حصہ دوم

۷۲ تشریحی اصلاحات

۷۳ طبی لغاتچہ

۷۴ رسالہ اوازن طبی مع فہرست دار الکتب المسیح

۷۵ منافعِ کبیر محبوب المطابع دہلی، طبع اول ۱۹۲۰ء

۷۶ ارمغان: حکیم محمد کبیر الدین نے یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۴۵ء میں لکھا تھا۔ یہ ۱۹۵۴ء میں حکیم سید محمد صالح (پٹنہ) کے مالی تعاون سے جید پریس دہلی سے شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ حکیم محمد کبیر الدین۔ حیات اور کارنامے، شائع کردہ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۳۳-۳، ۹۰-۸۵

۲۔ تذکرہ اطباءِ عہد عثمانی از حکیم شفا حیدر آبادی، صحیفہ پریس، حیدر آباد، ۱۹۵۲ء، ص ۲۶۲-۲۵۰

۳۔ تاریخ اطباءِ بہار از حکیم محمد اسرار الحق، لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۹-۱۱۵

۴۔ ہندستان کے مشہور اطباء از حکیم حافظ سید حبیب الرحمان، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۳-۲۰۹

۵۔ دلی اور طبِ یونانی از حکیم سید ظل الرحمان، اردو کادمی، دہلی، اشاعت ثانی ۲۰۱۱ء، ص ۳۴۳-۳۴۱

۶۔ ہسٹری آف یونانی میڈیسن ان حیدر آباد از حکیم ابوالحسن اشرف، شائع کردہ ڈاکٹر احمد اشرف میموریل لائبریری فار میڈیکل اینڈ کانٹمپوریری سائنسز، حیدر آباد، ۲۰۱۰ء

●●●

حکیم سید علی کوثر چاند پوری

حکیم سید علی کوثر چاند پوری ۸/ اگست ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ طب کی تعلیم مدرسہ آصفیہ طبیہ بھوپال سے حاصل کی، یہاں سے فراغت کے بعد ریاست بھوپال کے صیغۂ طبابت سے وابستہ ہوئے، ایک عرصہ تک مضافات کے شفاخانوں میں خدمت کے بعد صدر یونانی شفاخانہ میں مامور ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں ملازمت سے سبکدوشی کے بعد 'کوثرِ صحت' کے نام سے بھوپال میں مطب قائم کیا۔ ۱۹۶۴ء میں حکیم عبدالحمید کی دعوت پر دہلی آئے اور ہمدرد نرسنگ ہوم میں میڈیکل سپر نٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ ۱۳/ جون ۱۹۹۰ء کو دہلی میں وفات پائی اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

کوثر چاند پوری کے خاندان میں طب اور طبابت کا سنہری سلسلہ ملتا ہے، ان کے دادا حکیم سید منصور علی بھی پیشۂ طبابت سے وابستہ تھے، والد حکیم سید علی مظفر اعلیٰ پایہ کے طبیب گزرے ہیں، برادر بزرگ حکیم سید علی اکبر آزاد حاذق معالج اور صاحب تصنیف تھے، انہوں نے اپنے عہد کے طبی رسائل وجرائد میں پابندی سے لکھنے کے علاوہ 'سلطان المعالجین'، 'رسالۂ دق' اور 'رسالۂ طاعون' جیسی یادگاریں چھوڑی ہیں، برادر خرد حکیم سید علی معطرؔ مستند طبیب اور ادبی ذوق کے حامل تھے۔ کوثر چاند پوری کے بزرگوں کا اصل وطن ضلع بجنور (اتر پردیش) کا قصبہ سیوہارہ تھا، مگر ان کے والد نے چاند پور میں شادی کے بعد یہیں سکونت اختیار کر لی، اسی نسبت سے وہ اپنے نام کے ساتھ چاند پوری کا لاحقہ استعمال کرتے تھے اور اسی سے مشہور ہوئے۔

کوثر چاند پوری کی شخصیت میں تخلیقی عنصر بہت نمایاں تھا، شعر وشاعری، افسانہ نویسی، ناول نگاری، انشائیے، تنقید، تحقیق وتاریخ اور ادبِ اطفال جیسے متنوع شعبہ ہائے ادب ان کی دلچسپیوں کے مجال

تھے۔لیکن مظفر حنفی کے مطابق ان کا میدان تخصیص افسانہ تھا،اس کا ثبوت ان کی کہانیوں کے تقریباً ڈیڑھ درجن مجموعے ہیں۔حنفی نے کوثر چاند پوری کے مختصر افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے جہاں بعض کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے وہیں زبان و بیان پر قدرت،تشبیہات کی اختراع،منظر کشی،جزئیات نگاری کی کھل کر داد دی ہے۔

کوثر چاند پوری نے افسانوں کے علاوہ سترہ ناول،دو رپورتاژ اور بچوں کے لیے پچیس تیس کتابیں تصنیف کی ہیں۔ان کے تنقیدی شعور سے آگہی کے حوالہ سے 'دیدہ و بینا'، 'دانش و بینش' اور 'فکر و شعور' اہم ذرائعِ معلومات ہیں۔پروفیسر عتیق اللہ لکھتے ہیں:

> ''جس گہری سنجیدگی اور ذمہ داری سے انہوں نے تنقید لکھی ہے اس کا تقاضا ہے کہ کم از کم اردو تنقید کی تاریخ میں ایک حوالہ کے طور پر انہیں جگہ ملنی چاہئے۔''

'جہانِ غالب' کا شمار غالب شناسی کے حوالوں میں ہے،اس میں غالب کی زندگی،شخصیت اور فن کا احاطہ کیا گیا ہے اور 'بیرم خاں ترکمان' میں کوثر چاند پوری نے بیرم خاں کی غیر معمولی سوجھ بوجھ،عسکری حکمتِ عملی اور خطر پسندی کے علاوہ علوم وفنون کے ایک بڑے قدر داں کے طور پر اس کی شخصیت کے کئی دل نواز پہلوؤں کی پردہ دری کی ہے۔کوثر چاند پوری کے متنوع علمی وادبی کمالات کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سید اعجاز حسین لکھتے ہیں:

> ''لفظ حکیم اپنے مروجہ مفہوم کے ساتھ کوثر چاند پوری کی قبائے شخصیت پر اتنا تنگ ہے کہ باوجود اپنی نمایاں اور قابلِ قدر خصوصیات کے پوری طرح ان کے جوہرِ حکمت کو سامنے نہیں آنے دیتا، ازروئے حقیقت ان کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے مروجہ مفہوم سے گزر کر لغات کی وسیع النظر چشمِ بینا سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے۔''

طب کے تعلق سے کوثر چاند پوری کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں اس کے علمی اور عملی دونوں شعبوں میں دستگاہ حاصل تھی،وہ ایک اچھے مصنف کے علاوہ ایک ماہر طبیب اور معالج بھی تھے۔تاہم یہ شکایت کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے طب سے زیادہ اردو ادب کو وقت دیا،حالانکہ تقاضا اس کے برعکس تھا۔ کہا جاسکتا ہے طب اور طبابت سے ان کا پیشے کا لگاؤ تھا اور ادب سے ذوق کا،اسی لیے ان کی علمی ترجیحات میں طب کی حیثیت ثانوی رہی اور اسے کم حصہ ملا،اس کے باوجود طب پر ان کے اتنے کام ہیں،جن کی بنیاد پر عام حالت میں کسی شخص کو ایک بڑے مصنف کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے۔'موجز القانون'، 'الدق یا تدقیق الکوثر'، 'محسنِ اطفال'، 'رسالہ آتشک'، 'قدح کبریٰ'، 'دستور العمل'، 'طب قدیم میں دوسرے علوم کی

آمیزش' وغیرہ ان کی طبی یادگاریں ہیں، مگر ان سب میں ان کا بیش قدر کارنامہ 'اطبائے عہدِ مغلیہ' ہے، اسے طب کے تاریخی سرمایہ میں ایک خوشگوار اضافہ کا مرتبہ حاصل ہے، اس کی تالیف اس طرح ہوئی کہ کوثر چاند پوری نے 'ہمدرد صحت' میں مغلیہ عہد کے طبیبوں پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، یہ واقعہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء کا ہے، پھر نظر ثانی اور کچھ اضافوں کے بعد اسے انہوں نے مرتب کر کے کتابی صورت دے دی، جو ۱۹۶۲ء میں ہمدرد اکیڈمی کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ حکیم عبدالحمید نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

> ''عام کتب تاریخ میں سے مواد نکالنا آسان کام نہیں ہے، یہ کام وہی شخص بہتر طور پر کر سکتا ہے جو بیک وقت طبیب بھی ہو اور تاریخ کا صحیح ذوق بھی رکھتا ہو اور پھر حاصل شدہ مواد کو دلکش انداز میں پیش کرنے کے لیے ادیب بھی ہو، کوثر چاند پوری کی ذات میں یہ تینوں صفات ایک خاص امتزاج کے ساتھ جمع ہیں، اسی لیے اطباءِ عہدِ مغلیہ جیسی مفید اور دلچسپ کتاب کا وجود میں آنا ممکن ہوگیا''۔

تذکرہ و تاریخ کے حوالہ سے کوثر چاند پوری کا ایک قابلِ ذکر کام 'حکیم اجمل خاں' بھی ہے، اسے انہوں نے دہلی کے زمانۂ قیام میں انجام دیا تھا، یہ ۱۹۷۳ء میں نسیم بکڈپو، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ اس کا شمار سلسلۂ اجملیات کی اہم کڑیوں میں ہے، اس میں حکیم اجمل خاں کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ان کی شاعری پر مبسوط تنقیدی تبصرہ ہے اور حکیم اجمل خاں کی خاندانی تاریخ کو بڑے تحقیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں کے سامنے یہ ایک اہم مرجع رہی ہے، جس سے انہوں نے کسبِ مواد میں مدد لی ہے۔

کوثر چاند پوری کی مختلف الجہات علمی شخصیت کا ایک پہلو ترجمہ نگاری بھی ہے۔ 'لوامع شبّریہ فی علاج امراض البشریہ'، حسین بن عبداللہ حسنی مصطفوی معروف بہ شبّر کاظمی کی تالیف ہے، یہ معالجات کے بیان میں ہے اور ۲۸ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں شبّر کاظمی نے ابجدی ترتیب پر امراض کے اسباب و علامات اور معالجات کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے مجربات بیان کیے ہیں۔ کوثر چاند پوری نے شبّر کاظمی کی فارسی زبان میں اس تالیف کو اردو جامہ عطا کیا ہے، جو دارالکتب رفیق الاطباء، لاہور سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا ہے، یہ ۵۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ لوامع شبّریہ کی اشاعت کے وقت یہ اطلاع شائع ہوئی تھی کہ سید اسماعیل جرجانی کی کتاب 'المباحث العلائیہ والاغراض الطبیہ' کا بھی کوثر چاند پوری نے اردو ترجمہ کیا ہے، جو عنقریب اشاعت پذیر ہوگا۔ یہ شائع ہوا یا نہیں اس سلسلہ میں متضاد رائیں ہیں۔ عام طبّی حلقہ میں کوثر چاند پوری

ہے۔اول الذکر دونوں تراجم جو کوثر چاند پوری کے اوریجنل ورک کہے جا سکتے ہیں۔ یہ اب دستیاب نہیں ہیں، انہیں باز اشاعت کے ذریعہ منظرِ عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ تذکرۂ اطباءِ عصر از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ، ۲۰۱۰ء، ص ۲۹۲-۲۸۵

۲۔ طب یونانی اور اردو زبان و ادب، مرتبہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی، جامعہ ہمدرد نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۸-۱۰۲

۳۔ اطباءِ عہد مغلیہ از حکیم کوثر چاند پوری، ہمدرد اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۴

۴۔ حکیم اجمل خاں از حکیم کوثر چاند پوری، نسیم بکڈپو لکھنؤ، ۱۹۷۳ء، ص ۱۲-۹

۵۔ لوامعِ شبّریہ فی علاج امراض البشریہ مؤلفہ شبّر کاظمی (مخطوطہ) مخزونہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۶۔ رموزِ حکمت از حکیم محمد عبدالرحیم جمیل، اقبال اسٹیم پریس، گجرات، غیر مورخ ص ۳۱۶

●●●

حکیم شیخ لیاقت حسین

حکیم شیخ لیاقت حسین بن حکیم سید محمد سیف اللہ قصبہ ہڑہا، ضلع اناؤ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے طب کی تعلیم اپنے چچا حکیم محمد فصیح الدین قادری حنفی (طبیب دارالشفا سلطانی، قیام ۱۸۳۲ء، بعہد نواب نصیر الدین حیدر شاہ) سے حاصل کی۔ پھر ان کے ایماء پر کان پور میں مطب شروع کیا اور اپنے عہد کے حاذق طبیبوں میں شمار ہوئے۔

معدن الشفاء سکندر شاہی: یہ بھوا بن خواص خاں کی تالیف ہے، اسے اس نے سکندر شاہ لودھی (۱۴۸۹ء-۱۵۱۷ء) کی فرمائش پر لکھا تھا۔ یہ کتاب ویدک مآخذ پر مشتمل ہے، فارسی زبان میں ہونے اور اس میں سنسکرت کی بکثرت مصطلحات کی وجہ سے ناقابلِ استفادہ ہو رہی تھی، اس لیے شیخ محمد عظیم اللہ (تاجرِ کتب، کانپور) نے حکیم شیخ لیاقت حسین سے اردو میں اس کا ترجمہ کروایا۔ یہ 'مجرباتِ طبِ اسکندری' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ ایک عرصہ سے ناپید تھا، ۲۰۰۹ء میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، نئی دہلی سے اس کی باز اشاعت ایک مستحسن قدم ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کونسل سے مطبوعہ نسخہ کے پیش لفظ میں اس کا مترجم حکیم نیاز علی کو لکھا ہے، حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی نے بھی حکیم نیاز علی کو اس کا مترجم لکھا ہے، اس اشتباہ کی وجہ یہ ہوئی کہ اردو ترجمہ کے وقت اس کے مترجم حکیم شیخ لیاقت حسین کے پیش نظر مطبع منشی نولکشور کا مطبوعہ نسخہ تھا، جو حکیم نیاز علی رئیس جالیسر کے مخزونہ نسخہ کی مدد سے شائع ہوا تھا۔

مطالعاتی ماخذ

۱- مجربات طب اسکندری (اردو ترجمہ معدن الشفا سکندر شاہی از بہوا بن خواص خاں) سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱، ۱۵، ۸۷۸

۲- تذکرۂ اطباء اودھ از حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی، ادارہ ادبیات دلی، ۲۰۰۸ء، ص ۲۸

۳- جہانِ طب، جلد ۵، شمارہ ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ص ۳۲-۸

•••

حکیم مولوی مرزا محمد مہدی

حکیم مولوی مرزا محمد مہدی بن مرزا محمد علی (صاحب نجوم السماء۔ تذکرۂ علماءِ شیعہ) ۲۹ ررمضان المبارک ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۱۸۶۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہیں ان کی نشو ونما اور تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہوئے۔ وہ عربی ادب اور معقولات کے متبحر عالم تھے۔ انہوں نے طب کی تعلیم حکیم شیخ محمد حسین سے حاصل کی تھی، جو لکھنؤ کے مشہور طبی خاندان حکیم بنّا سے تعلق رکھتے تھے۔ مرزا محمد مہدی کے مورثِ اعلیٰ مرزا محمد جعفر شیرازی شاہانِ اودھ کے زمانہ میں ایران سے براہ کشمیر لکھنؤ آئے تھے۔ مرزا محمد مہدی کے والد مرزا محمد علی صاحبِ اسرارِ نجوم تھے۔ وہ حلقۂ علماء میں قدر واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مرزا محمد مہدی کے چھوٹے بھائی مرزا محمد ہادی عزیز متبحر عالم اور بلند پایہ شاعر تھے۔

حکیم مرزا محمد مہدی کا مطب ایک طبی اسکول کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں وہ مطب و معالجہ کے ساتھ شائقین کو طب کا درس بھی دیتے تھے۔ ان سے استفادہ کرنے والے طلبہ کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ مطب کے سلسلۂ درس کو منظم کر کے 'معیارِ طب' کے نام سے ایک طبی مدرسہ کی شکل دی تھی۔ اس کے مصارف کی تکمیل وہ اپنی جیب سے کرتے تھے۔

حکیم مرزا محمد مہدی کے اندر تصنیف و تالیف اور ترجمہ نگاری کا بڑا صالح ذوق تھا۔ ان کے قلمی آثار میں ہر طرح کے نمونے ملتے ہیں جو عربی، فارسی اور اردو زبان میں ہیں، ان سے ان کے مجالِ قلم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ ترجمہ نگاری کے حوالہ سے ان کی ایک یادگار 'موضح القانون' ہے۔ یہ موجز القانون کا اردو ترجمہ ہے، اسے انہوں نے مطبع نامی لکھنؤ کی فرمائش پر انجام دیا تھا۔ یہ اس مطبع سے پانچویں بار ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ غالباً یہ ان کی پہلی قلمی کاوش ہے۔

شروح و حواشی اور تصنیف و تالیف کی شکل میں طب کے مختلف موضوعات پر ان کی درج ذیل کتابوں

کا ذکر ملتا ہے:

۱- حاشیہ کلیاتِ قانون

۲- تشریحاتِ قطبیہ

۳- رسالۂ تریاق صغیر

۴- رسالۂ تریاقِ کبیر

۵- رسالۂ تریاقِ اربعہ

۶- رسالۂ جنین

۷- تلخیص الطب

۸- علاج امراض: اس میں سر سے پیر تک کے امراض کا تذکرہ ہے

۹- الاثمار الاجنیہ: اس میں مرزا محمد مہدی نے ذاتی وخاندانی مجربات بیان کیے ہیں

۱۰- مجرباتِ مہدوی: حکیم سید ظل الرحمان لکھتے ہیں کہ یہ فارسی میں ہے اور قرابادینی نوعیت کی ہے جو دراصل بحر ذاخر، شمس التجارب اور افضل التجارب کا مجموعہ ہے، جب کہ یہ ۴۰ رصفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے اسے حکیم مرزا محمد مہدی نے خواجہ قطب الدین مالک مطبع نامی کے ایماء پر تالیف کیا تھا۔ یہ پہلی بار ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۱- الشذور الذہبیہ فی اسماء الکتب الطبیۃ (عربی)

۱۲- الدرۃ البہیہ فی خواص الادویۃ المفردہ (فارسی)

۱۳- احسن التجارب: یہ فارسی میں ہے، اس میں سر سے پیر تک کے امراض اور ان کے معالجات کا تذکرہ ہے۔

۱۴- شفاء الاسقام: ۳۶ رصفحے کا مختصر رسالہ ہے، اس میں مؤلف نے کچھ مجرب اور آزمودہ نسخے جمع کیے ہیں۔

مؤلف رموز الاطباء لکھتے ہیں کہ حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رموز الاطباء، جلد دوم، جو پہلی بار ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی، مرزا محمد مہدی کی وفات کا زمانہ اس کے آس پاس ہی ہے۔

مطالعاتی مآخذ

۱- رموز الاطباء، جلد دوم، مرتبہ حکیم محمد فیروز الدین، دار الکتب رفیق الاطباء، لاہور، طبع ثانی ۱۹۲۴ء، ص ۲۴۲-۲۳۸

۲- تذکرۂ اطباءِ اودھ، مؤلفہ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی، ادارہ ادبیات دلی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۴، ۱۷۲-۱۶۸

۳- قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین از حکیم سید ظل الرحمان، ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، اشاعتِ دوم، ۲۰۱۳ء، ص ۱۷۳-۱۷۲

•••

حکیم محمود احمد برکاتی

حکیم محمود احمد برکاتی کا تعلق ایک مشہو طبّی سلسلہ سے ہے، ان کے والد حکیم محمد احمد، دادا حکیم سید برکات احمد ٹونکی (۱۳۴۷ھ۔۱۲۸۰ھ) اور جد اعلیٰ حکیم سید شاہ دائم علی اپنے عہد کے عمائدین میں رہے ہیں۔ خود حکیم محمود احمد برکاتی نے پاکستان میں بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔ حکیم محمود احمد برکاتی اپنی اعلیٰ علمی و طبّی خدمات کے لیے جامعہ ہمدرد، پاکستان کی جانب سے ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری سے نوازے گئے۔ محمود احمد برکاتی کے اسلاف اصلاً میر نگر، ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے، مگر بغرض ملازمت ریاست ٹونک میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے دادا اور پردادا بالترتیب یہاں شاہی طبیب کے عہدہ پر فائز رہے۔ حکیم سید شاہ دائم علی، بہادر شاہ ظفر کے طبیبِ خاص اور وزیرِ سلطنت معتمد الملک حکیم احسن اللہ خاں کے شاگرد تھے۔

حکیم محمود احمد برکاتی اکتوبر ۱۹۲۶ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ الہٰ آباد بورڈ سے فاضل ادب (۱۹۴۱ء) اور مدرسہ معینیہ اجمیر سے فاضل دینیات (۱۹۴۳ء) کا امتحان پاس کیا۔ اجمیر کے زمانۂ قیام میں انہیں مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا محمد شریف اعظم گڑھی سے استفادے کا موقع ملا۔ مولانا محمد شریف، حکیم سید برکات احمد ٹونکی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ حکیم محمود احمد برکاتی نے ۱۹۴۴ء میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد آیورویدک اینڈ یونانی طبّی کالج دہلی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۸ء میں یہاں سے فاضل طب و جراحت کی سند حاصل کر کے ٹونک میں مطب و معالجہ سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔

حکیم محمود احمد برکاتی ۱۹۵۴ء میں کراچی چلے گئے، وہاں مطب و معالجہ اور تصنیف و تالیف ان کے خاص مشاغل تھے۔ انہوں نے کراچی میں اپنے دادا سے منسوب برکات اکیڈمی قائم کی تھی، اس میں نادر

مطبوعات اور مخطوطات کا اچھا ذخیرہ تھا۔ اس میں پانچ ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں۔

محمود احمد برکاتی کے درج ذیل طبی آثار کا تذکرہ ملتا ہے

۱- ترجمہ الاسباب والعلامات: یہ ترجمہ ۲۹۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

۲- کتاب الصیدنہ فی الطب۔ ابو ریحان بیرونی کی یہ تالیف ہمدرد اکیڈمی، کراچی سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ حکیم محمود احمد برکاتی اس کی تدوین میں بطور معاون شامل رہے ہیں۔

۳- برصغیر میں طبِ قدیم کا ارتقاء (غیر مطبوعہ)

۴- قرابادینِ برکاتی (غیر مطبوعہ)

رسائل وجرائد میں مختلف موضوعات پر مقالوں کے علاوہ مستقل تصنیف کی صورت میں ان کے غیر طبی آثار درج ذیل ہیں:

۱- نشانِ راہ (۱۹۵۵ء) ۲- سیرتِ فریدیہ (۱۹۶۴ء) ۳- معین المنطق (۱۹۶۷ء) ۴- اتقان العرفان فی ماہیت الزمان (۱۹۶۸ء) ۵- فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون (۱۹۷۵ء) ۶- شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان (۱۹۷۶ء) ۷- الروض الموجود فی تحقیق حقیقت الوجود (۱۹۷۷ء) ۸- آئینۂ افلاک (غیر مطبوعہ)، ۹- حیات شاہ محمد اسحاق دہلوی (۱۹۹۲ء) ۱۰- سفر وتلاش (۱۹۹۳ء- مجموعۂ مقالات) ۱۱- مولانا حکیم سید برکات احمد: سیرت وعلوم (۱۹۹۳ء) ۱۲- مولانا معین الدین اجمیری: کردار وافکار (۱۹۹۳ء) ۱۳- مولانا معین الدین اجمیری: تلامذہ کا خراج عقیدت۔

حکیم محمود احمد برکاتی بھی حکیم محمد سعید (بانی جامعہ ہمدرد، پاکستان) کی طرح پاکستان کی دہشت گردی کا شکار ہوئے۔ ۱۰ر جنوری ۲۰۱۳ء کو وہ حسبِ معمول اپنے مطب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دہشت گرد نے ان کے اوپر اندھا دھند گولیوں کی بوچھار کر دی، اس سے وہ موقع ہی پر جاں بحق ہو گئے۔ بروز جمعہ ۱۱ر جنوری ۲۰۱۳ء کو ان کی تدفین عمل میں آئی۔

حکیم محمود احمد برکاتی تاریخ طب کا ایک ضخیم انسائیکلو پیڈیا مرتب کر رہے تھے، جو تکمیل کے مرحلے میں تھا، مگر ان کی وفات سے یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ ان کے وارثین اور پاکستان کی طبی برادری کو اسے مکمل کر کے شائع کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ انہیں خراجِ عقیدت کی ایک اچھی صورت ہوگی۔

مطالعاتی مآخذ

۱- تاریخ اطبائے بہار، جلد دوم از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ،۱۹۸۴ء، ص ۲۸۸-۲۸۵

۲- تاریخ اطبائے بہار، جلد اول از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ،۱۹۸۰ء، ص ۲۰-۱۱

۳- طب اسلامی برصغیر میں، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۳۰

۴- ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، جلد ۲۳، شمارہ نمبر ۹، ستمبر ۲۰۱۲ء

۵- روزنامہ دنیا (پاکستان)، ۱۲ر جنوری، ۲۰۱۳ء

۶- ماہنامہ نظم کائنات، کراچی، مارچ ۲۰۱۳ء

•••

حکیم ابوالکلام مختار احمد مختارؔ

حکیم ابوالکلام مختار احمد مختارؔ، حکیم شاہ ظہیر احمد ظہیرؔی مخاطب بہ ظہیر العلماء بدایونی کے فرزند تھے، جن کی مختلف علوم وفنون میں ڈھائی سو کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں ہیں۔ وہ تاحیات تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ ان کا اصل وطن سہسوان تھا، مگر بدایوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی تربیت کے زیر اثر ان کے فرزند حکیم ابوالکلام مختار احمد کے اندر بھی قرطاس وقلم سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ 'معالجاتِ ظہیری' اسی کا اظہار ہے۔

معالجاتِ ظہیری: یہ 'طبِ یوسفی' مؤلفہ یوسفی بن محمد بن یوسف کا اردو ترجمہ ہے۔ یوسفی کا شمار مغل عہد کے اولین طبیبوں میں ہے۔ اس کی وجہ سے ہندوستان میں طبّی کتابوں کی تصنیف وتالیف کا خوشگوار آغاز ہوا ہے۔

'طبِ یوسفی' مختلف رسائل کا مجموعہ ہے۔ رسالۂ نبض، رسالۂ بحران، رسالۂ قارورہ، رسالۂ ماکول ومشروب، قصیدۂ حفظ صحت بدن، رسالۂ ستہ ضروریہ اور مقطعات یوسفی اس مجموعہ کا حصہ ہیں۔ حکیم ابوالکلام مختار احمد مختارؔ نے اپنے والد کی ترغیب پر اس مجموعہ کا فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کیا اور ان کے نام سے معنون کرتے ہوئے 'معالجات ظہیری' اس کا نام رکھا۔ اسے تاجرانِ کتب کشمیری بازار، لاہور نے ۱۹۲۰ء میں شائع کیا ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱- معالجات ظہیری (اردو ترجمہ طب یوسفی) از حکیم ابوالکلام مختار احمد، مطبوعہ کیکسٹن پرنٹنگ ورکس، لاہور، ۱۹۲۰ء، ص ۳-۱

•••

حکیم مسرور احمد

حکیم مسرور احمد کا آبائی وطن جمدا شاہی ضلع بستی، (یوپی) ہے۔ یہیں ۲۳/اپریل ۱۹۷۳ء (دفتری ریکارڈ کے مطابق یکم جولائی ۱۹۷۳ء) کو وہ پیدا ہوئے۔ مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین (جمدا شاہی) سے مکتب، حفظ قرآن اور عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم کے بعد کچھ دنوں دارالعلوم الاسلامیہ (بستی) اور مدرسہ شاہی (مراد آباد) میں رہ کر عربی وفارسی پڑھی۔ ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم، دیوبند سے دورۂ حدیث کر کے اجمل خاں طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۱ء میں بی یو ایم ایس کی سند حاصل کی۔ اس تعلیمی پس منظر کی وجہ سے وہ یونانی طب کا اچھا شعور اور عربی، فارسی اور اردو زبانوں کی عمدہ لیاقت رکھتے ہیں۔

حکیم مسرور احمد گزشتہ ایک دہائی (۲۰۰۴ء) سے طب کی عربی وفارسی کتابوں کے ترجمے میں مصروف ہیں اور اب تک تقریباً دس کتابوں کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ مگر یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ ترجمہ نگاری سے لمبی وابستگی کے باوجود اب تک بطور مترجم ان کی کوئی شناخت نہیں بن سکی ہے۔ مجھے ان کے کاموں اور صلاحیتوں سے واقفیت کا اتفاق ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ سے وابستگی کے زمانہ میں ہوا۔ یہ جان کر بے حد افسوس ہوا کہ اتنے کاموں کے باوجود وہ گم نام ہیں۔ دراصل جن اداروں کے لیے اُنھوں نے یہ ترجمے کیے، ان کے عوض اعزازیے اور مشاہرے کے نام پر ان کی جیب میں کچھ سکّے ڈال کر ان کی قیمت ادا کر دی گئی اور ناموں کا سہرا اداروں اور ان کے ذمہ داروں کے سر بندھ گیا۔ حکیم مسرور احمد نے جن طبّی کتابوں کے ترجمے کیے ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں ابن ہبل کی کتاب المختارات (مکمل) اور زکریا رازی کی کتاب الفاخر (جلد اول، جزء اول) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ ترجمے سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے شائع ہو چکے ہیں اور علمی حلقے میں بنظر استحسان دیکھے گئے ہیں۔

۲۰۰۹ء میں طبی کتابوں کے ترجمہ وتدوین کے لیے شعبۂ آیوش، نئی دہلی کی طرف سے ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ کو ایک پروجیکٹ تفویض کیا گیا تھا، اس کے تحت کئی تقرریاں عمل میں آئیں، حکیم مسرور احمد بحیثیت ایس آر ایف اس منصوبہ کا حصہ بنے۔ پروجیکٹ کی میقات پوری ہونے کے بعد بھی وہ اوران کے رفقاء، اکیڈمی سے بدستور وابستہ ہیں۔ اب ان لوگوں کے مشاہروں کی ادائیگی مولانا بدرالدین اجمل (عطریات کے مشہور تاجر اور صدر یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ، آسام) کر رہے ہیں۔ اکیڈمی کو جاری رکھنے میں مولانا کے مالی تعاون کا بڑا اہم حصہ ہے۔ یہاں کے ملازمین کے مشاہروں کے علاوہ وہ اس کے دوسرے کاموں کے لیے بھی اکثر مالی مدد دیتے رہتے ہیں۔ ستمبر ۲۰۰۹ء سے حکیم مسرور احمد اس اکیڈمی سے وابستہ ہیں، اس عرصہ میں انہوں نے یہاں کے علمی کاموں میں تعاون پیش کرنے کے علاوہ ترجمہ وتدوین سے متعلق جو کام کیے ہیں ان میں کتاب الفصد از ہبۃ اللہ بن تلمیذ خصوصاً قابل ذکر ہے، اس کے اردو ترجمے کے ساتھ اس کی تدوین وتہذیب کا کام بھی انہوں نے انجام دیا ہے۔ اس کے علاوہ طب فیروز شاہی (قلی شاہ)، رسالۂ حرارتِ غریزیہ (شمس الدین گیلانی)، شفاء الامراض، مجربات کرم حسین اور قرابادین کرم حسین (موخر الذکر دونوں حکیم سید کرم حسین کی بیاضیں ہیں) کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ رسالۂ حرارت غریزیہ کی فیکزی مل حکیم سید ظل الرحمٰن کے مقدمہ کے ساتھ مرکز تراث اسلامی، ایران سے شائع ہوئی ہے۔ دراصل مقدمہ لکھنے کے لیے ہی انہوں نے اس رسالہ کا ترجمہ کروایا تھا، مذکورہ تراجم میں سے 'شفاء الامراض' حکیم سید ظل الرحمٰن کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ بقیہ دوسرے تراجم ہنوز اشاعت کے مرحلہ میں ہیں۔ حکیم مسرور احمد نے گزشتہ دس برسوں میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی اور ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ کے لیے جو ترجمے کیے ہیں، سطور بالا میں ان کا اجمالی تذکرہ ہے، اس سے ترجمہ نگاری کے سلسلہ میں ان کی خدمات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

•••

حکیم سید محمد مصلح الدین

۱۹۶۹ء میں مرکزی کونسل برائے تحقیقات ہندوستانی طریقہ ہائے علاج اور ہومیوپیتھی (وزارت صحت، حکومت ہند) کے تحت اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ میں لٹریری ریسرچ یونٹ کا قیام عمل میں آیا۔ حکیم سید محمد مصلح الدین اس کے ابتدائی وابستگان میں تھے۔ ان کے سوانحی حالات اور علمی کاموں کے بارے میں بہت کم تفصیلات ملتی ہیں۔ حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی بتاتے ہیں کہ جب ۱۹۷۵ء میں وہ لٹریری ریسرچ یونٹ، علی گڑھ سے منسلک ہوئے تو اس وقت حکیم سید محمد مصلح الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔

آئینہ سرگزشت (سوانح شیخ الرئیس بوعلی سینا): یہ ابن سینا کے حالات زندگی سے واقفیت کا سب سے اہم ماٴخذ ہے۔ مشہور ایرانی محقق آقائی سعید نفیسی نے استنبول کے مخزونہ خطی نسخہ کو ایڈٹ کر کے اسے فارسی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ حکیم سید محمد مصلح الدین نے لٹریری ریسرچ یونٹ کے اپنے رفیق کار شبیر احمد خاں غوری کے اشتراک سے حکیم عبدالحسیب (پروجیکٹ آفیسر) کی نگرانی میں اسے اردو جامہ پہنایا ہے۔ یہ ترجمہ مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی، نئی دہلی سے پہلی بار ۱۹۸۰ء اور بار دوم ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے۔ ۱۹۹۹ء میں اس کا ہندی ترجمہ بھی شائع ہوا ہے، جس کے مترجم پروفیسر اختر الواسع ہیں۔

•••

شفاء الملک حکیم سید مظاہر احمد

شفاء الملک حکیم سید مظاہر احمد کا شمار بہار کی سر برآوردہ طبّی شخصیات میں تھا۔ صوبہ میں طبیہ کالج کے قیام کی تحریک میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ صوبائی حکومت سے کالج کی منظوری کے بعد اساتذہ کے انتخاب کے لیے ۲۶/جولائی ۱۹۲۶ کو پہلی سلیکشن کمیٹی ہوئی، اس وقت تدریسی عملہ کے لیے جن لوگوں کا انتخاب ہوا تھا، ان میں مظاہر احمد بھی تھے۔ وہ اصلاً چھپرہ کے رہنے والے تھے، یہیں ۱۳/دسمبر ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے، مگر ان کی زندگی کا بیشتر حصہ پٹنہ میں گزرا، یہاں محلہ بھکنا پہاڑی میں ان کی رہائش تھی۔

حکیم سید مظاہر احمد گورنمنٹ طبّی کالج کے دور اول کے اساتذہ میں ہیں، یہی اس کالج کا سنہری زمانہ ہے۔ وہ اس کالج سے تقریباً چوبیس برس وابستہ رہ کر ۳۰/جون ۱۹۵۰ء کو سبکدوش ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی بہار کے طبّی منظر نامہ پر ان کے وجود کو ایک نمایاں چہرہ کے طور پر محسوس کیا جاتا رہا۔ وظیفہ یاب ہونے کے بعد ۱۹۵۰ء میں وہ انجمن اطبائے بہار کے صدر اور ۱۹۵۷ء میں اسٹیٹ فیکلٹی آف آیورویدک اینڈ یونانی میڈیسن کے چیرمین منتخب ہوئے۔ ۲۲/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو وفات پائی۔ حکیم سید مظاہر نے بڑی فعال زندگی گزاری، وہ طبّی کاز کے لیے ہمیشہ سرگرم نظر آئے۔ ان کی طبّی خدمات کا یہ بڑا اعتراف ہے کہ ۱۹۴۳ء میں وہ شفاء الملک کے خطاب سے نوازے گئے، بجاطور پر وہ اس کے مستحق تھے۔

وہ نہایت وسیع المطالعہ تھے، ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا، اس میں نادر طبّی مطبوعات اور مخطوطات کا معتد بہ ذخیرہ تھا، ان کی وفات کے بعد یہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں منتقل ہوگیا۔ 'کتاب الادویۃ القلبیہ' کے ترجمہ کے وقت متن کے موازنہ کے لیے جو نسخے حکیم عبداللطیف فلسفی کے پیش نظر تھے، ان میں حکیم سید مظاہر احمد کا مملوکہ خطی نسخہ بھی شامل تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت

ضروری ہے کہ حکیم عبداللطیف فلسفی نے، حکیم سید مظاہر احمد کو ایک مقام پر حکیم سید مظاہر حسن اور دوسری جگہ حکیم سید مظاہر حسین لکھا ہے، غالباً سہو کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔

حکیم سید مظاہر احمد ترجمہ وتالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے، درج ذیل قلمی آثار ان کی یادگار ہیں۔

ا۔ ترجمۂ کلیاتِ قانون: یہ قانون ابن سینا کے امور طبعیہ والے حصہ کا ترجمہ ہے۔ یہ گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ کے نصاب میں داخل رہا ہے۔

۲۔ کلیات بول و براز: یہ شرح آملی کے حصۂ بول و براز کا ترجمہ ہے، یہ بھی مذکورہ کالج میں داخل نصاب رہا ہے، یہ پہلی بار ۱۹۳۱ء میں اور دوسری بار ۱۹۶۵ء میں انجمن خدام الطب گورنمنٹ طبی کالج، پٹنہ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔

مذکورہ تراجم کے علاوہ امراضِ اطفال سے متعلق ایک فارسی مخطوطہ بھی ان سے منسوب ہے۔ یہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں محفوظ ہے۔ دراصل یہ دو صفحے کا ایک نوٹ ہے، اس میں بچوں کے امراض سے متعلق کچھ نسخے لکھے ہوئے ہیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱- تاریخ اطباءِ بہار از حکیم محمد اسرار الحق، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۰ء، ص ۴۸-۴۷

۲- بہار میں یونانی طب کا ارتقاء از حکیم سید منظر احسن، پٹنہ لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۸۵ء، ص ۶۸-۶۷

۳- کتاب الادویۃ القلبیہ از ابن سینا، مترجمہ شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی، ایران سوسائٹی کلکتہ، ۱۹۵۶ء، ص ۶، ۳۱

•••

حکیم معراج الحق

حکیم معراج الحق بن محمد حبیب (پیدائش ۱۶ر فروری ۱۹۷۰ء) مترجمین کی نئی نسل میں بڑی عمدہ لیاقت کے مالک ہیں۔ مزاجی متانت کی طرح وہ زبان وادب کا صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں اور یونانی طب کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو سے کماحقہٗ واقف ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے وہ ترجمہ نگاری کے لیے نہایت موزوں ہیں، انہوں نے اس اہلیت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ جب وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم ڈی، علم الادویہ (۲۰۰۰ء) کے طالب علم تھے تو سی سی آر یو ایم، نئی دہلی کے لیے الحاوی فی الطب مصنفہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی جلد ۱۹، جلد ۲۱ (حصہ اول ودوم)، جلد ۲۲ (حصہ دوم) کا ترجمہ کیا تھا، اول الذکر دونوں جلدوں کے تراجم کونسل سے شائع ہو چکے ہیں، جب کہ ۲۲ویں جلد کا ترجمہ ابھی اشاعت کے مرحلہ میں ہے۔

حکیم معراج الحق نے اپنے آبائی وطن گردھیا، ضلع سدھارتھ نگر، (یوپی) کے مدرسہ ضیاء العلوم سے ابتدائی تعلیم کے بعد اسلامیات اور عربی درسیات کی تحصیل مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ) سے کی اور ۱۹۸۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔ یہاں ان کا شمار ممتاز طالب علموں میں تھا، طلبہ اور اساتذہ کی نظروں میں انہیں قدر ومنزلت کی حیثیت حاصل تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی ان کا شمار اچھے طلبہ میں رہا ہے۔

عمدہ فنی اور لسانی استعداد کی وجہ سے وہ ترجمہ نگاری کے میدان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں سے استفادے کے لیے سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے ان کی ملازمتی وابستگی (۲۰۰۶ء) کے بعد اس کا ایک اچھا موقع تھا، لیکن دفتری مشاغل کی وجہ سے ان کی یہ قیمتی صلاحیت نتیجہ خیز نہیں ثابت ہو پا رہی تھی۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ اپریل ۲۰۱۴ء سے ان کی خدمات کونسل کے لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں منتقل کر دی گئی ہیں، توقع ہے کہ اس کے مفید نتائج سامنے آئیں گے۔

•••

حکیم سید منور حسین لکھنوی

حکیم سید منور حسین کا وطنی تعلق لکھنؤ سے تھا۔ طبی حلقہ میں وہ 'غنیٰ منیٰ' کے مترجم کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کی زیادہ سوانحی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکیم سید محمد قاسم (مالک دواخانہ معدن الادویہ، لکھنؤ) کے متوسلین میں تھے۔

منہاج العلاج: 'غنیٰ منیٰ' کا شمار یونانی طب کی اُمہات الکتب میں ہے۔ اس کے مؤلف ابن سینا کے استاذ ابو منصور الحسن بن نوح القمری ہیں۔ حکیم سید منور حسین نے 'غنیٰ منیٰ' کو 'منہاج العلاج' کے نام سے اردو جامہ پہنایا ہے۔ یہ پہلی بار دواخانہ معدن الادویہ، لکھنؤ کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا۔ ۲۰۰۸ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی دوبارہ اشاعت ہوئی ہے۔ اشاعتِ اوّل میں عربی متن اور اردو ترجمہ متوازی صورت میں ایک ساتھ شائع ہوئے تھے، اشاعتِ ثانی میں متن اور اردو ترجمہ کو علاحدہ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

•••

حکیم محمد منور علی خاں

حکیم محمد منور علی خاں ولد محمد الہٰ داد خاں، مہاراجہ بھگوان سنگھ والیٔ ریاست نابھ کے یہاں میر منشی محکمۂ صدر کے عہدہ پر فائز تھے۔ پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی کے ساتھ طب سے بھی ان کی وابستگی تھی، اسے وہ کارِ خیر اور خدمتِ انسانیت کا وسیلہ تصور کرتے تھے۔ 'زمرد اخضر ویاقوت احمر' کا اردو ترجمہ اس کا اظہار ہے، یہ 'مجرب الامراض' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ 'زمرد اخضر ویاقوت احمر' حکیم عبدالعزیز بن ابی حفص احمد قرشی کی تالیف ہے۔ یہ مجربات کا نہایت شاندار مجموعہ ہے۔ عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے یہ ایک بڑے حلقہ کے لیے ناقابل استفادہ تھا۔ عبداللطیف لال دین محمد شاہ تاجرانِ کتب، لاہور کی فرمائش پر حکیم محمد منور علی خاں نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔ مزید براں اس میں بہت سے آزمودہ مفید نسخوں کا اضافہ بھی کیا اور ضروری مقامات کی توضیح وتشریح بھی کی۔ انہوں نے یہ ترجمہ مہاراجہ بھگوان سنگھ کے یہاں ملازمت کے زمانہ میں رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ مطابق جنوری ۱۸۶۸ء میں انجام دیا تھا، اسی مناسبت سے 'مجرب الامراض' اس کا تاریخی نام تجویز کیا تھا۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی نے غالباً ناموں کے تشابہ کی وجہ سے 'زمرد اخضر ویاقوت احمر' کے اردو ترجمہ کو حکیم محمد منور علی خاں کے بجائے حکیم سید منور حسین لکھنوی سے منسوب کر دیا ہے۔ مزید براں انہوں نے اس کے مؤلف کا نام حکیم عبدالعزیز حفیظ احمد قرشی لکھا ہے، جبکہ ان کا صحیح نام حکیم عبدالعزیز بن ابی حفص احمد قرشی ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ مجرب الامراض [اردو ترجمہ زمرد اخضر و یاقوت احمر] از حکیم محمد منور علی خاں، مطبع اسلامیہ، لاہور، ص ۳۱۴،۱

۲۔ ''اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں اردو طبی کتابوں کا حصہ'' از حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی، جہانِ طب، جلد ۵، شمارہ ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۱۲

●●●

حکیم نثار احمد علوی

حکیم نثار احمد علوی کی شخصیت بوقلمونیوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے. جس کی خصوصیت محض نیرنگیاں نہیں ہیں، بلکہ اس کا بڑا وصف یہ ہے کہ اس میں جتنے اوصاف ہیں وہ کمال کی صورت میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری میں صرف تنوع کا رنگ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں بھرپور انداز کی کیفیت بھی ہے۔طبی حذاقت کے ساتھ ادب کے مختلف شعبوں اور صحافت میں ان کی غیر معمولی مہارت سے، شخصیت کی جامعیت اور امتیازات کا پتہ چلتا ہے۔

حکیم نثار احمد علوی ۱۳ر فروری ۱۹۲۱ء کو کاکوری میں پیدا ہوئے، [۱،۲] یہ قصبہ اپنی مردم خیزی کے لیے ہمیشہ مشہور رہا ہے۔اس کے روشن علمی وادبی کارناموں کی ایک طویل تاریخ ہے،شاعری کے حوالہ سے محسنؔ کاکوروی اور نادرؔ کاکوروی کے اسماء اور نثر نگاری کے تعلق سے جعفر علی شیونؔ کا نام،صحافت میں سجاد حسین اور ظفر الملک علوی،لغت نویسی کے میدان میں نور الحسن نیرؔ اور شعبۂ تحقیق میں میر نذر علی دردؔ کے نام شہ سرخیوں میں لکھے جاتے ہیں،اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی علوی کا نام بھی ہے۔کاکوری کو علمی شناخت عطا کرنے میں یہاں کے جن خانوادوں کا بہت اہم حصہ ہے ان میں علوی خاندان سرفہرست ہے،نثار احمد علوی اسی خانوادہ کے فرد ہیں۔علم وادب کی طویل روایت سے قطعِ نظر طب اور طبابت سے تعلق کی بھی ان کے خاندان میں ایک سنہری تاریخ ملتی ہے۔ان کے والد حکیم بشیر علی علوی مستند طبیب تھے،وہ حکیم عبدالعزیز کے تلامذہ میں تھے۔نثار احمد علوی کے جدامجد حکیم مولانا حبیب علی اور جداعلیٰ حکیم مشتاق علی بھی مشہور طبیبوں میں تھے۔[۳] دادیہال کی طرح ان کے نانیہال میں بھی طبابت کی شاندار روایت ملتی ہے،ان کے نانا حکیم محبّ علی علوی نیرؔ اپنے دور کے جید عالم اور حاذق طبیب

تھے، انہیں طب و ادب کی یہ وراثت اپنے والد حکیم مشتاق علی مشتاق سے ملی تھی، جو ریاست آوا، ضلع ایٹہ (یوپی) میں سرکاری طبیب تھے[4] دادیہال اور نانیہال کے بزرگوں کی طب اور طبابت سے دیرینہ وابستگی کی یہ روایت ہی نثار احمد علوی کے لیے طبّی علوم کی تحصیل کی محرک بنی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۴۱ء میں اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں ڈی یو ایم ایس کی سند حاصل کی۔[5]

حکیم نثار احمد علوی نے علوم متداولہ کی تعلیم کانپور میں مدرسہ فیضِ عام اور حلیم مسلم کالج سے حاصل کی۔[6] اسلامی مدارس کی تاریخ میں مدرسہ فیض عام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۸۶۰ء/۱۲۷۷ہجری میں مفتی عنایت احمد کاکوروی نے اس کی بنیاد رکھی تھی، اسی مدرسہ میں ہندوستان کے علماء نے علامہ شبلی نعمانی کی تحریک پر ۱۸۹۲ء میں ندوۃ العلماء کی تشکیل کی تھی۔

حکیم نثار احمد علوی کی علمی کثیر الجہتی دیکھ کر اطبائے سلف کی یاد تازہ ہوتی ہے، انہوں نے طب، ادب اور صحافت میں اہم یادگاریں چھوڑی ہیں، اتنے اوصاف کے باوجود ہندوستان کے طبّی حلقے میں انہیں وہ پذیرائی نہیں ملی جس کے وہ حق دار تھے، اس کی کسی قدر وجہ بے التفاتی بھی رہی تاہم بڑی وجہ یہ ہوئی کہ یہاں کے طبّی اور ادبی حلقوں تک خاطر خواہ انداز میں ان کے کام نہیں پہنچ سکے، اس لیے کہ یہ زیادہ تر اس زمانہ میں انجام پائے جب وہ پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستانی مسلمانوں نے بڑی تعداد میں نقل مکانی کے ذریعہ وہاں کی سکونت اختیار کی، انہیں میں سے ایک حکیم علوی کا خاندان بھی تھا، سراج احمد علوی کے مطابق یہ واقعہ ۱۹۴۹ء کا ہے لیکن 'شب چراغ' میں ۱۹۴۸ء مرقوم ہے۔

حکیم نثار احمد علوی کی صلاحیتوں کے اصل مظاہر پاکستان میں دیکھنے کو ملتے ہیں، لیکن انہوں نے ذہنی تربیت اور فکری نشو و نما کے مراحل ہندوستان میں طے کیے، اس سلسلہ میں کانپور اور علی گڑھ کا بہت اہم حصہ ہے، خصوصاً ان کے ادبی اور صحافتی ذوق کی تشکیل و تعمیر میں کانپور کا زمانۂ قیام بڑا معاون رہا، یہاں انہوں نے نشور واحدی سے فارسی ادبیات کی تعلیم حاصل کی اور ان سے کسبِ فیض کر کے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو جلا عطا کی[7] اور مولانا اسماعیل ذبیح (صدر مدرس مدرسہ الٰہیات) کی صحبت میں رہ کر صحافت کے اسرار و رموز کی معرفت حاصل کی اور ان کی ادارت میں شائع ہونے والے 'قومی اخبار' سے ادارتی نکات کی باریکیاں سیکھیں اور عملی مشق حاصل کی۔ 'قومی اخبار' اجراء کے وقت (۱۹۳۵ء میں) ہفت روزہ تھا جو ایک برس بعد (۱۹۳۶ء میں) روزنامہ ہو گیا۔ یہ اتر پردیش کا کثیر الاشاعت اخبار تھا، اسی سے نثار احمد علوی کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔ اجمل خاں طبیہ کالج میں داخلہ سے پہلے وہ اسحاق علمی

(اسماعیل ذبیح کے برادر خرد) کے ساتھ 'قومی اخبار' میں کام کر چکے تھے پھر انہی کے ساتھ اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ میں داخلہ لے کر طب کی تعلیم حاصل کی، یہاں دونوں ہم سبق اور ہم کمرہ رہے۔ یہاں سے فراغت کے بعد دونوں نے مطب ومعالجہ کے بجائے 'قومی اخبار' کے ادارتی اور انتظامی امور سے وابستگی اختیار کی۔ اس زمانہ میں اسماعیل ذبیح کا زیادہ وقت مسلم لیگ کے کاموں میں صرف ہو رہا تھا، اس لیے اخبار کی اکثر ذمہ داریاں نثار احمد علوی اور اسحاق علمی انجام دے رہے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب اسماعیل ذبیح جلاوطن کر دیے گئے تو ان دونوں نے سید اشتیاق حسین اظہر کے ساتھ مل کر بڑی خوش اسلوبی سے اس اخبار کو جاری رکھا، مگر صوبہ میں پنڈت گووند بلبھ پنت کے زمانہ حکومت میں اس اخبار کو بند کر دیا گیا، حکیم نثار احمد علوی اور سید اشتیاق حسین اظہر پاکستان چلے گئے اور اسحاق علمی نے یہیں رہ کر 'روزنامہ سیاست جدید' شروع کیا اور حکیم نثار احمد علوی پاکستان پہنچ کر کراچی میں ہفت روزہ نیا زمانہ' کے نام سے ایمانداری اور سچائی پر مبنی اس صحافت کی داغ بیل ڈالی، جس کا درس انہوں نے مولانا اسماعیل ذبیح کے مکتبِ صحافت 'قومی اخبار' سے لیا تھا۔ (۸)

۱۹۴۶ء میں اجمل خاں طبیہ کالج سے فراغت کے بعد نثار احمد علوی نے 'قومی اخبار' سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ شب و روز کی صحافتی مصروفیات ہی تھکا دینے کے لیے کافی تھیں، ان کے درمیان کسی اور کام کے لیے وقت نکال پانا مشکل اور حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے، مگر انہوں نے مصروفیات کے اسی زمانہ میں 'جراحیاتِ زہراوی' کے نام سے 'کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف' کے جزءِ عملی کے ترجمہ کا کام انجام دیا۔ یہ نہ صرف ترجمہ نگاری کے پہلو سے ایک وقیع کام ہے، بلکہ عصری تناظر میں موضوعاتی لحاظ سے بھی بہت اہم ہے۔ اس زمانہ میں جراحت کے احیاء کے لیے اس مضمون کو نصابِ درس میں شامل کر کے عملی سطح پر اس متروک شعبہ کو رواج دینے کی کوشش ہو رہی تھی، مگر اس کے لیے درسی مواد کی ضرورت تھی، اس قسم کا ایک اہم سامان 'التصریف' کی صورت میں تھا، اسے قابل استفادہ بنانے کے لیے اردو زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت تھی، اس تقاضے کے پیش نظر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ سر شاہ سلیمان نے ایک ہزار کی رقم مختص کی تھی مگر طبیہ کالج کے جن لوگوں کو یہ کام سپرد ہوا تھا وہ اسے انجام نہیں دے سکے تھے، لہٰذا نثار احمد علوی نے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے معرضِ التواء میں پڑے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا۔ التصریف کا یہ ترجمہ 'جراحیاتِ زہراوی' کے نام سے مئی ۱۹۴۷ء میں ہندوستانی پریس، کانپور سے طبع ہوا ہے۔ مترجم نے زہراوی کے طرز بیان کو قائم رکھتے ہوئے سلیس اور عام فہم زبان میں متن کے معانی

کو پیش کیا ہے اور بعض مقامات پر اظہار مطالب کے لیے توضیحی اسلوب اختیار کیا ہے، نیز ترجمے کو جدید اسلوب سے ہم آہنگ کرنے اور قدیم اسلوب کو جدید تعبیراتی انداز عطا کرنے کے لیے ضمیمہ کی صورت میں مصطلحات کی ایک فرہنگ بھی پیش کی ہے، جس میں عربی اصطلاحوں کے اردو اور انگریزی مترادفات بیان کیے ہیں۔

یہ ترجمہ وقت کی ایک اہم ضرورت تھا اس لیے اس دور کے تمام بڑے طبیبوں نے اس کاوش کی تحسین کی اور اکثر نے اسے نصاب درس میں شامل کرنے کی سفارش کی۔ ڈاکٹر عبدالعزیز خاں، ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ (پرنسپل اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ)، حکیم محمد امین (پرنسپل اسٹیٹ ایڈ ڈ یونانی کالج لکھنؤ)، ڈاکٹر محمد اسلم، ڈاکٹر اے جے فریدی، حکیم محمد الیاس خاں (پرنسپل جامعہ طبیہ، دہلی)، حکیم عبدالحلیم (پرنسپل منبع الطب کالج، لکھنؤ)، حکیم عبدالحسیب دریابادی (صدر انجمن طبیہ، یوپی) شفاء الملک حکیم احمد عثمانی (پرنسپل یونانی کالج، الہٰ آباد)، شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین احمد لکھنوی، حکیم عبدالقوی دریابادی (سکریٹری انجمن طبیہ، یوپی) اور حکیم محمد احمد علوی نے جس طرح ترجمہ کی تحسین کی ہے اس سے اس کی قدر و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔[۱۰] ڈاکٹر قاضی احمد الرحمٰن علوی نے اس ترجمہ پر ایک مبسوط تبصرہ قلم بند کیا ہے۔ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی کا یہ اقدام قابل ستائش ہے کہ اس نے نادر اور اہم کتابوں کے باز اشاعتی منصوبہ کے تحت ۲۰۱۲ء میں اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔

نثار احمد علوی کے یہاں کمیّت سے زیادہ کیفیت کی عمدگی کو اہمیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جس قدر لکھا ہے اس میں خوب سے خوب تر کا انداز ملتا ہے۔ 'جراحیاتِ زہراوی' میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ترجمہ نگاری کے تعلق سے مطلوب ہوسکتی ہیں۔ کیفیت کا یہ حسن ان کے دوسرے علمی کاموں میں بھی نظر آتا ہے۔ 'جراحیاتِ زہراوی' کے ایک طویل عرصہ بعد ۱۹۷۸ء میں میخانۂ ادب کے زیر اہتمام 'سخنوران کاکوری' منظر عام پر آئی۔ اس کا تاریخی نام تذکرۂ بزم جاوید (۱۳۹۸ ہجری) ہے، یہ کتاب علوی کے تالیفی کاموں میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ یہ کاکوری کی علمی و ادبی تاریخ کا ایک جامع مرقع ہے، اس میں علوی نے کاکوری کی تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہاں کے تقریباً ۲۸۰ ادیبوں و شاعروں کے حالات اور ان کی نگارشات و تخلیقات کے نمونے تحریر کیے ہیں اور کاکوری کے تاریخی آثار سے متعلق کئی تصویریں بھی دی ہیں۔ اس کی تالیف کا منصوبہ اسی زمانہ سے ان کے پیش نظر تھا جب وہ ہندوستان میں تھے، اس وقت انہوں نے اس کتاب کے لیے جو مواد جمع کیا تھا وہ تقسیم کے ہنگاموں میں تلف ہوگیا،

پاکستان منتقل ہونے کے بعد ان کا دوبارہ حصول ایک مشکل مسئلہ تھا۔ اس کتاب کے لیے جن لوازموں کی ضرورت تھی ان میں سے اکثر مقامی اور علاقائی مآخذ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے حصول کے لیے علوی کو جن جانکاہ مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں خود اس کا تجربہ ہو۔

'سخنورانِ کاکوری' کا پیش لفظ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اور سراج احمد علوی نے مؤلف کا تعارف لکھا ہے۔ 'سخنورانِ کاکوری' ہندوستان کی علاقائی ادبی تاریخ کے حوالہ سے ایک اہم دستاویز ہے، اس لیے یہاں کی اردو اکیڈمیوں خصوصاً اتر پردیش اردو اکادمی کو اس کی بازاشاعت پر غور کرنا چاہیے۔

حکیم نثار احمد علوی کی منضبط تحریروں میں 'شب چراغ' آخری تالیفی یادگار ہے، یہ کاکوری اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں نثار احمد علوی نے ان شخصیتوں اور شہروں کی تأثراتی داستان لکھی ہے، جن سے ان کا کسی نہ کسی حیثیت سے تعلق رہا ہے اور جنہوں نے ان کے ذہن ودماغ پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ طب، شعروادب اور صحافت جیسے مختلف شعبوں سے وابستگی کے باعث ان کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا، اسی لیے 'شب چراغ' میں جن شخصیات کے تأثراتی خاکے ہیں، ان کا تعلق بھی مختلف شعبہ ہائے زندگی سے ہے۔ ہندوستان میں لکھنؤ، کانپور، علی گڑھ اور پاکستان میں کراچی، لاہور، اسلام آباد اور پشاور سے ان کا تعلق خاطر رہا ہے، ان سے وابستہ جذبات وتأثرات بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ کہنے کو تو 'شب چراغ' کچھ شخصیتوں اور شہروں کا تأثراتی خاکہ ہے مگر اس کے مطالعہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے بالواسطہ طور پر خود مؤلف کی زندگی کے بہت سے حالات سامنے آتے ہیں۔ زبان وبیان اور دلچسپ اسلوب نگارش سے علوی کی ادبی شخصیت اور شاعرانہ مزاج کا اظہار ہوتا ہے۔ مسعود احمد برکاتی نے 'شب چراغ' پر تعارفی کلمات لکھے ہیں۔

نثار احمد علوی کو شعروادب کا ذوق وراثت میں ملا تھا، لکھنؤ کی ادبی فضا نے اس کو تحریک بخشا اور نشورؔ واحدی کی صحبت نے جلا عطا کیا۔ کراچی منتقل ہونے کے بعد انہوں نے امیر مینائی کے شاگرد اصغرؔ شاہ جہاں پوری کی رہنمائی میں مشق سخن کے اس سلسلہ کو بدستور جاری رکھا، اسی لیے انہیں دبستانِ لکھنؤ کے مینائی سلسلہ کا نمائندہ خیال کیا جاتا ہے۔ [11] ساقیؔ ان کا تخلص تھا، 'سخنوران کاکوری' میں ان کی شاعری کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شاعرانہ صلاحتیں رکھنے کے ساتھ وہ سخن فہم اور سخن نواز بھی تھے۔ کراچی میں ان کی رہائش گاہ پر پابندی سے شعری نشستوں کا انعقاد ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے 'میخانۂ ادب' کے نام سے ایک بزم قائم کر رکھی تھی۔ 'سخنوران کاکوری' کی اشاعت اسی ادارہ کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔

پاکستان میں حکیم محمد سعید کو یونانی طب کے فروغ اور اس کی ترقیوں کا نقیب اور ادارۂ ہمدرد کو اس کا مرکز خیال کیا جاتا ہے، اور یہ امر واقعہ بھی ہے۔ حکیم محمد سعید کے معاونین اور ادارۂ ہمدرد کے اراکین میں ایک اہم نام حکیم نثار احمد علوی کا ہے، انہوں نے نائب مدیر کے طور پر 'اخبار الطب' کی ادارتی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے علاوہ ہمدرد مطب کے ناظم اور 'جامعہ طبیہ شرقیہ' میں رجسٹرار اور پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ (۱۲)

پاکستان میں طبی تحریک کو بڑھاوا دینے والوں میں نثار احمد علوی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے، اُس ملک میں طبی تعلیم اور وہاں کے طبی سیاسی مسائل سے ان کا ہمیشہ گہرا تعلق رہا۔ وہ 'انجمن ترقیٔ طب' کے معتمد رہے ہیں اور پاکستان طبی ایسوسی ایشن سے مختلف حیثیتوں سے ان کی وابستگی رہی ہے۔

فنی، لسانی اور تہذیبی امور سے دلچسپیوں کے ساتھ وہ پاکستان میں 'علی گیریت' کے علم برداروں میں تھے۔ علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے ایک سرگرم رکن کے طور پر انہوں نے پاکستان میں سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (۱۳)

حکیم نثار احمد علوی نے ۶۵ ربرس کی عمر میں ۲۷ رجولائی (جنگ لاہور کے مطابق ۲۸ رجولائی) ۱۹۸۶ء کو کراچی میں وفات پائی۔ (۱۴)

حوالے وحواشی

۱- شب چراغ: ص۱۰

۲- سراج احمد علوی نے تاریخ پیدائش ۲۱ رمارچ ۱۹۲۱ لکھی ہے، دیکھیں سخنوران کاکوری بعنوان 'کچھ مولف کے بارے میں': ص۳۳

۳- سخنورانِ کاکوری: ص۴۰۴، ۴۰۳

۴- سخنورانِ کاکوری: ص۲۹۹

۵- سخنورانِ کاکوری: ص۳۳

۶- سخنورانِ کاکوری: ص۳۳

۷- سخنورانِ کاکوری: ص۳۷

۸- شب چراغ: ص۴۰-۳۸ اور ۲۰۰

۹- جراحیاتِ زہراوی: ص۴

۱۰- جراحیاتِ زہراوی: ص ۵-۴

۱۱- سخنوران کاکوری: ص ۳۸-۳۷

۱۲- شب چراغ: ص ۶۴-۶۳ اور سخنورانی کاکوری: ص ۳۳

۱۳- شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی: نقوش وتاثرات: ص ۱۴۸

۱۴- وفیات مشاہیرِ پاکستان: ص ۲۹۴

کتابیات

- جراحیات زہراوی، ترجمہ حکیم نثار احمد علوی، ہندوستانی پریس، کانپور، ۱۹۴۷ء
- سخنورانِ کاکوری از حکیم نثار احمد علوی، میخانہ ادب، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۷۸ء
- شب چراغ از حکیم نثار احمد علوی، کاکوری اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۲ء
- شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی: نقوش وتاثرات از حکیم محمد اسلم صدیقی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء
- وفیات مشاہیرِ پاکستان از پروفیسر محمد اسلم۔ مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۱۹۹۰ء

●●●

حکیم محمد نور الدین نظامی

حکیم محمد نورالدین نظامی یکم ستمبر ۱۹۱۳ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم فقیر محمد امرتسری اپنے عہد کے لائق طبیبوں میں تھے۔ حکیم محمد نورالدین فنِ معالجہ کی بصیرت اور اس میدان میں حذاقت کے ساتھ مشرقی السنہ کی عمدہ لیاقت رکھتے تھے۔ ان کے قلمی آثار میں حکیم محمد اکبر ارزانی کی فارسی تالیف 'قرابادین قادری کا اردو ترجمہ اور کتاب المجربات کی ترتیب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ حکیم محمد نورالدین نے ۱۹/ جولائی ۱۹۸۲ء کو وفات پائی۔ حکیم محمد نورالدین کے بڑے بھائی حکیم جلال الدین (وفات: ۱۹۴۸ء) طب کے ساتھ شعر وادب کا ذوق رکھتے تھے۔ 'مجربات فخر الاطباء' ان کی ایک قابل ذکر تالیف ہے۔ حکیم محمد نورالدین کی یہ سوانحی تفصیلات ان کے برادر خرد حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے حالات سے ماخوذ ہیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ وفیاتِ مشاہیرِ پاکستان از پروفیسر محمد اسلم، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۳، ۲۲۹، ۲۶۷

•••

حکیم نور کریم دریابادی

انیسویں صدی کے طبی مترجمین میں حکیم نور کریم دریابادی کا نام بے حد اہم ہے۔ دریابادی کا یہ بڑا قابلِ قدر کارنامہ ہے کہ انہوں نے طب کی فارسی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے اردو داں طبیبوں کے کام کو نہایت آسان بنا دیا۔ حکیم نور کریم دریابادی علومِ مشرقیہ کے ماہر اور حاذق طبیب تھے، ان کے نواسے مولانا عبدالماجد دریابادی مشہور عالم گزرے ہیں، وہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''مولوی حکیم نور کریم دریابادی صاحب علاوہ بڑے دادا ہونے کے میرے حقیقی نانا بھی تھے، قیام لکھنؤ میں رہا۔ مطب تو آگے چل کر چھوڑ ہی دیا تھا۔ سارا وقت طلبۂ طب کے درس دینے میں صرف کرتے، تدریسی انہماک کی بنا پر لقب ''طبیب گر'' پڑ گیا تھا۔ لوگ عجب عجب قصے بیان کرتے ہیں کہ کھانا کھاتے جاتے ہیں اور سبق پڑھاتے جاتے ہیں۔ راستہ چلتے جاتے اور کوئی نہ کوئی شاگرد کتاب ساتھ لیے پڑھتا جاتا اور اس طرح کے قصے ان کی تنگ دستی کے باوجود داد و دہش کے بھی مشہور ہیں۔ علمائے فرنگی محل سے تعلقات بڑے مخلصانہ بلکہ عزیزانہ تھے اور اسی طرح جھوائی ٹولہ کے خاندان اطباء سے۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور ساتھ ہی زود نویس بھی تھے۔ لغت، طب، تفسیر، حدیث، تاریخ وغیرہ کی بیسیوں کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ ڈالیں، کاغذ اتنا پائیدار، روشنائی اتنی پختہ اور روشن کہ کتابت سوا سو برس قبل کی نہیں، کل کی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے کمالات کے قصے آج تک خاندان میں زبان زد ہیں۔ آخر عمر میں بڑودہ طبی ملازمت کے سلسلے میں بلائے گئے اور وہیں وفات پائی''۔

حکیم نور کریم دریابادی شیخ معز الدین عرف قاضی قدوہ اور شیخ مخدوم آبکش کی اولاد میں سے ہیں۔ حکیم نور کریم بن مخدوم بخش بن کریم بخش قدوائی ۱۲۱۵ ہجری مطابق ۱۸۰۰ء میں دریاباد میں پیدا

ہوئے اور یہیں ان کی نشو ونما ہوئی۔ مولانا عبدالحکیم بن عبدالرب لکھنوی اور یہاں کے دوسرے علماء سے مروجہ علوم کی تحصیل کے بعد حکیم محمد علی بن غلام نبی لکھنوی سے طب کی تعلیم حاصل کی۔

مروجہ درسیات کی تکمیل کے بعد لکھنؤ میں مقیم رہے اور یہاں ایک عرصہ تک تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دئے، نیز کیننگ کالج لکھنؤ میں عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں۔ تعلیم و تدریس اور عربی زبان میں مہارت رکھنے کے علاوہ طب میں کمال کے درجہ پر فائز تھے۔ ان کی تالیفات ان صلاحیتوں کا مظہر ہیں۔ طب کے علمی میدانوں میں ان کے درک اور مہارت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ریاست بڑودہ نے انہیں طبیب خاص کے عہدہ کی ذمہ داری دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بڑودہ ہی میں بروز جمعہ ۶ / رجب ۱۲۸۸ ہجری مطابق ۲۲ / دسمبر ۱۸۷۱ء کو وفات پائی۔

ا۔ شفاء الامراض:

اس کا شمار دریابادی کے بیش قدر فنی کاموں میں ہے۔ یہ ان کی بے حد اہم تالیفی کاوش ہے جو معالجات کے موضوع پر سوال و جواب کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پہلی بار ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے طبع ہوا تھا۔ میرے پیش نظر نسخہ ۱۸۷۷ء کا مطبوعہ ہے۔ جو مطبع مجمع العلوم، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے، غالباً یہ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ہے اس لیے کہ کتاب کے آخر میں دوسری اور تیسری اشاعت کی تاریخ پر مشتمل قطعات شامل ہیں، جن میں ان اشاعتوں کے سنہ بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ علی بخش کی فرمائش پر تحریر کی گئی تھی۔

۲۔ ترجمہ مخزن الادویہ:

مخزن الادویہ فارسی زبان میں ادویۂ مفردہ کے موضوع پر نہایت بیش قدر کتاب ہے۔ حکیم نور کریم دریابادی نے اسے اردو میں منتقل کر کے اس کے استفادہ کے دائرہ کو وسیع کیا ہے۔ دریابادی کا یہ اردو ترجمہ ۱۸۸۵ء میں مطبع منشی نول کشور سے دوسری بار شائع ہوا تھا۔

۳۔ اکسیر القلوب:

قانونچہ کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ حکیم اکبر ارزانی نے مفرح القلوب کے نام سے فارسی زبان میں اس کی شرح لکھی تھی۔ اس کا شمار قانونچہ کی مشہور شروح میں ہوتا ہے۔ حکیم نور کریم دریابادی نے ارزانی

کی اس فارسی شرح کو اکسیر القلوب کے نام سے اردو جامہ پہنایا۔ یہ ترجمہ ۱۸۷۰ء میں مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوا تھا۔ علمی اور طبی حلقہ میں اس ترجمہ کی پزیرائی کو دیکھتے ہوئے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔

۲۰۱۰ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی نے عربی، فارسی اور اردو کی نایاب اور نادر طبی کتابوں کی بازاشاعت کا منصوبہ بنا کر بہت سی اہم کتابیں شایع کیں۔ اس منصوبہ کے تحت اکسیر القلوب کی اشاعت بھی عمل میں آئی ہے۔

۴- کیمیاء عناصری:

یہ حکیم اکبرارزانی کی تالیف، قرابادینِ قادری کا اردو ترجمہ ہے۔ حکیم نور کریم دریابادی نے مالک مطبع اودھ اخبار کی فرمائش پر اسے انجام دیا تھا۔ یہ ترجمہ تیسری بار ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۸ء میں اور چھٹی بار مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ سے جولائی ۱۸۸۸ء مطابق شوال ۱۳۰۵ ہجری میں طبع ہوا تھا۔

صاحب نزہۃ الخواطر کے مطابق مذکورہ تراجم کے علاوہ کئی رسائل بھی دریابادی کی علمی یادگار ہیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱- نزہۃ الخواطر، جلد ۷، مؤلفہ عبدالحئی حسنی، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۳۰

۲- تذکرۂ اطباء اودھ مؤلفہ حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی، ادارہ ادبیات دلی، ۲۰۰۸ء، ص ۳۲۶-۳۲۵

۳- قانون ابن سینا اور اس کے شارحین ومترجمین از حکیم سید ظل الرحمٰن، ابن سینا اکیڈمی، علی گڑھ، طبع ثانی ۲۰۱۳ء، ص ۲۱۱

۴- شفاء الامراض از نور کریم دریابادی، مطبع مجمع العلوم، لکھنؤ، ۱۸۷۷ء

۵- سوانح منشی نول کشور از سید امیر حسن نورانی، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۳

۶- عبدالماجد دریابادی از سلیم قدوائی، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۲

۷- آپ بیتی از مولانا عبدالماجد دریابادی، مکتبہ فردوس، لکھنؤ، ۱۹۷۸ء، ص ۲۸-۲۷

•••

حکیم سید علی احمد نیّرؔ واسطی

علی احمد نام اور نیّرؔ تخلص تھا، نسباً واسطی سادات تھے۔ یہ نام ان کے والد سید مظفر حسین نے حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد کلیری سے عقیدت کی وجہ سے تجویز کیا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں قصبہ نہٹور ضلع بجنور اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی درسیات مولانا امتیاز حسین اور مولانا حامد حسن گنگوہی سے پڑھیں۔ طب کے ابتدائی اسباق اپنے ہم وطن حکیم کفایت اللہ سے پڑھنے کے بعد کچھ دنوں مدرسہ طبیہ، دہلی میں زیر تعلیم رہے۔ پھر تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لے کر سندِ فراغت حاصل کی۔ لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں یہاں کے دوسرے مشاہیر فن سے بھی انہیں اکتساب فیض کا موقع ملا۔ اس سلسلہ میں حکیم مظفر حسین، حکیم منے آغا اور حکیم محمد تقی مجن کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ نیّرؔ واسطی نے مطب کی عملی مشق شفاء الملک حکیم عبدالحمید سے حاصل کی تھی۔

نیّرؔ واسطی شعر وشاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ یہ شوق ان میں بچپن سے تھا۔ ان کی ادبی رہنمائی کرنے والوں میں بجنور میں سید نقی حیدر، دہلی میں نواب سراج الدین سائلؔ، مولانا وحید الدین بےخودؔ اور مولانا ناصر نذیر فراقؔ، لکھنؤ میں عزیزؔ لکھنوی اور مولانا صفدر مرزاپوری شامل ہیں۔ بعد میں انہیں اخترؔ شیرانی کی صحبت سے بھی فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ انہوں نے اخترؔ شیرانی کی حیاتِ معاشقہ اور ان کی شاعری کے پس منظر پر 'اختر و سلمیٰ' لکھا ہے۔ یہ کتاب اردو زبان کے رومانی لٹریچر میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ ان کی ابتدائی نظموں کا مجموعہ ''میکدہ'' کے نام سے ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا ہے۔ ان کا دوسرا مجموعۂ کلام 'شعر وحکمت' ہے۔ 'ترانۂ خلافت' کے نام سے قومی نظموں کا ان کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا تھا جسے انگریز حکومت نے ضبط کرلیا تھا۔ تحریک آزادی کے سلسلے میں وہ علی برادران، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حسرتؔ موہانی کے حامیوں میں تھے۔ اس زمانہ میں 'الامان' دہلی اور 'نجات' بجنور

میں وہ سیاسی نوعیت کے مضامین بھی لکھتے تھے۔

۱۹۲۴ء میں وہ لاہور گئے۔ حسان نگرامی نے ۱۹۶۴ء لکھا ہے، میرے خیال میں یہ سہو کتابت کا نتیجہ ہے۔ وہ لاہور گئے تو ہمیشہ کے لیے وہیں کے ہو رہے۔ حتی کہ آسودۂ خاک بھی وہیں ہوئے۔ ۲۶ رمئی ۱۹۸۲ء کو انہوں نے وفات پائی اور مزار شاہ ولی، نزد شاہی مسجد میں سپرد خاک ہوئے۔

نیّر واسطی نے پاکستان میں بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔ وہاں ان کا شمار طب کے عمائدین اور طبی سیاست کے قائدین میں تھا۔ پاکستان میں طبیبوں کی شیرازہ بندی اور ان کے حقوق کی بازیابی کے سلسلہ میں ان کی مساعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ پاکستان میں تاحیات طب کے ترجمان رہے۔ ان کی اعلیٰ فنی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں 'ستارۂ خدمت' سے سرفراز کیا تھا۔

گوناگوں خوبیوں والے نیّر واسطی کا اصل مجال تاریخِ طب تھا۔ تاریخ نگاری کے سلسلہ میں ان کے یہاں واقعہ نگاری میں روایت اور درایت دونوں کا التزام ملتا ہے۔ یہ تنقیدی بصیرت انہیں وسعتِ مطالعہ کی وجہ سے حاصل تھی۔

تاریخِ طب کے میدان میں نیّر واسطی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف ایشیا اور یورپ میں بڑی فراخ دلی سے کیا گیا ہے۔ استنبول اور ایتھنز کی جامعات میں انہیں اعزازی پروفیسر شپ اور یہاں کے اداروں نے اعزازی رکنیت پیش کر کے جس طرح ان کی تحسین و پذیرائی کی ہے، اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

تالیفات و تراجم:

۱۔ طب العرب: یہ ایڈورڈ جی براؤن کی 'اربین میڈیسن' کا اردو ترجمہ ہے۔ اربین میڈیسن براؤن کے ان چار خطبات کا مجموعہ ہے، جو اس نے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں لندن کے رائل کالج آف فزیشین میں پیش کیے تھے، نیّر واسطی نے ان خطبات کا ترجمہ کرنے کے ساتھ وضاحت طلب مسئلوں کی تشریح بھی کی ہے اور براؤن کی فروگزاشتوں کا استدراک بھی کیا ہے۔ نیّر واسطی کا یہ ترجمہ تشریحات و تنقیدات کے بعد اب ایک طبع زاد تالیف کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور سے ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا ہے۔ شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی اس کے 'تعارف' میں ترجمہ کے فنی محاسن اور مترجم کے تشریحی و تنقیدی اضافات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "طب العرب جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے، پروفیسر براؤن کی کتاب اربین میڈیسن کا بامحاورہ اردو ترجمہ ہے اور اس ترجمہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصل کتاب کی طرح

طرزِ ادا میں ادب اور زبان کی خوبیوں کو پوری طرح قائم رکھا گیا ہے۔ پس بلاشبہ جس طرح اصل انگریزی کتاب طرزِ نگارش اور اپنے اسلوبِ بیان کے اعتبار سے اس کے مؤلف کی عظمت کی آئینہ دار ہے۔ اسی طرح یہ ترجمہ بھی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے مترجم کے علم وفضل، قدرتِ بیان اور ادیبانہ کمالات پر شاہدِ عدل ہے۔ چنانچہ بادی النظر میں یہ کتاب ترجمہ نہیں بلکہ فصیح وبلیغ اردو زبان میں تاریخِ طب کی ایک مستقل تالیف معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ فاضل مترجم نے 'طب العرب' کے آخر میں تشریحات وتنقیدات کا اضافہ کیا ہے اور در حقیقت اس کتاب کا یہی وہ حصہ ہے، جس سے ہم علم وادب کے علاوہ فنِ طب اور اس کی تاریخ میں مترجم کے علم وفضل، دقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس حصہ میں جو اصل کتاب سے دو چند ہو گیا ہے فاضل مترجم نے نہایت قابلیت کے ساتھ جابجا پروفیسر براؤن کے بیانات کی محققانہ تشریح وتوضیح کی ہے اور اس ضمن میں وہ مقامات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جن میں ہمارے مترجم وشارح نقاد نے اختلافی امور میں پروفیسر براؤن سے اختلافات رائے کرتے ہوئے ان کے بیانات پر نقد و جرح کی ہے اور اس سلسلے میں مستند حوالہ جات کا انبار لگا دیا ہے''۔

۲- ترکی نظام طب کی تاریخ: یہ معروف ترک مصنف ڈاکٹر سہیل انور ایم ڈی کی تالیف The Origins of History of Turkish Medicine کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ مجلس بوعلی سینا لاہور (پاکستان) سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ مختصر رسالہ موضوعاتی پہلو سے اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کے مطالعہ سے تاریخ طب کا ایک گم نام گوشہ سامنے آتا ہے۔ مزید براں اس ترجمہ سے نیّر واسطی کی زبان دانی کا ایک نیا پہلو بھی سامنے آتا ہے اور ترکی زبان سے ان کی واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔

۳- تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان: ہندوستان میں یونانی طب کی نشر واشاعت اور ارتقائی تاریخ کا بیشتر حصہ ایران سے مستعار ہے، اس لیے یہاں کی طبی تاریخ کو ایران ہی کی طبی روایت کا تسلسل سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ ہندوستان اور اس سے وجود میں آنے والے ممالک پاکستان اور بنگلہ دیش کی طبی تاریخ کا پس منظر بھی یہی ہے، اس لیے ان ملکوں کا طبی رشتہ بھی ایران سے مربوط ہے۔ نیّر واسطی کی زیر نظر کتاب انہیں روابط کی تفصیل پیش کرتی ہے یہ ۱۹۷۲ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ موسسہ مطالعات پزشکی ایران نے بہمن ماہ ۱۳۸۲ میں اس کا عکس شائع کیا ہے۔ یہ کتاب فارسی داں طبقے کو سامنے رکھ کر تالیف کی گئی ہے اسی لیے یہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں ایران سے جس عہد کے طبی روابط کا تذکرہ ہے، اس کا تعلق اس متحدہ ہندوستان سے جس میں پاکستان اور بنگلہ دیش بھی

شامل تھے بایں ہمہ کتاب کے نام میں ایران و پاکستان کے بجائے ایران و ہندوستان ہوتا تو یہ عنوان زیادہ جامع ہوتا۔

تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان کے مطالعہ سے نیرؔ واسطی کے درج ذیل علمی کاموں کا بھی پتہ چلتا ہے:

۱-یونانی طب: یہ اردو زبان میں ایک مختصر رسالہ ہے۔

۲-جمال الدین اقسرائی، احوال و آثار

۳- Muslim's Contribution to Medicine

مطالعاتی مآخذ

۱- مشاہیرِ طب یا تذکرۃ الاطباء از حکیم محمد صلاح الدین نعمانی، قصر الحکمہ، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۶-۱۱۴

۲- تاریخِ طب از حکیم سید محمد حسان نگرامی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، طبعِ پنجم ۲۰۰۹ء، ص ۴۸۶-۴۸۴

۳- جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر) جلد ۴، شمارہ ۱، ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء [تکمیل الطب کالج کے صاحب تصنیف اطباء] ص ۱۹۱-۱۸۸

۴- طب العرب (عربین میڈیسن) ایڈورڈ جی براؤن، ترجمہ و تشریح از حکیم نیرؔ واسطی، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۵۴ء، ص ۷-۵

۵- ترکی نظامِ طب کی تاریخ از ڈاکٹر سہیل انور ایم ڈی، ترجمہ حکیم نیرؔ واسطی، مجلس بوعلی سینا لاہور (پاکستان) ۱۹۵۸ء، ص ۴-۱

۶- ناموس الاطباء تالیف و ترتیب حکیم پیر محمد کاوشؔ، ادارہ خزینۂ صحت و مکتبہ خزینۂ علوم، گجرات، ۱۹۶۰ء، ص ۲۵۲-۲۴۷

۷- تاریخِ طب، مؤلفہ آغا اشرف، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، غیر مورخ، ص ۱۴۹-۱۴۸

۸- مشاہیر طب یا تذکرۃ الاطباء، حصۂ دوم از حکیم سید سرفراز حسین انبالوی، مرکزی کتب خانہ، سمن آباد، لاہور (پاکستان)، غیر مورخ، ص ۲۱۱-۲۰۶

•••

حکیم واجد علی موہانی

حکیم واجد علی موہانی نسلاً ہاشمی تھے اور اودھ کے مردم خیز قصبہ موہان کے رہنے والے تھے۔ طب میں حذاقت و مہارت کے ساتھ وہ علمی ذوق بھی رکھتے تھے۔ ان کے اندر عربی اور فارسی کی بہت اچھی استعداد تھی۔

حکیم واجد علی نے طب کی تعلیم اپنے والد بزرگوار حکیم مولوی وارث علی سے حاصل کی تھی، جو اپنے عہد کے مشہور طبیبوں میں تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حکیم واجد علی نے رئیسہ بھوپال اور مہاراجہ گوالیار کی خدمت میں ایک لمبا عرصہ گزارا اور بطور قدردانی افسر الاطباء کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ ان دونوں سرکاروں سے طویل وابستگی کے بعد وطن مالوف کی سکونت اختیار کی اور زندگی کے باقی ایام یہیں گزارے۔ موہان کے زمانۂ قیام میں انہیں منشی نول کشور کے دامنِ فیض سے وابستہ ہونے کا موقع ملا۔

مجربات اکبری اردو: مطبع منشی نول کشور کی ملازمت میں آنے کے بعد مطبع کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی طرف سے حکیم واجد علی کو حکیم اکبر ارزانی کی فارسی تالیف 'مجربات اکبری' کے اردو ترجمہ کا کام تفویض ہوا، جسے انہوں نے ماہ محرم ۱۲۸۴ ہجری مطابق مئی ۱۸۶۷ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا، انہوں نے اس ترجمہ میں ضروری توضیحات کے ساتھ اپنے کچھ آزمودہ نسخوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

اس ترجمہ نے طبی حلقہ میں خاطر خواہ پذیرائی حاصل کی اور متعدد بار شائع ہوا۔ جون ۱۹۵۱ء میں یہ مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے سولہویں بار شائع ہوا تھا۔

سید امیر حسن نورانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ 'مجرباتِ اکبری اردو' کے علاوہ مترجم موصوف

نے کچھ دوسری کتابوں کے ترجمے بھی کیے ہیں اور ان کی دیگر تصنیفات بھی ہیں۔ مگر یہ کام میری نظر سے نہیں گزرے ہیں۔

مطالعاتی مآخذ

۱۔ مجرباتِ اکبری اردو ترجمہ، حکیم واجد علی موہانی، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۶۷ء، ص ۱۵۱۔۱۴۹

۲۔ سوانح منشی نول کشور از سید امیر حسن نورانی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۳

•••

حکیم ولی اللہ خاں

حکیم ولی اللہ خاں کی جس قدر سوانحی تفصیلات دستیاب ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا وطنی تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ان کے والد کا نام ہیبت اللہ خاں اور دادا کا حکیم عبداللہ خاں قریشی تھا۔ حکیم ولی اللہ خاں، مہاراجہ رنبیر سنگھ والیٔ کشمیر کے دارالترجمہ کے وابستگان میں تھے، یہاں سے عربی، فارسی اور انگریزی کی متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے ہیں۔ اس دارالترجمہ سے حکیم فدا محمد خاں اور حکیم نورالدین بھیروی بھی وابستہ رہے ہیں۔

مطالعاتی ماخذ

۱۔ ترجمہ کا فن اور روایت، مرتبہ ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۳ء، ص ۳۱۰-۲۹۰

•••

حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی

اردو زبان میں یونانی طب کے پڑھنے اور پڑھانے کا رواج، حکیم اجمل خاں، ان کے تلامذہ اور رفقاء کی کوششوں سے ہوا۔ مگر تعلیم وتدریس کے لوازموں کی فراہمی کا کام منشی نول کشور کے مطبع نے انجام دیا، حکیم اجمل خاں نے اردو زبان میں تعلیم وتدریس کی تحریک کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل میں کیا۔ مگر مطبع منشی نول کشور کے شعبۂ ترجمہ وتالیف نے، یونانی طب کی درسی اور حوالہ جاتی کتابوں کے اردو ترجمہ اوران کی اشاعت کا سلسلہ مطبع کے قیام (۱۸۵۸ء) کے فوراً بعد ہی شروع کردیا تھا۔

مطبع منشی نول کشور کا مرکزی دفتر اگرچہ لکھنؤ میں تھا۔ مگر اس کی شاخیں ہندستان کے مختلف حصوں میں قائم تھیں اوراس مطبع میں ترجمہ وتالیف کا مستقل ایک شعبہ تھا۔ یونانی طب کی بیشتر عربی وفارسی کتب، اس شعبہ سے ترجمہ ہوکر شائع ہوئی ہیں۔

اس شعبہ کے مترجمین میں حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی ایک اہم نام ہے۔ مرادآبادی کا نام ان مترجمین میں سرفہرست ہے، جنہوں نے فارسی طبّی سرمایہ کے ایک بڑے حصہ کو براہ راست اردو زبان میں منتقل کیا، ان تراجم کے ذریعہ اردو زبان میں تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کی راہیں استوار ہوئیں۔

ذخیرہ خوارزم شاہی:

حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی ولد حاجی محمد ہادی علی خاں کا ترجمہ نگاری کے حوالہ سے سب سے مہتم بالشان کارنامہ ذخیرہ خوارزم شاہی کا اردو ترجمہ ہے۔ ہادی حسین نے یہ ترجمہ، منشی نول کشور کی فرمائش پر انجام دیا تھا۔ انہوں نے اس ترجمہ کی ابتداء میں منشی جی کی علمی عنایتوں کا نہایت نیازمندانہ اعتراف کیا ہے۔ حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی نے یہ ترجمہ ۱۲۸۷ ہجری مطابق ۱۸۷۰ عیسوی میں

کیا تھا یہ ترجمہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں مکمل ہوا، اس قلیل مدت میں دس جلدوں کے ترجمہ سے حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی کی ترجمہ نگاری پر قدرت اور سرعت دونوں کا پتہ چلتا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ مترجم نے حواشی کی صورت میں توضیحات بھی لکھی ہیں۔ یہ ترجمہ دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ مطبع منشی نول کشور سے اس ترجمہ کی چوتھی اشاعت ۱۹۰۳ء میں ہوئی تھی، اس کی ایک عکسی اشاعت، ادارہ کتاب الشفا سے ۲۰۱۰ء میں ہوئی ہے۔

ترجمہ قرابادین ذکائی:

اس کا اردو ترجمہ ۳۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ پہلی بار ۱۸۷۰ء میں اور دوسری بار ۱۸۸۷ء میں مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوا تھا۔ میرے پیش نظر اس کی چوتھی اشاعت ہے، جو ۱۹۰۱ء کی ہے۔ اس کی تمہید میں حکیم محمد ہادی حسین مرادآبادی لکھتے ہیں:

''اس ہیچ مداں نے حسب فرمائش باتوقیر وامیر باتدبیر قدردان فیض رساں، معدن جود وسخا، کان علم وحیا، مصباح محفل آفرینش، شمع انجمن دانش وبینش، اختر تابندہ سپہر ریاست، گوہر قلزم امارت برجیس قدر مرتبت، نگین خاتم مروت، در یکتاء اہلیت، مدبر ومنتظم جناب منشی نول کشور صاحب، مالک مطابع لکھنؤ وغیرہ دام حشمہ واسطے اشخاص قلیل الاستعداد کے ۱۲۸۷ ہجری مطابق ۱۸۷۰ء میں عبارت فارسی سے اردو میں ترجمہ اس کا کیا''۔

کفایہ منصوری: یہ میر غیاث الدین منصور بن میر صدر الدین محمد حسینی شیرازی کی تالیف ہے۔ غیاث الدین منصور نے یہ کتاب، ابو صالح منصور بن اسحاق کے لیے تالیف کی تھی، مرادآبادی نے اس اہم تالیف کو اردو قالب عطا کر کے، اردو داں طبی قاری کو ایک نہایت بیش قدر نذرانہ پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ مطبع منشی نول کشور سے پہلی بار مئی ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ بار چہارم مطبع منشی نول کشور، کان پور سے ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا ہے۔

قرابادین شفائی:

حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی نے مظفر بن محمود الحسینی الشفائی کی کتاب 'قرابادین شفائی' کا ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں منشی نول کشور کی فرمائش پر فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ چوتھی بار ۱۹۱۰ء میں مطبع منشی نول کشور، کانپور سے شائع ہوا ہے۔

زادغریب: حکیم صادق علی خاں بن حکیم شریف خاں کی تالیف ہے، حکیم ہادی حسین خاں مرادآبادی نے اسے بھی اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ ترجمہ زادغریب دوسری بار دسمبر ۱۹۱۹ء میں مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

غنیٰ منیٰ: مرادآبادی کے تراجم میں غنیٰ منیٰ مؤلفہ نوح القمری کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مگر اس وقت دستیاب ترجمہ حکیم سید منور حسین کا ہے، جو دواخانہ معدن الادویہ، لکھنؤ کا مطبوعہ ہے۔ یہ حکیم سید محمد قاسم کے زیراہتمام شائع ہوا ہے۔ ۲۰۰۸ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی بازاشاعت ہوئی ہے۔

علاج الامراض:

مرادآبادی نے حکیم شریف خاں کی اس اہم فارسی تالیف کا منشی نول کشور کے ایماء پر ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں اردو میں ترجمہ کیا تھا، جو جمادی الثانی ۱۲۸۹ ہجری مطابق اگست ۱۸۷۲ء میں مطبع منشی نولکشور سے شائع ہوا۔ ۲۰۰۵ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی بازاشاعت ہوئی ہے۔

علاج الامراض کا اردو ترجمہ 'بڑی بیاض' کے نام سے حکیم خواجہ رضوان احمد نے کیا ہے۔ یہ 'دارالتالیفات' سے شائع ہوا ہے۔ حکیم کبیرالدین کے تراجم کی فہرست میں بھی علاج الامراض کا اردو ترجمہ شامل ہے۔

دستورالاطباء:

یہ حکیم سلطان علی طبیب خراسانی کی معالجات کے موضوع پر ایک جامع تالیف ہے۔ اس میں امراض کی ماہیت، اسباب وعلامات اور علاج کو اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ہادی حسین مرادآبادی نے دستورالاطباء کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ۶۸۷ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ مطبع نامی منشی نول کشور، لکھنؤ سے ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں شائع ہوا ہے۔

کنزالاسرار:

حکیم محمد ہادی حسین خاں مرادآبادی کی اس تالیف کا علم مطبع منشی نول کشور کی مطبوعہ فہرست کتب سے ہوتا ہے۔

قرابادین کبیر:

حکیم ہادی حسین مرادآبادی نے حکیم سید محمد حسین خاں کی اس تالیف کو اردو جامہ پہنایا ہے، یہ دو جلدوں میں مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا ہے۔

مطالعاتی ماخذ

۱- جہانِ طب، جلد۵، شمارہ۳، جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ص ۳۲-۸

۲- جہانِ طب (تکمیل الطب کالج نمبر) جلد۴، شمارہ۲-۱ جولائی-دسمبر۲۰۰۲ء، سی سی آر یو ایم، نئی دہلی

۳- ترجمہ ذخیرہ خوارزم شاہی از محمد ہادی حسین خاں مراد آبادی، عکسی اشاعت، ادارہ کتاب الشفا، دہلی، ۲۰۱۰ء

۴- تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان از حکیم نیّر واسطی، عکسی اشاعت موسسہ مطالعات تاریخ پزشکی طب اسلامی و مکمل، بہمن ماہ ۱۳۸۲ء، ص ۷۷

۵- علاج الامراض (اردو ترجمہ از حکیم محمد ہادی حسین خاں مراد آبادی) سی سی آر یو ایم، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۶ اور ۹۱۶

●●●

حکیم مولوی ہبۃ اللہ

حکیم مولوی ہبۃ اللہ ایک بزرگ علمی خانوادہ کے فرد تھے، ۱۴/آذر ۱۳۱۰ فصلی کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ طاہر علی اور دادا شیخ عبد القادر (وفات ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء) عالم و فاضل اور ماہرِ عملیات تھے۔ مشہور بزرگ ملا خاں، حکیم ہبۃ اللہ کے اجداد میں تھے، تعلقہ رام پور ضلع بیچ میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

حکیم ہبۃ اللہ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں زیر تعلیم رہے، اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ طب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ طبیہ یونانی سرکار عالی سے حاصل کی، اس کے بعد طبیہ کالج دہلی کے امتحان میں شریک ہو کر سند اور تمغہ حاصل کیا۔ دہلی میں انہیں حکیم الیاس خاں اور حکیم فرید احمد عباسی سے استفادے کا موقع ملا، پھر پنجاب یونیورسٹی سے زبدۃ الحکماء کا امتحان پاس کیا۔ حکیم ہبۃ اللہ عربی زبان و ادب کی عمدہ لیاقت رکھتے تھے، وہ عربی میں بلا تکلف شعر کہتے تھے، انہوں نے عربی کی تعلیم پروفیسر عبد العزیز میمن (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور طب جدید کی تعلیم دواخانہ عثمانیہ کے سول سرجن ڈاکٹر خورشید حسین سے حاصل کی تھی۔

حکیم ہبۃ اللہ ۱۳۳۶ فصلی کو مدرسہ طبیہ یونانی سرکار عالی میں لکچرر مقرر ہوئے، پھر نظامیہ طبی کالج کے قیام کے بعد پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ افضل گنج، حیدر آباد میں 'دواخانہ یونانی طبی بورڈ' کے نام سے ان کا مطب تھا۔ وہ ایک اچھے استاذ اور معالج کے ساتھ طبی اداروں، انجمنوں اور تحریکوں کے بھی رکن تھے۔ انجمن اطباءِ یونانی حیدر آباد کے بھی وہ رکن تھے۔ حکیم رضا علی خاں کی تالیف 'یادگار رضائی' موسوم بہ تذکرۃ الہند کی باز اشاعت اور رسالہ 'حکیم دکن' کا اجراء اس انجمن کا قابلِ ذکر کارنامہ ہے، ان دونوں امور میں حکیم ہبۃ اللہ کی خدمات نہایت قابلِ ذکر ہیں۔ وہ 'حکیم دکن' کی مجلسِ ادارت میں تھے۔

حکیم ہبۃ اللہ مجلسِ طبابت سرکارِ عالی کے بھی رکن تھے، انہوں نے 'طبی کمیٹی' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس سے طب کے بہت سے شائقین کو استفادے کا موقع ملا۔

درج ذیل تالیفات و تراجم حکیم ہبۃ اللہ کی یادگار ہیں:

۱-معجم الامثال: یہ عربی امثال کا لغت ہے۔ اس کی تالیف میں پروفیسر عبدالحیٔ کے ساتھ حکیم ہبۃ اللہ بھی شریک تھے۔ عبدالحیٔ کی وفات کے بعد اس کی تکمیل حکیم ہبۃ اللہ نے کی تھی۔

۲-ترجمۂ حمیاتِ قانون: یہ ترجمہ دو جلدوں میں ۱۹۲۶ء میں ادارہ المسیح کے زیر اہتمام مطبع محبوب المطابع دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس ترجمہ میں متعدد اصحاب شامل رہے ہیں، لیکن اس میں غالب حصہ حکیم ہبۃ اللہ کا ہے۔ اس کے مترجمین میں حکیم محمد یوسف نیر بھی شامل ہیں۔ حکیم محمد کبیر الدین نے اس ترجمہ کی تہذیب و تنقیح کی تھی۔ ۲۰۰۹ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی باز اشاعت ہوئی ہے۔

۳-امراضِ سر: غالباً یہ قانونِ شیخ کے متعلقہ حصہ کا ترجمہ ہے۔

۴-امراضِ چشم: یہ مئی اینڈ ورتھ کی کتاب Eye Diseases کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے اصل مترجم ڈاکٹر خورشید حسین (سول سرجن دواخانہ عثمانیہ) ہیں۔ حکیم ہبۃ اللہ نے اس ترجمہ میں ان کی معاونت کی تھی۔

۵-امراض متعدیہ:

مطالعاتی ماخذ

۱- تذکرۂ اطباءِ عہدِ عثمانی از حکیم شفا حیدر آبادی، مطبوعہ صحیفہ پریس، ۱۹۵۲ء، ص ۱۷۸-۷۷ اور ۲۰۴-۲۰۰

•••

ڈاکٹر ی، الف محمد حسین

ڈاکٹر ی، الف محمد حسین طبِ جدید کے سند یافتہ تھے، انہوں نے ایم بی بی ایس کیا تھا، ساتھ ہی اردو زبان کے ماہر بھی تھے۔ وہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے سر رشتۂ تالیف و ترجمہ کے رکن تھے۔ عملِ طب ٹیلر، ترجمہ نگاری سے متعلق ان کی ایک یادگار ہے۔

عملِ طب ٹیلر۔ جلد اول: اس کے مرتب ای، پی پولٹن ہیں۔ اردو زبان میں طبّی نصاب کی فراہمی کے مقصد سے جامعہ عثمانیہ کے سر رشتۂ تالیف و ترجمہ نے اسے اردو میں ترجمہ کروایا۔ اس کے لیے ادارۂ مذکور نے اپنے رکن ڈاکٹر ی، الف محمد حسین کی خدمت حاصل کی تھی۔ یہ ترجمہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکارِ عالی، حیدر آباد سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۳۵۷ف/ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا ہے۔

●●●

حکیم محمد یوسف بستوی

سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کے وہ اراکین جو شعبۂ ترجمہ نگاری سے وابستہ رہے ہیں، ان میں ایک نام حکیم محمد یوسف بستوی کا بھی ہے۔ ان کا وطنی رشتہ اتر پردیش کے ضلع بستی سے ہے، یہ اب سنت کبیر نگر کے نام سے موسوم ہے، یہاں موضع چھپیا، پوسٹ صالح پور میں وہ ۱۳ر جون ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے گاؤں ہی کے مدرسہ اصلاح المسلمین سے عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ تحصیلِ طب کے لیے ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ میں داخل ہوئے، یہاں سے ۷۱-۱۹۷۰ء میں GUMS کی سند حاصل کی۔

وہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو یونانی کونسل سے وابستہ ہوئے، لٹریری ریسرچ یونٹ، لکھنؤ سے ان کی ملازمتی زندگی کا آغاز ہوا، اس وقت یہاں حکیم شکیل احمد شمسی کی نگرانی میں قدیم طبی کتابوں کے ترجمے کا کام چل رہا تھا۔ حکیم تبارک کریم تکمیلی، حکیم سید غلام مہدی راز اور حکیم خالد جاوید شمسی وغیرہ اس منصوبہ سے پہلے سے جڑے ہوئے تھے، حکیم محمد یوسف بستوی بھی اس سلسلہ کا حصہ بنے۔ حکیم تبارک کریم تکمیلی نے ابن رشد کی 'کتاب الکلیات' کو خطِ نستعلیق میں نقل کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا شمار ان کے علمی مفاخر میں ہے۔ تکمیلی صاحب کے اس ترجمہ پر نظر ثانی کرنے کا کام حکیم یوسف بستوی کو تفویض ہوا، انہوں نے اسے بطریقِ احسن پورا کرنے کی کوشش کی۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس کتاب میں جہاں طب کی فلسفیانہ بحثیں ہیں، وہ معانی کے اعتبار سے بڑی ژولیدہ ہیں، ان کے حل کے لیے بعض دفعہ ماہرینِ فلسفہ سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں ایک بار انہیں دارالعلوم دیوبند کا بھی سفر کرنا پڑا تھا۔ کونسل کی

ملازمت کے دوران حکیم محمد یوسف بستوی کا قابلِ ذکر کارنامہ ضیاء الدین عبد اللہ بن احمد اندلسی مالقی معروف بہ ابن بیطار (۱۱۹۷ء۔۱۲۴۸ء) کی کتاب 'الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ' کا اردو ترجمہ ہے، گرچہ اس عمل میں ان کے ساتھ حکیم خالد جاوید شمسی اور حکیم سید محمد حسان نگرامی بھی شامل رہے ہیں، لیکن اس کے روح رواں کی حیثیت انہیں کی ہے۔ اس کے ترجمہ کا بیشتر کام لکھنؤ میں اور کچھ جامعہ ہمدرد میں واقع لٹریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ہوا ہے۔ حالانکہ 'کتاب الجامع' کے ترجمہ میں ضرورت سے زیادہ وقت لگا، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ہر لحاظ سے ایک جامع اور معیاری کام ہے۔ ترجمے اور تحقیق کے کچھ دوسرے منصوبوں سے بھی ان کی وابستگی رہی ہے، لیکن برائے نام سی۔ ایک زمانہ میں انہیں 'کتاب الماۃ' کے اردو ترجمہ کا کام بھی تفویض ہوا تھا، انہوں نے اس کے چند مقالوں کا ترجمہ بھی کیا تھا، لیکن یہ نا تمام رہا۔

جب ۲۰۰۴ء میں ہندوستان کی طبی وراثت کو محفوظ کرنے کے لیے ٹریڈیشنل نالج ڈیجیٹل لائبریری کا پروجیکٹ شروع ہوا تو اس وقت سب سے بنیادی کام TKRC کی تیاری کا تھا۔ یہ ایک مشکل کام تھا، حکیم محمد یوسف بستوی نے بڑی جانفشانی سے اسے انجام دیا تھا، اس کی تیاری میں ان کا رول بہت کلیدی رہا ہے۔ جب ڈیجیٹائزیشن کا کام شروع ہوا تو پروجیکٹ میں شامل وہ کتابیں جن کے ترجمے دستیاب تھے، ان پر انہیں ترجموں کے ذریعہ کام ہو رہا تھا، پھر محسوس کیا گیا کہ ترجموں سے کام کرنے کی صورت میں اس کی حوالہ جاتی حیثیت متاثر ہوگی، اس لیے کہ ترجموں کا مرتبہ ثانوی درجہ کا ہوتا ہے، لہٰذا عربی و فارسی میں دستیاب اصل مآخذ سے کام کیا جائے تو یہ زیادہ معتبر و مستند ہوگا۔ حکیم محمد یوسف بستوی نے نہ صرف اعلیٰ ذمہ داروں تک یہ بات پہنچائی بلکہ بزور استدلال اسے منوایا بھی۔

حکیم محمد یوسف بستوی عربی و فارسی کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، وہ گاہے بہ گاہے فارسی میں شاعری بھی کرتے ہیں، لیکن یہ معاملہ بس طبع آزمائی اور تفننِ طبع کی حد تک ہے، اگر مستقل مزاجی کے ساتھ وہ مشقِ سخن کا سلسلہ جاری رکھتے تو ایک مفید ادبی سرمایہ جمع ہو جاتا۔ زبان کی اتنی اچھی استعداد رکھنے کی وجہ سے ان سے اس سے کچھ زیادہ کی توقع تھی، جتنا انہوں نے کیا ہے، مگر وہ اس جوہرِ خفتہ کو پوری طرح بروئے کار نہیں لا سکے۔ تقریباً تیس برس کی ملازمت کے بعد ۳۰/جون ۲۰۰۵ء کو وہ ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے اور اس وقت دلّی میں قیام پذیر ہیں۔

حکیم محمد یوسف بستوی ایک قلندر صفت انسان ہیں۔ بے حد سادہ لوح ہیں اور مستغنی طبیعت

کے مالک ہیں، مزاج میں مصالحت کا عنصر غالب ہے، تعارض سے محترز رہتے ہیں۔ غالباً یہ اوصاف انہیں وراثت میں ملے ہیں، ان کے والد اپنے علاقہ میں صوفی محمد عمر کے نام سے مشہور تھے، وہ بڑے عابد وزاہد انسان تھے، ان کا بیشتر وقت عبادت وریاضت میں بسر ہوتا تھا۔ حکیم محمد یوسف بستوی کے اس مزاج کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ ملازمت کے آزمائشی عوارض سے محفوظ رہے اور بڑی پرسکون ملازمتی زندگی گزاری۔

•••

حکیم سید محمد یوسف نیرؔ

حکیم سید محمد یوسف نیرؔ بلند شہر (اتر پردیش) کے ایک ممتاز خاندان کے فرد تھے۔ ان کے بزرگوں کا سلسلۂ تلمذ شاہ عبدالعزیز دہلوی سے ملتا ہے۔ خود حکیم محمد یوسف ایک فاضل طبیب تھے۔ مطب و معالجہ میں حذاقت کے ساتھ شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں، نیرؔ ان کا تخلص تھا۔ رسائل و جرائد میں مضامین کے علاوہ مستقل کتابیں بھی ان کے علمی آثار کا حصہ ہیں۔ 'طب عثمانیہ'، 'کتاب القابلہ' (مطبوعہ ۱۹۲۸ء) اور 'ہدیۂ ذکور' اس سلسلے کے اہم نام ہیں۔ 'ہدیۂ ذکور' مردانہ جنسی مسائل سے متعلق ہے۔ یہ دفتر المسیح کے زیر اہتمام برقی جید پریس، دہلی سے ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ طبی ترجمہ نگاری میں بھی ان کی خدمات رہی ہیں، لیکن اس میدان میں ان کے کام ذیلی انداز کے ہیں، اس لیے اس تعلق سے کوئی مستقل یادگار نہیں ملتی۔ ارتجالی حوالوں سے ترجمہ نگاری سے متعلق ان کے درج ذیل کاموں کا پتہ چلتا ہے۔

۱- عیون الانباء فی طبقات الاطباء: حکیم سید محمد یوسف نیرؔ نے اس کا ترجمہ شروع کیا تھا، اس کی کئی قسطیں رسالہ 'المسیح' میں شائع بھی ہوئی تھیں، لیکن یہ سلسلہ دراز نہیں ہو سکا اس لیے نا تمام رہا۔ خواجہ رضوان احمد نے بھی عیون الانباء کا اردو ترجمہ کیا تھا، یہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے ہنگامہ میں تلف ہو گیا تھا۔ عیون الانباء کا جو اردو ترجمہ اس وقت دستیاب ہے، اس کے مترجم حکیم عبدالمجید اصلاحی ہیں۔ یہ سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے دو جلدوں میں بالترتیب ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا ہے۔

۲- ترجمہ 'حمیات قانون حصۂ اول و دوم': یہ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں ادارہ المسیح کے زیر اہتمام مطبع محبوب المطابع، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مترجمین میں حکیم سید محمد یوسف نیرؔ بھی شامل رہے

ہیں۔ حکیم کبیر الدین نے نظر ثانی کے ذریعہ اس کی تہذیب و تنقیح کی ہے۔ ۲۰۰۹ء میں سی سی آر یو ایم، نئی دہلی سے اس کی باز اشاعت عمل میں آئی ہے۔

حکیم سید محمد یوسف کے بزرگوں کا اصل وطن بلند شہر تھا، مگر تلاشِ معاش کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں ان کی سکونت رہی۔ خود حکیم محمد یوسف نیؔر نے اس مقصد سے ضلع بیڑ، حیدر آباد دکن کو وطنِ ثانی بنالیا تھا۔ یہاں کے علمی، ادبی اور طبّی حلقوں کا وہ معروف چہرہ تھے۔ انہیں حیدر آباد دکن کے سر رشتۂ طبابت سے تصنیف و تالیف کے لیے ماہانہ سو روپے کی گرانٹ ملتی تھی۔

حکیم سید محمد یوسف نیؔر کے سنہ پیدائش اور وفات کا علم نہیں ہوسکا، تاہم تذکرۂ اطباء عہد عثمانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت (۱۹۵۲ء) سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

مطالعاتی ماخذ

۱- تذکرۂ اطباء عہد عثمانی از حکیم شفا حیدر آبادی، مطبوعہ صحیفہ پریس، ۱۹۵۲ء، ص ۲۰۸-۲۰۶

۲- حمیاتِ قانون، حصۂ اول و دوم، مطبع محبوب المطابع، دہلی، ۱۹۲۶ء، ص سرورق

●●●

Urdu Tibbi Mutarjimin

BY

Hakim Fakhre Alam

ISBN: 978-93-83549-69-6

2017 • 600 Copies

Price: Rs. 400/=

Under the Aegis:
All India Unani Tibbi Conference
Hamdard Manzil, Lal Kuan, Delhi-110006

Publisher:
Educational Book House
Muslim University Market, Aligarh-202001

Printed at:
Muslim Educational Press
Bani Israilan, Aligarh-202001

Address of Author:
Hakim Fakhre Alam
D-II Floor, Samreen Apartment
Shah Basheer Clony, Hadi Nagar
Doharra, Aligarh-202002 (U.P.)
Mobile No. 09411653041/08744025981
E-Mail: fakhrealamx7598@gmail.com

Urdu Tibbi Mutarjimin

Hakim Fakhre Alam

All India Unani Tibbi Conference
Hamdard Manzil, Lal Kuan, Delhi-110006
2017

Urdu
Tibbi Mutarjimin

Hakīm Fakhre Alam

ISBN 978-93-83549-69-6

All India Unani Tibbi Conference
Hamdard Manzil, Lal Kuan, Delhi-110006
2017